

باسمہ تعالیٰ

اسلام کا معاشی نظام

تالیف

علامہ سید محمد رضی زنگی پوری اعلیٰ اللہ مقامہ

تجدید نظر

حجت الاسلام والمسلمین مولانا سید محمد زکی باقری

ناشر:

حوزہ علمیہ باقر العلوم والبلاغ آرگنائزیشن علی پور (الہند)

مشخصات

نام کتاب اسلام کا معاشی نظام
تالیف علامہ سید محمد رضی زنگی پوریؒ
تجدید نظر حجت الاسلام والمسلمین مولانا سید محمد زکی باقری
صفحات ۲۶۴
قیمت ۱۰۰ روپے، ۵ روڈالر
سنہ اشاعت ۲۰۱۲ء
کورڈیناٹنگ وزیر حسن چندہ
ہمام ادارہ اصلاح، لکھنؤ
مبسوطہ نارون آفسیٹ پریس، لکھنؤ
ناشر حوزہ علمیہ باقر العلوم و البلاغ آرگنائزیشن، علی پور (الہند)

ایک نظر۔۔۔

اس فانی دنیا میں اگر کوئی باقی رہتا ہے تو بس وہی جس نے اپنے علمی کارناموں سے اپنے بقا کی نشانیاں چھوڑا ہو۔ اور ایسے انسان بہت کم ہیں جنہوں نے اپنے پیچھے ایسی یادگاریں چھوڑی ہو جو انسانیت کی خدمت کہلانے کے قابل ہو۔ ایسی علمی کاوشیں جو زمانے کے گزر جانے کے بعد بھی ان کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آتا ان کے کارنامے تازہ پھولوں کی خوشبو دیتی ہیں۔ ان علمی کارناموں میں سے ایک مہکتا اور تازہ پھول یہ عظیم کتاب : ”اسلام کا معاشی نظام“ ہے جس کو حجۃ الاسلام مولانا سید محمد رضی زنگی پور نور اللہ مرقدہ نے قلم بند فرمایا ہے۔

پانچ سال قبل عشرہ محرم کے دوران مدیر ماہنامہ مجلہ ”طاہرہ“ حجۃ الاسلام مولانا حیدر عباس صاحب قبلہ دامت برکاتہ نے اس کتاب کو عنایت فرمایا تو میں راستے ہی میں چند صفحوں کو پڑھ کر اس کتاب اور صاحب کتاب کو خراج تحسین پیش کرتا رہا۔ حق وہی جو صاحبان حق کہ دیں مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہم السلام روحی و ارواح العالمین لمقدمہ فداء نے فرمایا: ”لا میراث کالادب“ علم و ادب جیسی کوئی اور میراث نہیں ہے۔ اس کے بعد میں نے اسی کتاب کے مطالب کو محور بنا کر محرم و صفر کے مجالس کو پڑھا بارگاہ رب العزت میں قبولیت کی بھیک مانگتا ہوں۔

علم اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے جو ہر دور ہر زمانے میں ہر انسان و انسانیت کے لئے مفید ہو کتاب حاضر اس بات کے لئے بین ثبوت ہے۔ دور حاضر میں جس بحران سے ہر ملک خواہ وہ جہان اول کے نام سے یاد کیا جائے خواہ ہو جہان سوم سے سب کے سب معاشی بحران کے دوچار ہیں جس کا حل سوائے اسلام کے کوئی اور نہیں ہے جس کو مکتب اہل بیت علیہم السلام نے عملی طور پر اس کو ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔

دور جدید ہے اور دنیا اپنے سائنسی پیش رفت پر نازاں ہے مگر جب ہم انسانی اقدار کو انسانیت سوز حالت میں دیکھ رہے ہیں ہر طرف ناحق انسانی خون بہ رہا ہے حقوق انسانی کو وہ پامال کر رہے جو دعویٰ دار حقوق انسانی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اب انسان کو انسان کہنا بھی ایک غیر انسانی اقدار ہے۔ یہ دور ”فی ضلال مبین“ تبدیل ہو چکا ہے۔ انسان کو پھر ”نور مبین“ یعنی اسلام پر مکمل عمل کی ضرورت ہے۔

اسلام کی نگاہ میں محرک عمل (Motivation factors) ایمان باللہ، ایمان بعبادہ، جذبہ، ایثار جو کہ صرف و صرف ”اللہ کی محبت“ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے: ”قل انکنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ“ اے رسول (ص) ان مومنین کو بتلا دو اگر وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو میری پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت کریگا (آل عمران: ۳۱)۔ یہ جذبہ اسی کے ہاتھ آئیگا جو چند روزہ دنیا کی مادی زندگی سے آگاہ ہو: ”ان الذین لا یرجون لقاءنا و رضوا بالحیاة الدنیا واطمأءنوا بہا والذین ہم عن ایاتنا غافلون“

بیشک جو لوگ ہماری ملاقات (اللہ کی رضا) کی تمنا نہیں رکھتے اور اس دنیا کی زندگی سے خوش ہیں اور انہیں اطمینان بھی ہے (یہ کہ بس یہی سب کچھ ہے) اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ (یونس: ۷)

یو، ان، او (U N O) کے دستور پر نگاہ ڈالیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے سب کچھ اسلام ہی کی تعلیم سے لیا گیا ہے (ویسے انسان کے پاس اسلام سے پہلے تہذیب و تمدن نامی کوئی چیز موجود ہی نہ تھی) مگر کمی کس چیز کی ہے اس دستور میں؟ ہم اسلام کے پروانوں کی نگاہ میں جس چیز کی کمی ہے وہ ہے ”محرك عمل (Motivation factors)“ اگر محرك عمل مادی اغراض نہ ہوتے تو یہ دستور کسی حد تک انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف کے پھیلانے میں کارگر ثابت ہوتا۔ یو، ان، او (U N O) میں ”وٹو پاور اور مستقل عضویت (Viteo Power and Permenent Membership)“ قوانین کے تحت بات کا بین ثبوت ہیں کی دور جدید انسانیت کے جذبہ سے عاری ہے اور مسائل کا حل ”قوت و طاقت Power and Strength“ کو سمجھتی ہے جس کا قرآن مجید نے یہ کہ کر کہ انکار کر دیا ہے کہ ”والعاقبة للمتقين متقین ہی کے ہاتھوں کامیابی ہے“۔ ”بقائے اصح Servival of the Fittest“ سماجیات کے مقولہ کی غلط تعبیر ”قوت و طاقت Power and Strength“ ہے۔ اس کی فطری قرآنی عدل و انصاف سے جڑی تعبیر ”متقین، اور صالحین“ ہے جو نہ ہی قوت کے حصول کے خواہاں نہ ہی دنیا کے منابع کو ایک طبقہ میں لانے کا جذبہ بلکہ اگر حکومت و قوت و طاقت کا حصول بھی ہوگا تو فقط دنیائے انسانیت میں عدل و داد سے مزین کرنا ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں مقام ذیقار (صفین کے نزدیک جگہ کا نام ہے) مولا امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھا آپؐ اپنی جوتی سی رہے ہیں، انہیں تعجب ہوا اور اس موقع پر مولاؑ کا یہ عمل کچھ سازگار سا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مولاؑ نے پوچھا: ما قيمة هذه النعل؟ اے ابن عباس کیا قیمت ہے اس جوتی کی؟ میں نے کہا: لا قيمة لها۔ اس کی کوئی قیمت نہیں۔

مولاً نے فرمایا: واللہ لہی احب الی من امرتکم الا ان اقیل حقاً اور ادفع باطل:۱
خدا کی قسم تمہاری حکومت میرے نزدیک اس بے قیمت جوتی سے بھی کم ہے مگر یہ کہ (اس
حکومت کے ذریعہ) میں حق کو قائم کروں اور باطل کو مٹاؤں۔ (نہج البلاغہ: خ ۳۳)
اس معیار انسانیت کو سوائے اسلام اور وہ بھی مکتب اہلبیت کے علاوہ اور کہیں نہیں
دیکھ پائیں گے۔

آج ساری دنیا میں عموماً اور جہاں اول میں خصوصاً ایک فطری آواز بلند ہو رہی ہے
جس کا اگر خلاصہ کیا جائے تو ایک ہی محور ہے دنیائے انسانیت تلاش عدل و داد میں سرگرداں ہے
اور اسی کی جانب اشارہ ہے سرکار رسالت مآب کی حدیث میں جہاں پر آپ نے آئندہ حالات
کا جانب خوش خبری دی ہے جو کہ شیعہ اور سنی دونوں مکاتب میں یہ حدیث تواتر کا درجہ رکھتی
ہے: ظہور امام مہدی کی جانب متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: یملاء الارض قسطاً و عدلاً
بعد ما ملئت ظلماً و جوراً: زمین کو عدل و داد سے بھر دیگا جب کہ وہ ظلم و جور سے بھری
ہوئی ہوگی۔ (المعجم الکبیر طبرانی: ج ۱۰ ص ۱۳۳)

آج کی دنیا میں جو معاشی نظام چل رہے ہیں خواہ وہ کسی بھی نام سے ہو جیسے نظام
سرمایہ داری، نظام اشتراکی، وغیرہ سب میں کئی خامیاں موجود ہیں سب سے بڑی خامی حاکموں
کی لجام کو تھامنے کا کوئی موثر طریقہ موجود نہیں ہے۔ ان کے اختیارات اتنے کہ سیاہ و سفید کے
مالک ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں اور کوئی باز پرس کرے بھی تو یہ لوگ ظاہری
قوانین ہی کا سہارا لے کر بیچ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام نے جس بات کی جانب توجہ دلائی
ہے وہ حاکم کا بارگاہ رب العزت میں جواب دہ ہونا اسی طرح جس طرح ایک عام انسانوں کی
باز پرس ہوتی ہے۔

مولا امیر المومنین علیہ السلام اپنے ایک ہونے والے مصر کے گورنر ملک اشتر کو تفصیلی فرمان دیا ہے جو دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی رہنمائی کسی حاکم کے لئے نہیں ہو سکتی:- جس کے اہم نکات پر توجہ کریں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آج کے بلکہ ہر زمانے کے حاکموں کے لئے ایک مکمل دستور العمل ہے جس پر عمل کیا جائے تو دنیا جنت بن سکتی ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ: عمل صالح، تقویٰ الہی، ہمیشہ بارگاہ رب العزت میں جواب دہ رہنے کا خوف، عدالت، عوام کے درد سے آشنائی اور ان کا مدارا کرنا، خواص یعنی ایک مخصوص طبقہ کو خوش کر کے عوام کی اکثریت جو مستحق ہیں اور انسان ہونے کے ناتے برابر کا حق رکھتے ہیں کو کبھی ناراض نہ رکھیں، مذہب ہی نہیں بلکہ انسانی اقدار کو اپنا نسب العین بنائیں اور اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ مظلومین کی آہ کو خالق کائنات سنتا ہے۔ (نہج البلاغہ: اقتباسات از خط: ۵۳)

آج کی چھ ۶ عرب انسانی آبادی میں صرف دو فی صد انسانی خوں خوار افراد کے ہاتھوں سٹمی ہوئی ہے۔ اور کسی ازم کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ مگر یہ کہ دنیا آج بھی اس چوکٹ پر سجدہ کرے جہاں انسانی اقدار کی بنا پر رضا کارانہ اپنے مال و دولت کو صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر دیں گو اس دنیا میں بظاہر گھائے ہی میں کیوں نہ ہوں:

یو ثرون علیٰ انفسہم و لو کان بہم خصاصہ: اپنے نفسوں کو ایثار کرتے ہیں حالانکہ خود گھائے میں ہوتے ہیں (الحشر: ۹)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ غافلین کون ہیں اور کیوں ہیں: ان الذین لا یرجون لقاءنا و رضوا بالحیاء الدنیا و اطمنوا بہا و الذین ہم عن آیاتنا غافلون۔ جو لوگ ہماری ملاقات کی تمنا نہیں رکھتے اور دنیا ہی کی حیات سے راضی رہتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ (یونس: ۷)

ان کے اس غفلت کی وجہ: يعلمون ظاہر امن الحياة الدنيا و هم عن الآخرة هم غافلون۔ (یہ لوگ) دنیا کی ظاہری حیات سے واقف ہیں اور آخرت کی (ناختم ہونے والی نعمتوں) سے غافل ہیں۔ (روم: ۷)

حجۃ الاسلام مولانا سید محمد رضی زنگی پور نور اللہ مرقدہ کی یہ کتاب ایک نادر سعی بلیغ ہے جس میں انہوں نے معاشیات کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھی ہے۔ دل تو چاہتا یہ تھا کہ اس کی شرح لکھی جائے مگر اپنی بے بضاعتی اور مصروفیات نے مجبور کر دیا کہ اس کو اس کی اصل ہی پر باقی رکھا جائے۔ ہاں کوشش یہ کی گئی ہے کہ منابع احادیث کو اس کتاب کے پڑھنے، والوں کی آسانی کے لئے حدیث کے پہلو ہی میں درج کر دیا جائے۔

سب سے بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہوں جس نے یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ اس کتاب کو تجدید نظر کے ساتھ مومنین کی خدمات میں پیش کی جائے۔

گر قبول افتدز ہے عز و شرف

میں حجۃ الاسلام مولانا سید احمد رضا الحسنی دامت برکاتہ کا مشکور ہوں جنہوں نے مصنف کا تعارف تحریر فرمایا اور اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں بھی کوشاں رہے۔ اس کے ساتھ ماہ نامہ اصلاخ کے مسئولین کا جو اس کتاب کے طبع کرنے میں مددگار ثابت ہوئے۔

آخر میں ’حوزہ علمیہ باقر العلوم و البلاغ آگنائزیشن علی پور کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کے نشر کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی۔

تعارف

از: حجۃ الاسلام مولانا سید احمد رضا الحسینی دامت برکاتہ

برصغیر میں لکھنؤ کو شیعیت کا مرکز قرار دیا جاتا تھا اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شاہان اودھ نے فیض آباد سے جب دارالسلطنت منتقل کر کے لکھنؤ بنایا تو مذہبی اور قومی معاملات میں علماء کی ضرورت ہوئی اور ملک سے اکابر علماء کو دعوت دی گئی، مدارس و حوزات کو قائم کیا گیا مساجد و امام بارگاہ اور روضوں کی تعمیرات ہوئیں یہی سبب ہے کہ علماء و مومنین و طلاب کی ایک کثیر تعداد تھی جس نے لکھنؤ کا رخ کیا اور اس مرکز سے وابستگی اختیار کی، لیکن وسائل کی عدم فراہمی کی وجہ سے ایسے بھی علاقے تھے جہاں سے طلاب نہیں آسکتے تھے لہذا اگر قریب میں کوئی عالم دین فراہم ہو جاتا تو یہ علمی تشنگی پوری کرتے۔

سادات کی ایسی ہی ایک بستی، 'زنگی پور' ہے جو شہر غازی پور سے ۱۴ کلومیٹر مغرب کی جانب واقع ہے، اس بستی کو ہمیشہ سے شہرت اس وجہ سے حاصل رہی ہے کہ یہاں پر مشہور علماء و افاضل، شعراء و ادباء اور جدید علوم کے ماہرین اور گورنمنٹ کے اندر بڑے عہدوں پر فائز افراد گذرے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ اس بستی زنگی پور میں علماء کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی اور وہاں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اگر کسی طالب علم کو علم دین حاصل کرنے کا شوق ہوتا تھا تو بجائے یہ کہ کسی معروف مدرسہ میں جا کر تحصیل علم کرے، وہاں کے مقامی علماء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے شرف تلمذ حاصل کرتا تھا۔

انہیں بزرگ اور قابل ذکر علماء میں علامہ سید محمد رضی زنگی پوری اعلیٰ اللہ مقامہ بھی تھے جو ایک جید عالم دین مفسر قرآن، محدث و مؤرخ اور بہترین استاد اور انتظام کار تھے اور ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے آپ کی بے حد علمی و تبلیغی خدمات کئی دہائیوں پر مشتمل ہے، انہیں ہمہ جہت صلاحیتوں کی وجہ سے آپ کو بنارس کے مشہور علمی درس گاہ جواد العلوم جواد یہ عربی کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور آپ نے جو طلباء کی تربیت کی اور شاگرد بنائے انھوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی، علامہ سید محمد رضی زنگی پوری کی عملی و قلمی کاوشیں مختلف اور مفید موضوعات پر ہیں جو نہ صرف مومنین، کیلئے قابل استفادہ ہیں بلکہ طلباء اور علماء کیلئے بھی ایک بڑا علمی سرمایہ ہیں۔

احضار کے ساتھ چند کتابوں اور مقالات کا ذکر نمونہ کے طور پر کرنا چاہتا ہوں ”تقدیر و بداء“ کے عنوان سے ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ۱۹۵۱ء میں تحریر فرمایا جسے علماء کے درمیان پذیرائی حاصل ہوئی اور عوام کیلئے بچہ مفید ثابت ہوا، خدا نے اصول تصرف قانون حکمت کے عنوان سے واضح اور مدلل انداز تحریر اختیار کیا ہے اور فلسفیانہ گفتگو کر کے باطل خیالات و نظریات کی دھجیاں بکھیر دیں ہیں۔

”ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت“ کے عنوان سے ۵۵ صفحات پر مشتمل ایک کتاب ۱۹۵۶ء میں تحریر فرمائی اور ۱۹۵۷ء میں ”حدوث عالم“ کے عنوان سے ۱۹ صفحات پر مشتمل رسالہ تحریر کیا جس میں مادہ پرستی اور دہریت کے پھیلنے ہوئے قدیم و جدید قسم کے شبہات کو عقلی استدلال

کی روشنی میں باطل کر کے خدا شناسی کے راستہ سے ہر طرح کے کانٹے کو صاف کر دیا۔ ”دنیا کا آخری انجام“ کے عنوان سے حضرت علامہ زنگی پوری نے ۷۹ صفحات پر مشتمل کتاب تحریر فرمائی علامہ مرتضیٰ عسکریؒ کی کتاب، ام المؤمنین عائشہ، کا ترجمہ مولانا سید محمد باقر نقویؒ نے کیا۔ اس کتاب کے آخر میں علامہ رضی زنگی پوری کا ایک مضمون، آیۃ تطہیر، کے عنوان سے چھپا ہے جو بیحد علمی اور وقیع مضمون ہے۔

شہید ثالث سید نور اللہ شوشتریؒ کی مشہور کتاب ’احقاق الحق‘ کے باب کتاب النبوة کا ترجمہ بھی آپ کی خدمات میں شامل ہے، ”عدل و حکمت“ کے عنوان سے ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ۱۹۵۹ء میں تحریر کیا، امام زمانہ علیہ السلام کے حالات و زندگی سے متعلق، اسلامی فرقوں میں مختلف افکار و خیالات پائے جاتے ہیں، آپ کے عہد میں اہلسنت کا ایک رسالہ، اروع اللئام، کے نام سے نکلتا تھا جس میں غیبت و رجعت کے موضوع پر تشیع پر سخت تنقید کی گئی تھی علامہ رضی زنگی پوری نے اس کے جواب میں ”کشف الظلام عن غیبة الامام“ تحریر کر کے امام مہدی علیہ السلام کی غیبت اور حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کی رجعت کو محققانہ طور پر بیان کیا، یہ کتاب ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

اور علامہ رضی زنگی پوری کے عظیم کارناموں میں ”تفسیر رضی“ ہے یہ تفسیر ان یادداشتوں پر مشتمل ہے جو جناب علامہ نے رامپور میں تیار کئے تھے۔ نواب صاحب رام پور رضا علی خان کی خواہش پر علامہ حافظ کفایت حسین، مولانا سید محمد دھلوی اور علامہ سید محمد رضی زنگی پوری پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل پایا تھا اور اس بورڈ کے ذمہ ایک جامع تفسیر لکھنے کا کام سپرد کیا گیا تھا لیکن تقسیم ملک کی وجہ سے کام مکمل نہ ہو سکا، علامہ رضی مرحوم نے اس ضمن میں جو کام کیا تھا اسے مولانا سید ظفر الحسن صاحب مرحوم نے شائع کیا اس تفسیر کے ۵ حصے ہیں اور پانچوں حصے شائع ہو چکے ہیں۔

انقلاب اسلامی ایران کے بعد آج ہر موضوع پر کتابیں تحریر ہو رہی ہیں لیکن اس سے قبل بس چند موضوعات تھے جس پر کام ہوا اور بار بار ہوا۔ اقتصاد ایک ایسا موضوع ہے جسکی اہمیت کسی بھی عہد میں کم نہ تھی مگر نجانے کیوں اس موضوع پر پہلے بہت کم لکھا گیا، فیلسوف اسلام شہید باقر الصدرؒ نے 'اقتصادنا' لکھ کر علمی دنیا میں ایک ہاپل مچادی اور پوری دنیا میں اسکی پذیرائی ہوئی۔

لیکن اسلام کے اس اہم موضوع اقتصادیات کی ضرورت کو علامہ سید محمد رضی زنگی پوری نے اپنے زمانہ میں محسوس کیا اور ایک مدلل اور مضبوط کتاب تحریر فرمائی اور اس کتاب کا نام رکھا، ”اسلام کا معاشی نظام“ اردو داں طبقہ میں اس کتاب کو بیحد مقبولیت حاصل ہوئی اور شاید اس موضوع پر اردو زبان میں اس کتاب کو پہلی کتاب کہا جاتا ہو۔ اور اس راہ کے سب سے پہلے علامہ رضی مرحوم ہوں۔

سید احمد رضا الحسینی

باب العلم (تورنٹو) کناڈا

باسمہ تعالیٰ

اسلام کا معاشی نظام

مشیت خداوندی نے مطلع نیر اسلام بنانے کے لئے ایک ایسے خطہ دنیا کو منتخب فرمایا جس کے ساکنین خیر دنیا و آخرت دونوں سے بیگانہ تھے، ظلمت کفر و جاہلیت کی طرح ضیق معاش، فلاکت و افلاس کی مصیبتیں بھی ان پر سایہ فلگن تھیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوم عرب کا حال نہ صرف مذہبی و تمدنی اعتبار سے تمام اقوام عالم سے بدتر تھا بلکہ افلاس و مسکینیت اور معاشی مشکلات و شدائد کے لحاظ سے بھی اس کی حالت حد سے سوا خراب تھی اس کی وحشیانہ و جاہلانہ زندگی نے معیشت کے وسائل کو بھی اس کے لئے تنگ کر دیا تھا۔ کسب معاش کے طریقوں میں بھی جاہلیت کے آثار نمایاں تھے فتنہ و فساد ظلم و جور، قتل و غارت اس کا مرغوب پیشہ تھا۔ رہزنی، خیانت، قمار بازی کا عام رواج تھا، ایسی بد کرداریاں جن کے تذکرہ سے انسانیت کو شرم آتی ہے اس کے لئے قابل فخر ذرائع معیشت تھے، قتل اولاد کا عام رواج تھا۔ غرباء، فقیری و بے مائیگی کے خوف سے، اور اہل دولت و ثروت اپنی فرضی شرافت کے فخر و غرور کا سراونچا رکھنے کے لئے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔

فاقہ کش عوام ان بد اخلاقیوں میں گرفتار تھے، جو خاصہ فقر و افلاس ہوا کرتی ہیں۔ اور طبقہ خواص میں وہ بری خصلتیں اور بد کرداریاں عام تھیں جن کو سرمایہ دارانہ ذہنیت اپنے ساتھ لایا کرتی ہے۔ عہد ظہور اسلام میں قوم عرب کے حال خراب کی بھیانک تصویریں نمائندگان اسلام نے اپنے کلاموں میں کھینچی ہیں، سیرت ابن ہشام میں حضرت جعفر طیار کی وہ تقریر دلپذیر منقول ہے جو آپ نے نجاشی بادشاہ حبشہ کے دربار میں کی تھی اس کے چند فقرہ یہ ہیں:

قبل ظہور اسلام عرب کی دینی و معاشی ابتری اور اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ

حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر

أيها الملك! انا كنا قوماً اهل جاهلية نعبد الاصنام و ناكل الميتة و نأتي الفواحش و نقطع الارحام نسئ الجوار و يأكل القوي منا الضعيف فكنا على ذالك حتى بعث الله عزّ وجلّ الينا رسولا منا نعرف نسبه و صدقه و امانته و عفاه، فدعانا الى الله لنوحده و نعبده و نخلع ما كنا نعبد نحن و آبائنا من دونه من الحجارة و الاوثان و امرنا ان نعبد الله وحده و لا نشرك به شيئاً و امرنا بالصلوة و الزكوة و الصيام فعدد عليه امور الاسلام ثم قال و امر بصدق الحديث و اداء الامانة و صلة الرحم و حسن الجوار و الكف عن المحارم و الدماء و نهانا عن الفواحش و قول الزور و اكل مال اليتيم و قذف المحصنات فصدقناه و آمنا به و اتبعناه على ما جاء به من الله .

(البداية و النهاية، ج ۴، ص ۱۸۲)

”اے بادشاہ! ہم ایک بتلائے جاہلیت قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، برے افعال کیا کرتے تھے، قطع رحم اور ہمسایہ سے بد سلوکی ہمارا کام تھا۔ قوت والے کمزوروں کو

کھا جاتے تھے۔ اسی حال میں خدا نے ہم پر اپنا ایک پیغمبر ہم میں سے مبعوث کیا جس کا نسب جس کی سچائی امانتداری، پرہیزگاری کی خصلتوں کو ہم خوب جانتے تھے۔ اس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا کہ اس کی یکتائی کے قائل ہوں، اس کی پرستش کریں۔ اور جن پتھر کے بتوں کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے اُن کو چھوڑ دیں۔ اور ہم کو یہ حکم دیا کہ فقط خدائے یکتا کی بندگی کریں، اُس کا شریک کسی کو قرار نہ دیں، اور انہوں نے ہمیں نماز، زکوٰۃ، روزے کا حکم دیا۔“

حضرت جعفر طیارؓ نے تمام امور اسلام کو شمار کر کے فرمایا کہ:

”انہوں نے ہم کو راست گفتاری امانتداری، صلہ رحمی، ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک، مال حرام اور خون ناحق سے بچنے کا حکم دیا، اور ہم کو بدکاریوں لغو باتوں، مال یتیم کھانے اور پاپ دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگانے سے منع کیا، تو ہم نے ان کی تصدیق کی، ورنہ تمام باتوں میں جو خدا کی جانب سے لائے تھے ان کے پیرو بن گئے۔“

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کا بیان

نیز جناب امیر المومنین علیہ السلام نے عرب کی حالت قبل اسلام کی تصویر کھینچتے ہوئے فرمایا ہے:

وَالنَّاسُ فِي فِتْنٍ اَنْجَذَمَ فِيْهَا حَبْلُ الدِّينِ، وَتَزَعَزَعَتِ سَوَارِي الْيَقِيْنِ، وَاخْتَلَفَ النَّجْرُ وَتَشَتَّتَ الْاَمْرُ وَضَاقَ الْمَخْرَجُ وَعَمِيَ الْمَصْدَرُ فَالْهَدْيُ خَامِلٌ وَالْعَمَى شَامِلٌ عَصَى الرَّحْمَنُ وَنَصَرَ الشَّيْطَانُ وَخَذَلَ الْاِيْمَانَ فَانْهَارَتْ دَعَائِمُهُ وَتَنَكَّرَتْ مَعَالِمُهُ وَدَرَسَتْ سَبْلُهُ وَعَفَّتْ شُرَكَهُ اطَاعُوا الشَّيْطَانَ فَسَلَكُوا مَسَالِكَهُ وَوَرَدُوا مَنَاحِلَهُ، بِهِمْ سَارَتْ اَعْلَامُهُ، وَقَامَ لَوَاوُهُ، فِيْ فِتْنٍ دَاسَتْهُمْ بِاحْفَافِهَا وَوَطِئَتْهُمْ بِاَظْلَافِهَا، وَقَامَتْ عَلٰى سَنَابِكِهَا، فَهَمَّ فِيْهَا تَائِهَوْنَ حَائِرُونَ

جاہلون مفتونون فی خیر دار و شر جیران نومهم سہود، و کحلہم دموع .
(نہج البلاغہ، خطبہ ۲)

”جس وقت پیغمبر مبعوث ہوئے اس وقت دنیا کا یہ حال تھا کہ لوگ ہر طرف فتنہ و فساد میں مشغول تھے دین و شریعت کی رسی ٹوٹ گئی تھی، یقین کے ستونوں میں تزلزل پیدا ہو گیا تھا۔ اصل (نسل) کے اختلافات پھیلے ہوئے تھے، امر دنیا و دین سب بالکل پراکندہ ہو رہے تھے، نجات کے طریقے تنگ اور رہائی کے راستے بے نشان ہو چکے تھے، ہدایت و پوش اور جہالت شامل حال عامہ خلأق ہو رہی تھی، خدا کی نافرمانی کا دور تھا۔ شیطان کی نصرت بدل و جان کی جاتی تھی لوگ فتنوں میں سرگرداں و پریشان تھے، حیرت امتیاز حق و باطل سے مانع تھی، اپنے نفع و ضرر کا علم مفقود تھا وہ اچھے وطن (مکہ) میں تو تھے مگر بدترین ہمسایوں میں تھے بے خوابی ان کے لئے مینڈ تھی اور آنسو ان کی آنکھوں کے لئے سرمہ تھے۔“

نیز حضرت کا ارشاد ہے:

ان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نذیراً للعالمین و امیناً علی التنزیل و اتم معشر العرب علی شر دین و فی شر دار، منیخون بین حجارة خشن و حیات صم تشربون الکدر و تاکلون الجشب و تسفکون دمائکم و تقطعون ارحامکم، الا صنم فیکم منصوبہ و الآثام بکم معصوبہ.

(نہج البلاغہ، خطبہ ۲۶)

”خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالموں کے لئے ڈرانے والا اور اپنے نازل کئے ہوئے احکام کا امانتدار بنا کر بھیجا، اے گروہ عرب! اس زمانہ میں تمہارا حال یہ تھا کہ بدترین دین کے پیروکار تھے اور بدترین گھروں میں رہتے تھے تمہاری سکونت سخت پتھروں اور ایسے

زہریلے سانپوں کے درمیان تھی جن کے کاٹے کی دوا نہ تھی، کیچڑ سے بھرا پانی پیتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کا ناحق خون بہا رہے تھے، قطع رحم (اپنوں سے بدسلوکی) تمہارا طریقہ زندگی تھا، بت تمہارے درمیان پرستش کے لئے نصب تھے اور گنہگاریاں تمہارے دم سے وابستہ تھیں۔“

اسلام ایک قابل عمل نظام ہے جو عملی دنیا میں کامیاب ہو چکا ہے

ان اقوال میں عرب جاہلیت کی مذہبی، تمدنی، اخلاقی، معاشی، غرض ہر طرح کی پستی و بد حالی کا جو تاریک مرقع ہمارے سامنے دیا گیا ہے اگر اس کو پیش نظر رکھ کر اس واقعہ پر مدور و دور کیا جائے کہ فقط چند ماہ و سال کے عرصہ قلیل میں اسلامی برکات نے عرب کے مذہبی و اخلاقی، دنیوی و معاشی معیار کو کس سرعت کے ساتھ ارتقاء کے بلند ترین مدارج پر پہنچا دیا، انقلاب ذہنیت کے ساتھ ان کے اخلاق و کردار کی دنیا کس طرح منقلب کر دی ان کے دین کے ساتھ ان کی معیشت دنیوی کا عنوان بھی کس طرح بدل ڈالا، تو اقرار کرنا پڑے گا کہ تعلیمات اسلام کا یہ انقلابی کارنامہ اگر معجزہ نہیں تو تاریخ عالم کا محیر العقول اور بے مثال کارنامہ ضرور ہے جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام دین و دنیا معاد و معاش دونوں کا ایک مکمل قابل عمل اور کامیاب نظام ہے۔ فلسفی نظریہ کے حدود سے نکل کر تجربہ و عمل کی دنیا میں بھی اپنی کامیابی کا سکہ بٹھا چکا ہے۔ قوم عرب نہایت درشت مزاج و جاہل طبیعت قوم تھی۔ اثر پذیری و اطاعت گذاری کو اس کی جاہلیت نواز خصوصیات سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ اس کی دنیا و دین کو دیکھتے دیکھتے بدل دینا ایسے ہی نظام کا اثر ہو سکتا ہے، جو انسانی فطرت کے مناسب نظری و عملی دونوں پہلوؤں سے ہر طرح مکمل اور قابل عمل ہو، اور اپنی عملی طاقتوں کا کامل ترین اسوۂ حسنہ دنیا کے سامنے لا رہا ہو۔

اعجازی شان سے چند دنوں میں عرب جیسی بگڑی ہوئی قوم کو سدھارنا اور اس کی مذہبی و معاشی دینی و دنیوی زندگی کی سطح کو بلند ترین مرتبہ پر پہنچا دینا، اس بات کا شاہد ہے کہ یہ نظام جس قدر نظری اعتبار سے کامل ہے اسی قدر وہ قابل عمل بھی ہے، اگر دنیا میں اس کو نوع انسانی کی اصلاح کا ویسا ہی موقع اور بھی ملتا جیسا چند روز کے لئے حاصل ہو گیا تھا تو آج دنیا کی حالت کچھ اور ہوتی، یہ واقعہ نہایت الم انگیز ہے کہ اسلامی نظام کے رواج پذیری کی مدت بہت تھوڑی رہی، دنیا میں مسلمانوں کی حکومتیں تو باقی رہیں اور آج بھی ہیں۔ مگر ممالک غیر کا تذکرہ نہیں خود اسلامی ملکوں میں بھی نظام اسلامی کا اثر اہل اسلام کی روزمرہ کی زندگی میں باقی نہ رہ گیا، بہت جلد مسلمانوں نے انھیں نظریات و اطوار زندگی کو اختیار کر لیا جن کو نظام اسلامی مٹا دینا چاہتا تھا، قرآنی تعلیمات کا قالب تو رہ گیا مگر روح جاتی رہی، اسلامی حلقے نظری فلسفے کی حیثیت سے اس کا درس تو لیتے رہے مگر اس کا عملی سبق بھول گئے، اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ اس کی عملی حیثیت کا ذکر کیا اس کی نظری حیثیت کو بھی چھوڑ چکے ہیں۔ اسلامی دنیا کے افراد اسلامی تعلیمات سے رگاہ نہ اور قرآنی اصول و ہدایت سے نا آشنا ہونے میں غیر مسلم افراد و اقوام سے پیچھے نہیں ہیں۔ اسلامی اصول و نظریات پر عمل کی کس طرح امید کی جاسکتی ہے جب کہ ان کا تذکرہ بھی مسلمانوں کے لئے دلچسپ و مرغوب خاطر نہیں رہا ہے۔ اصول اسلامی و تعلیمات قرآنی سے عملی زندگی میں منحرف اور بے تعلق ہو جانے کا آخر وہی انجام آج ہر مسلمان کے سامنے ہے جس کی خبر غیب حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کے اس ارشاد میں مذکور ہے:

قرآنی تعلیمات سے روگردانی کا انجام

فعند ذلک لا یبقی بیت مدر ولا وبر الا دخله ظلمهم نرحه واولجوا فیہ نقمة
فیومئذ لا یبقی لکم فی السماء ولا فی الارض ناصر (نہج البلاغہ، ص ۱۶۵)

” (جبکہ مسلمان قرآن کی تعلیمات سے منحرف ہو جائیں گے) اس وقت نہ شہریوں کا کوئی مٹی سے بنا ہوا گھر ہوگا، اور نہ بدویوں کا کوئی بالوں کا خیمہ جس میں ظالموں نے رنج و غم نہ داخل کر دیا ہو، اور مصیبت نہ نازل کر دی ہو۔ اس دن تمہارا نہ کوئی آسمان میں مددگار ہوگا نہ زمین میں۔“

عقلوں نے جب آزادانہ فکر و غور کی فرصت پائی اور فطرت کے تقاضے نے انسانی دماغوں کو مناسب سمجھنے اور سوچنے کی طرف مائل کیا اور عقلیت پسند طبیعتیں درپے تجسس و تحقیق ہوئیں تو ان کے سامنے ایک طرف انسانی خود غرضی و نفس پرستی کے ہاتھوں فریادی عیسائیت بھی اور دوسری طرف دین و مذہب کے پردہ میں روح دین و مذہب کو پامال کرے والے اکابر مسلمین کے اخلاق و کردار کی کشتہ اسلامیت۔ غرض مجموعی طور پر دنیا ان کے سامنے اندھیری سی لہذا مذہب سے عام بدگمانی اور دین سے کلی نفرت پیدا ہو گئی، اور غیر مذہبی اصول بلکہ خالص شیطانی نظریات پر نظامات بننے لگے، جن کا غیر منقطع سلسلہ، نسل انسانی کی تباہی و ہلاکت کو دعوت دے رہا ہے، اور حضرت رسالت مآب صلعم کی یہ پیشن گوئی واقعات کی صورت میں، اسلامی دنیا کو بالخصوص دعوت نظر دے رہی ہے:

عالم اسلام کے انقلاب ذہنیت اور اس کے نتائج کی بابت آنحضرت کی خبر غیب:

یاتی علی الناس زمان بطونہم الہتہم و نسائہم قبلتہم و دنائیرہم دینہم و شرفہم متاعہم لا یبقی من الایمان الا اسمہ ولا من الاسلام الا رسمہ ولا من القرآن الا درسہ مساجدہم معمورۃ و قلوبہم خربۃ علمائہم شر خلق اللہ علی وجہ الارض فح ابتلاہم اللہ باربع خصال جور من السلطان و قحط من

الزمان و ظلم من الولاة والحكام و شركة مع العدو فتعجب الصحابة قیل یا رسول الله أیعدون الاصنام؟ قال نعم کل درهم عندہم صنم -

(لنالی الاخبار، ص ۱۲۴۔ مستدرک الوسائل: ص ۳۸۶)

”لوگوں پر ایسا زمانہ غمگین آنے والا ہے جس میں ان کے پیٹ ان کے معبود ہوں گے، ان کی عورتیں ان کی قبلہ ہوں گی ان کا دین ان کے دینار ہوں گے مال و متاع ہی پر ان کے شرف کا دار و مدار ہوگا۔ ایمان کا محض نام، اسلام کا فقط نشان رہ جائے گا، قرآن کی تعلیمات بس سبق پڑھا دینے تک محدود ہو جائیں گی مسجدیں تو آباد ہوں گی مگر دل ویران ہوں گے ان کے علماء بدترین خلق خدا ہوں گے ایسا زمانہ آئے گا تو خدا چار باتوں میں ان کو مبتلا کرے گا۔ سلطنت کا ظلم، قحط و گرائی، حکام کا ظلم، دشمنوں کے ساتھ شرکت“

اس پر صحابہ کو تعجب ہوا، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ بت پوجیں گے تو فرمایا: ”ہاں ہر درہم ان کے نزدیک ایک بت ہوگا۔“

حالات زمانہ کا تقاضا ہے کہ اسلامی نظام معیشت کا واضح خاکہ دنیا کی بے قرار و متجسس نگاہوں کے سامنے لایا جائے ممکن ہے کہ مضطرب دلوں کو توفیق ربانی اس سے ہدایت پائے اور روشنی حاصل کرنے کی طرف مائل کر دے۔

چند بنیادی باتیں

جن پر اسلامی نظام معیشت کا سمجھنا موقوف ہے

اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کو سمجھنے اور دور جدید کے اقتصادی و معاشی نظامات سے اس کا فرق معلوم کرنے کے لئے چند باتوں کا جان لینا ضروری ہے جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں:

اول: اسلام فقط ذہنی حالت اور قلبی کیفیت اور فلسفی عقائد و نظریات ہی کا نام نہیں ہے جس کا تعلق انسان کی روح و قلب و ضمیر اور محض روحانی زندگی تک محدود ہو، بلکہ وہ نہایت وسیع

اور جامع دستور العمل اور ہمہ گیر نظام ہے جس کا تعلق آدمی کی روحانی زندگی کی طرح اس کی دنیوی زندگی سے بھی ہے وہ ایک ایسا مذہب ہے جو عقیدہ بے عمل کا مخالف ہے، وہ ایسی نظری و ذہنی حالت کا حامی نہیں جس کا ظہور روزمرہ کی زندگی اور ہر طرح کی چال و چلن میں نہ ہوتا ہو، یہ صحیح ہے کہ مذہب اسلام کی جڑ خالص باطنی و روحانی عالم میں قائم کی جاتی ہے اور ایمان کی بنیاد ذہنی دنیا میں رکھی جاتی ہے، مگر جسمانیات کی ظاہری دنیا اور عالم اعضاء و جوارح میں اس کی شاخوں کا نمودار ہونا بھی لازم ہے، وہ اصل کس کام کی جس کی شاخیں نہ نکلیں اور ان کی شاخوں میں پھل نہ آئیں، اسلامی نظریہ یہ ہے کہ عقائد اصول ہیں اور اعمال ان کی فرع، اصل، بے فرع اور فرع بے اصل دونوں بے ثمر رہیں گی، عقیدہ بے عمل کے لا حاصل رہے گا اور عمل بے عقیدہ سے پھل حاصل ہونے کی آرزو محض خیال خام ہے، اس کا بیان اس آیت مبارکہ میں ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا . الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (سورہ کہف: ۱۰۳ تا ۱۰۴)

”(اے رسول) کہہ دو! کیا ہم ایسے لوگوں کا پتہ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھائے میں ہیں، (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا ہی کی زندگی میں اکارت ہو گئی اور وہ اس خیال خام میں ہیں کہ اچھے اچھے کام کر رہے ہیں۔“

ضمیر و قلب کی طرح اعضاء و جوارح بدن کو بھی اسلام کی حقیقت سے خاص تعلق اور برابر کی نسبت ہے، جب تک وہ مصروف کار نہ ہوں گے اور حرکات عملیہ کا مظہر نہ بنیں گے حقیقت کاملہ اسلام کا وجود غیر ممکن ہوگا، اسی بات کی طرف جناب امیر المومنین علیہ السلام کے ارشاد مندرجہ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے:

اسلام مذہب عمل ہے، عمل اس کا عین حقیقت ہے

لانسبن الاسلام نسبة لم ينسبها احد قبلي، الاسلام هو التسليم والتسليم هو اليقين واليقين هو التصديق والتصديق هو الاقرار والقرار هو الاداء والاداء هو العمل. (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر، ص ۹۰)

”میں اسلام کی ایسی صفت بیان کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی، (اسلام کیا ہے؟) وہ تسلیم (حکم خدا کو ماننا ہے) اور تسلیم یقین ہے اور یقین (پیغمبر کی) تصدیق ہے اور تصدیق (اطاعت خدا اور رسولؐ کا) اقرار ہے اور اقرار اداء اطاعت و بندگی ہے، اور اداء عمل ہے“

ان مقدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام عین عمل ہے، جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

سارا ایمان عمل ہے

(۱) الايمان عمل كله. (اصول کافی) ”سارا ایمان عمل ہے“۔ (الکافی: ج ۲ ص ۳۸)

تمام اعضاء و جوارح کا ایمان میں حصہ ہے

(۲) ان الله فرض الايمان على جوارح بني آدم وقسمها عليها وفرقه عليها. ”خدا نے ایمان کو اولاد آدم کے اعضاء و جوارح پر جدا جدا تقسیم کر دیا ہے“۔

(متدرک الوسائل: ج ۱۱ ص ۱۴۲)

مختصر یہ کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے عمل کا طالب اور بے عملی سے متنفر اور کاہلی و سستی و بے کاری و بطالت کا دشمن ہے۔ عملی زندگی سے باوجود قوت و استطاعت الگ ہو کر زندگی بسر کرنے میں کسی انسان کی ہمت افزائی نہیں کرتا ہے۔

اسلام کے نزدیک

مفہوم عبادت بہت وسیع ہے

دوم: عبادت دین اسلام کی اصطلاح میں فقط قلبی و ذہنی اعمال تک محدود نہیں، تفکر و تذکر ایمان و ایقان، گیان و دھیان ہی تک حقیقت عبادت ختم نہیں ہو جاتی، اور نہ صرف نماز روزہ و حج وغیرہ بدنی اعمال کا نام عبادت ہے بلکہ عبادت ہر وہ عمل ہے جو خدا کے احکام کے مطابق اس کی خوشنودی و رضا مندی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، خدا کی فرمانبرداری و اطاعت کا جذبہ و ارادہ حقیقت عبودیت و روح عبادت ہے اور ہر وہ کام بندگی و عبادت ہے جس سے مقصود خدا کی فرمانبرداری و تعظیم امر الہی ہو خواہ وہ خالق و مخلوق، معبود و عبد کے روابط سے تعلق رکھتا ہو یا افراد انسان کے باہمی معاملات و حقوق سے یا خود نفس انسانی کے ان حقوق سے جن کا ادا کرنا اس پر لازم ہے یہاں تک کہ اپنے بچوں کو پیار کرنا، ان کو ہنسنا کھلانا بھی عبادت میں داخل ہے، جانوروں کی خدمت بھی کار خیر و عبادت ہے۔

اپنے بچوں کو پیار کرنا بھی عبادت ہے

من قبل ولده كتب الله له حسنة ومن فرحه فرحه الله يوم القيامة

(النالی الاخبار، ص ۳۳۰۔ الکافی: ج ۶ ص ۴۹)

”جو شخص اپنے بچے کو پیار کرے گا خدا اس کے نام پر ایک نیکی درج فرمائے گا اور جو آدمی اپنے بچے کو خوش کرے گا خدا اس کو بروز قیامت فرحت عطا فرمائے گا“

(۲) جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے:

جاء رجل الى النبي فقال ما قبلت صبيا قط فلما ولي قال رسول الله هذا رجل
عندي انه من اهل النار (لئالی الاخبار، ص ۳۳۔ الکافی: ج ۶/ ص ۵۰)
”ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی بچے کو پیار نہیں
کیا، جب وہ چلا گیا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ شخص جہنمی ہے۔“

پیا سے جانوروں کو پانی پلانا بھی عبادت ہے

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

من سقى كبدا حراء من بهيمة او غيرها اظله الله فى ظل عرشه يوم لا ظل الا
ظله (لئالی الاخبار ۳۵۷۔ الکافی: ج ۴/ ص ۵۸)
”جو شخص کسی جلتے جگر کو سیراب کرے خواہ وہ حیوان کا ہو یا غیر حیوان کا تو خدا اس کو
پنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا، اس دن جس میں سوا خدا کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔“

اسلام مذہب عدل و اعتدال اور انسان کا

قدیم ترین مذہب ہے

سوم: اسلام وہ مذہب عدل و اعتدال ہے جس کی تاریخ نوع انسانی کی تاریخ سے وابستہ ہے اور
جس کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ... هو دين الله قبل ان تكونوا
حيث كنتم و بعد ان تكونوا فمن اقر بدين الله فهو مسلم و من عمل بما امر
الله عز و جل به فهو مومن (وسائل الشیعة ج 15 ص. 168)

”اسلام تمہاری پیدائش سے پہلے بھی خدا کا دین تھا اور اس کے بعد بھی وہ دین خدا ہے جس شخص نے دین الہی کا اقرار کیا وہ مسلمان ہے اور جو اس پر عمل کرتا ہے وہ مومن ہے۔“

دنیا میں تبلیغ اسلام کی غرض قیام عدل و انصاف ہے

پیغمبروں کے ذریعہ اس کو دنیا میں بھیجنے اور رواج دینے کی غرض یہی بتائی گئی ہے کہ
بندگان خدا کو عدل و انصاف کے طریقے پر چلایا جائے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ
بِالْقِسْطِ... (سورہ حدید: ۲۵)

”ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن معجزے دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور
میزان عمل نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“

جور و ظلم و بے اعتدالی اس مذہب کے اصول کے حدود سے باہر ہے وہ آدمی کی طرف
سے اپنے ہی نفس پر کیا جائے یا دوسرے انسانوں پر، بانی اسلام نے نہایت صاف اور واضح
لفظوں میں فرمایا ہے، ”اسلام کا بنیادی اصول، کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ اگرچہ وہ اس کی ضرر رسانی کا
بدلہ کیوں نہ ہو: لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام (۱)، اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار۔“

(نہج الحق: ص ۵۰۶)

(۱) مجمع البحرین میں ہے: الضرر ابتداء او فعل والضرار الجزاء علیہ

یعنی ”ضرر کسی کو ابتداء نقصان پہنچانا ہے اور ”ضرار“ کسی کی ضرر رسانی کا بدلہ لینا۔“

یعنی قانون اسلام میں کوئی ایسی دفعہ اور احکام اسلامی میں کوئی ایسا حکم نہیں، جس کے وضع کرنے
کی غرض بندگان خدا کو ضرر پہنچانا ہو، یا جن کو صحیح طریقہ پر زیر عمل لانے سے خلق اللہ کو ضرر و نقصان

پہنچتا ہو، نیز اسلام اس پر بھی راضی نہیں کہ کسی کی ضرر رسانی کا بدلہ ضرر رسانی سے لیا جائے۔
یہ زین اصول دستور اسلامی کے لئے بنیاد کی حقیقت رکھتا ہے قوانین معیشت انھیں کے ماتحت بنائے گئے ہیں لہذا ہر وہ طریقہ جس سے انسانیت پر ظلم ہوتا ہو اور بشریت اس سے ضرر رسیدہ ہوتی ہو، غیر اسلامی ہوگا، خواہ وہ کسب دنیا کے لئے اختیار کیا جائے یا طلب آخرت کے لئے عصر حاضر کے ادیان مروجہ ایسے اعلیٰ اصول کی مثال نہیں لاسکتے۔

انسان کے لئے کونسا نظام معاشی مناسب ہوگا؟

چہارم: انسانی زندگی کے لئے معاشی نظام تجویز کرنے اور اس کو زیر عمل لانے سے پیشتر فطرت انسانی پر غور و فکر کرنا اور یہ سمجھ لینا لازم ہے کہ حقیقت انسانیہ کیا ہے اس کے ضروریات و لوازم کیا ہوں گے؟ انسانیت کس چیز کا نام ہے؟

انسان کی حقیقت کیا ہے؟

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ ”انسان“ نہ صرف بدن کا نام ہے۔ اور نہ فقط روح کا بلکہ ان دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور حقیقت انسان کا تعلق جسمانی و روحانی دونوں سے ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ انسانی حقیقت کے یہ دونوں جز ترکیبی اپنی خواہشیں اور ضرورتیں الگ الگ رکھتے ہیں اور ہر ایک کا رزق اور غذا جس سے وہ قوت و نشوونما پاتا ہے، دوسرے کے رزق اور غذا سے مختلف ہے، ہر عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ انسانیت کی صحیح تربیت و پرورش کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ان دونوں جڑوں کی خواہش اور ضرورتوں کو ان کے حسب حال اور مطابق فطرت طریقے پر پورا کیا جاسکے۔ اگر صرف صرف ایک خبر کی طرف توجہ کی گئی اور دوسرے کو نہ تغافل و بے اعتنائی

کر دیا گیا تو ان کی قوت گھٹتی جائے گی اور رفتہ رفتہ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور یہ بات منشاء فطرت کے خلاف ہوگی، تجربے سے ثابت ہے کہ فطرت کا کوئی کام اور قدرت کا کوئی عمل بے فائدہ و بے مقصد نہیں، خدا نے کسی ایسی چیز کو وجود کی نعمت اور ہستی کی خلعت سے سرفراز نہیں کیا جو عبث و بے کار ہو، لہذا حقیقت انسانیت کا کوئی جز جسمانیت یا روحانیت اگر بے فائدہ و لا حاصل ہوتا تو فطرت کی دنیا میں اسے جگہ نہ ملتی، اور قدرت خدا اس کو ہرگز پیدا نہ کرتی۔

ظاہر ہے کہ دونوں جزوں (بدن و روح) میں سے کسی ایک جز کو فنا کر دینے کا نتیجہ خاتمہ انسانیت ہے، اس صورت میں آدمی یا خالص مادی یعنی حیوان ہوگا، یا محض فرشتہ جس کو اس دنیا کی مادیت و جسمانیت سے واسطہ نہیں، صورت انسانیت بہر حال بے ثمر و لا حاصل رہے گی۔

انسان حیوان بن کر بھی غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بنا سکتا

یہاں یہ بات نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے کہ اگرچہ انسان حیوان بلکہ حیوان سے بدتر ہو سکتا ہے مگر اپنی عقلی فطرت اور اس کے نتائج سے الگ نہیں ہو سکتا۔ وہ خالص حیوان بن سکتا ہے مگر حیوان کی طرح غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بن سکتا۔ عقلی فطرت نے اس کو ہستی کے پاؤں میں جو ذمہ داریوں کے بندھن ڈال رکھے ہیں ان سے آزادی ناممکن ہے وہ مادیت و جسمانیت میں شدت انہماک کی وجہ سے تو حیوان بن سکتا ہے، لیکن حیوانوں کی طرح خوف باز پرس خطرہ و مسئولیت سے آزاد نہیں ہو سکتا ہے، سی طرح انسان ترک دنیا کے ذریعہ فرشتہ بن جانے کی کوشش کر سکتا ہے، مگر فرشتوں کی طرح مادی دنیا سے فطری بے نیازی و استغنا حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ مادی مخلوق ہے اس کی پرورش چمنستان دنیا ہی میں ہونا ہے اس کے نخل ہستی نے اس چمن کی ہوا کھا کر نشوونما پائی ہے اور اسی چمن میں بہر حال اس کو رہنا ہے، پھر اس کی یہ

کوشش کہ چمن دنیا کی ہو انہ لگے محض ناکام کوشش ہوگی وہ مجرد فرشتہ کبھی نہیں بن سکتا اور بالفرض اس کو مرتبہ ملکیت حاصل بھی ہو جائے تو انسانیت کا فطری شرف کھو بیٹھے گا، جس کی بنا پر وہ مسجود ملائکہ بنایا گیا تھا۔ فرشتے نمائندہ انسانیت کے آگے سر بسجود تعظیم ہوئے تھے نہ کہ نمائندہ ملکیت کے سامنے انسان کے لئے باعث شرف و کمال اس کی انسانیت ہے نہ کہ ملکی طبیعت اس امر کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اس بات میں اشتباہ نہیں ہو سکتا کہ روح و بدن کے مجموعہ مرکب انسان کے لئے مناسب فطری وہی نظام معیشت ہو سکتا ہے جو روح و بدن دونوں کی خواہشوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہو جس میں دونوں کو حسب منشاء فطرت ایک ساتھ قوت پانے اور نشوونما کے درجہ تک پہنچنے کا بند و بست کیا گیا ہو۔ بنا بر اصول عدل و انصاف اس کا انتظام موجود ہو کہ روحانیت و جسمانییت دونوں میں کسی کے حق میں ظلم واقع نہ ہونے پائے جہاں دونوں کے مفاد ٹکراتے ہوں ان میں صلح و اعتدال کی حالت پیدا کر دی گئی ہو، حاصل کلام یہ ہے انسان کے لئے ایسا ہی نظام معاشی درکار ہے جو اس کو حقیقی معنوں میں انسان بنائے۔ ایسے نظامات جن کا نصب العین اور انجام خالص جانور یا مجرد فرشتہ بنانا ہو حسب حال انسان اور نظام اسلامی نہیں ہو سکتے، نظام اسلامی بس وہی ہو سکتا ہے جو اپنی جامعیت و وسعت و اعتدال پسندی کی وجہ سے روحانیت و جسمانییت دونوں پہلوؤں کو مطمئن اور ترقی یافتہ کر سکتا ہو۔ یہ مقام نازک ہے، عقل کے قدم یہاں اکثر پھسل جاتے ہیں، لہذا توضیح کے لئے کچھ اور کوشش نفع سے خالی نہ رہے گی، ہم کو غور کرنا چاہئے کہ ہم کھاتے پیتے، چلتے پھرتے سوتے جاگتے اور جسمانی لذات سے مسرت اندوز ہوتے ہیں پھر کیا ہم انہیں صفتوں کی وجہ سے انسان ہیں؟ اور کیا یہ نظر یہ درست اور مناسب حال انسانیت ہو سکتا ہے؟۔ اور ہم محض کھانے پینے، سونے جاگنے اور چند روز عیش و طرب کے سامانوں میں رہ کر ہمیشہ کے لئے آغوش عدم میں چلے جانے اور ہمکنار فنا ہو جانے

کے واسطے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہم کو دنیا ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور زندگی دنیا ہی تک ہمارا مقصد ہستی محدود ہے ہماری زندگی کے مقاصد دنیا سے آگے نہیں بڑھتے؟ کیا دنیا کا مال و دولت اور آرام و چین ہی انسانی سعادت و اقبال مندی و خوش نصیبی کی انتہا ہے؟

عقل انصاف پرور سے پوچھا جائے تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ اگر انسان کو محض حیوان صفت بنانا ہوتا، اس کی غرض خلقت زندگی دنیا تک محدود ہوتی، اس کا وجود صرف اس لئے ہوتا کہ چند روزہ زندگی میں کھائے، پئے، چین کرے اور بالآخر ہمیشہ کے لئے پیوند خاک ہو جائے تو اس کو قوت عقل و شعور نہ دی جاتی اور اس کو انجام میں نہ بنایا گیا ہوتا کیونکہ ان چیزوں کو اس کے اس مقصد ہستی سے کوئی مناسبت نہ ہوتی، اور نہ اس کو اس مقصد کی تکمیل میں ان کی ضرورت پڑتی، بلکہ یہ چیزیں اس کے مذکورہ بالا مقصد ہستی میں بڑی رکاوٹ ہیں، عقلی غم انگیز و شعور انجام میں اور فکر رنج خیز کا حاصل زندگی دنیوی کی بے لطفی و بدمزگی کے سوا اور کیا ہے، انھیں رکاوٹوں کی بدولت انسان حیوانوں کی طرح خالص اور مکمل سکون دل و بے فکری کی زندگی سے محروم ہے، غم فرط اور رنج دنیا اس کو کمال عیش و طرب سے روکتا ہے، اس لحاظ سے حیوانات کا حال انسان سے کہیں بہتر ہے، ان کے خیالات کے شیرازے کو حوادث دنیا پریشان نہیں کرتے ان کے سکون دل میں کوئی خیال فکر انگیز خلل انداز نہیں ہوتا، غبار رنج و مال دنیا سے ان کے آئینہ ہائے دل مکر نہیں ہوتے وہ اپنی خواہشوں کی تحصیل میں آزاد ہیں۔ ان کی دنیا عیش و مسرت میں غم فردا و رنج عاقبت کی آندھیاں نہیں اٹھتیں اور غبار فکر انجام محیط فضا نہیں ہوتا۔ لہذا اسیر عقل و ہوش و کشتہ خرد تفکر خیز انسان جسمانی لذتوں اور مسرتوں کے خالص اور کامل ہونے میں آزاد حیوانوں کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہے؟

جن دماغوں میں اس خیال کی پرورش گاہ ہے کہ انسان محض دنیا کے لئے پیدا کیا گیا

ہے۔ وہ دراصل انسانیت و حیوانیت کا دقیق و لطیف تفرقہ امتیاز سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتے، اگر ان میں قوت تمیز ہوتی تو اس حقیقت سے ناواقف نہ رہ جاتے کہ حواس کی دنیا عالم حیوانیت ہے اس عالم سے آگے قدم نہ بڑھانے والے کے لئے قوت عقل و ملکہ انجام بنی کی ضرورت نہیں، بدنی وحسی لذتوں اور مسرتوں کے لئے صرف حواس ظاہرہ کی صحت و قوت کی ضرورت ہے، عقل و شعور و قوت انجام بنی کا وجود نہ فقط غیر ضروری بلکہ باعث ضرر ہے، چونکہ حیوانات بس اسی دنیا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان کی زندگی کے مقاصد و اغراض میں ماوراء عالم جسمانی و مادی کسی اور دنیا کا تصور نہیں لہذا فطرت نے ان کو جوہر عقل و شعور سے دور رکھا اور صرف حواس ظاہرہ بخشے اور انسانی مشاعرہ حسی سے زیادہ قوی اور مکمل حسی قوتیں عطا کیں جن کی وجہ سے وہ جسمانی لذات کو حسب خواہش دل بغیر کسی عقلی مزاحمت اور فکری رکاوٹ کے بھرپور حاصل کرتے ہیں۔ ان کے فطرت کے خزانے کا جوہر عقل و شعور سے خالی رکھا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ محض حیوانی زندگی بسر کرنے اور دنیوی نعمات و لذات سے بہرہ مند ہونے کے لئے عقل و خرد کی حاجت نہیں ہے

حیوانیت و انسانیت کے حدود

حواس ظاہرہ کی دنیا عالم حیوانیت ہے انسانیت کی حد وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے نور عقل کا ظہور ہوتا ہے، اور اس کا ظہور یہ ثابت کرتا ہے کہ انسانیت کا علاقہ اس دنیا سے بھی ہے جس میں حواس ظاہرہ کام نہیں دے سکتے۔ اور اس کو ایسی لذتیں اور مسرتیں بھی نصیب ہو سکتی ہیں جن سے حواس ظاہرہ نا آشنا ہیں، جو لوگ محض ظاہر حیات دنیا کا تصور رکھتے ہیں وہ حیوانیت و انسانیت کے دقیق فرق اور حقیقت انسانیت کے مقصد ہستی کا حیوانی غرض خلقت سے امتیاز نہیں کر سکتے وہ اس سے غافل ہیں کہ انسان اگرچہ حیوان بھی ہے اور انسانیت

میں حیوانی حصے بھی موجود ہیں مگر صرف وہی مقصود فطرت نہیں ہیں بلکہ یہ حصے اس لئے رکھے گئے ہیں کہ انسانیت کو خالص ملکیت سے امتیاز پانے میں ان کی حاجت تھی۔ اور ملکیت پر انسانیت کا تفوق ان کی امداد اور اشتراک و تعاون کے بغیر ممکن نہ تھا، انسان کی مرکب فطرت کو سمجھنے والے اس میں شبہ نہیں کر سکتے کہ اس کو ایسے ہی نظام معیشت کی ضرورت ہے جو اس کو خالص حیوان نہ بنائے۔ گو اس سے حصہ حیوانیت کی حق تلفی بھی نہ ہونے پائے کیونکہ اس صورت میں وہ فنا ہو کر وجود انسانیت کو بھی ناممکن بنا دے گا۔

ایسا جامع نظام وہی ہو سکتا ہے جو اخلاقی بنیادوں پر مرتب کیا جائے اور حیوانیت و انسانیت کے درمیان حالت اعتدال پیدا کرنے والا ہوتا کہ دنیوی معیشت کے وسیع وسائل و اسباب سے اس طرح فائدہ حاصل کیا جاسکے کہ انسان کی عقلی و اخلاقی ترقی میں سدراہ نہ بیر اور حیوانی حصہ معتدل و ترقی یافتہ ہو کر انسانیت کا مددگار بن سکے، وہ نظام جو اس کے خلاف ہو وہ انسانی فطرت کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا۔

سگ دنیا بن جانا آسان ہے مگر انسان عادل بننا مشکل ہے اسی طرح تارک دنیا و زاہد، خشک بن جانا سہل ہے مگر مرد باعمل بننا دشوار ہے یہی وجہ ہے کہ محض دنیا دار و زاہد خشک عالم میں بکثرت پائے جاتے ہیں، اور انسانی عقلوں نے افراد انسانی کے لئے ابتداء تمدن سے آج تک جتنے نظام تیار کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی افراط و تفریط اور بے اعتدالی سے خالی نہیں۔

عالم کے غیر معتدل نظامات معیشت کی دو قسمیں

ایک قسم ایسے نظامات کی ہے جو آدمی کو محض دنیا دار و آخرت فروش بناتے ہیں اس کو نہ ماوراء دنیا زندگی کا تصور ہو سکتا ہے اور نہ اس کی طرف کسی طرح کی اصلاحی توجہ، ایسے ہی لوگوں کا

تذکرہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

(۱) يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ

(سورہ روم: ۷) ”یہ لوگ بس ظاہر زندگی کو بنا کر جاتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔“

(۲) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ

فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ . أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا

فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ . (سورہ ہود: ۱۵ و ۱۶)

”جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی آزمائش و زینت کا خواہاں ہے ہم اس کے کاموں

کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دیدیں گے وہ لوگ اس معاملے میں گھائے میں نہیں رکھے

جائیں گے، مگر یہ لوگ وہ ہیں جن کے لئے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں، ان

لوگوں کا تمام کارگزاریاں اکارت جائیں گی اور دنیا میں جو کچھ کیا کرتے تھے وہ سارے اعمال

ملیا میٹ ہو جائیں گے۔“

دوسری قسم ان میں سے ایسے نظامات کی ہے جن کو اختیار کرنے کا حاصل غیر معتدل

زہد کے طریقوں پر لگ جانا ہے جس انسان کے لئے نہ صرف دنیا و مافیہا بلکہ خود اس کی ہستی بھی

سراسر مہمل، عبث و لا حاصل ہو جاتی ہے اس کی زبان حال، ارشاد ربانی: ”ربنا ما خلقت هذا

باطلا“ کی تصدیق کرنے پر تیار نہیں ہوتی اور وہ عملی طور پر فرمان خداوندی: ”جعل لكم ما

فی الارض جميعا“ کو جھٹلاتا ہے غرض اس کے فلسفہ زندگی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ عالم

انسانیت سے اس کو نفرت ہوتی ہے اور تمام دنیا اور خود اس کا دفتر وجود بھی بالکل بے معنی و بے

مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔

صرف اسلام کا نظام معاشی معتدل اور مطابق فطرت انسانی ہے

ان غیر معتدل کے درمیان مسلک اعتدال وہ ہے جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے جناب رسول خدا اور آئمہ ہدیٰ اور ان حضرات کے ساتھ، عارفین کی سیرتیں جس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اس کا خلاصہ علامہ مجلسیؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

انهم ما كانوا ياخذون الدنيا للدنيا بل الذين وما كانوا يتربصون و يهجرون
الدنيا بالكلية وما كان لهم في الامور تفريط ولا افراط بل كانوا بين ذالك
تعاما و ذالك هو العدل والوسط بين الطرفين و احب الامور الى الله تعالى
(شرح اصول کافی، ج ۲، ص ۳۰۹)

”یہ حضرات دنیا کو دنیا کے واسطے نہیں بلکہ دین کے واسطے طلب کرتے تھے رہبانیت ان کا طریقہ اور دنیا کو بالکل ترک کر دینا اس کا شیوہ نہ تھا ان امور میں افراط و تفريط ان کے یہاں نہ تھی بلکہ وہ حد اعتدال پر قائم تھے اور یہی بات خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے۔“

اعمال انسانی کی بنیاد دو قسم کے نظریے ہیں:

نظریہ الحاد و لامذہبی اور نظریہ خدا پرستی

پنجم: دنیا میں دو قسم کے نظریہ و فلسفہ انسان کے اعمال کے بنیاد بنتے ہیں ایک نظریہ الحاد و لامذہبی اور دوسرا فلسفہ خدا پرستی و ایمان باللہ و الیوم الآخر۔

ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں کا انسانی اخلاق و کردار پر کیا اثر ہوتا ہے اور ان کی بنیاد پر جو قوانین بنائے جائیں گے ان کی نوعیت کیا ہوگی؟۔

نظر یہ الحاد اور لامذہبی کا خلاصہ یہ ہے کہ ”ہستی میں کوئی خدا نہیں ہے جو انسانی افعال کا دیکھنے والا اور ان پر باز پرس کرنے والا ہو ہم آزاد مطلق ہیں ہم کو اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں کسی غیبی طاقت کا خوف نہ ہونا چاہیے زندگی دنیا ہی تک محدود ہے ہمارے افعال کی طرح ان کے ثمرات و نتائج بھی دنیوی زندگی ہی تک ختم ہو جاتے ہیں اسے کون نہیں جانتا کہ ہر ظاہر و باطن کے رقیب و ناظر خدا، اور جزا اور روز جزا کے انکار کے بعد انسان ہوا و ہوس اور نفس امارہ کی مطلق العنانی کی روک و تھام دشوار ہو جائے گی جب انسان یہ سمجھ لے گا کہ زندگی چند روزہ ہے یہاں دنیا کی مدت قلیل کے بعد ہمیشہ کے لئے خزاں ہی خزاں ہے تو اسے کوئی اخلاقی قوت دنیا کی نعمتوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے ان سے زیادہ سے زیادہ لذت یاب ہونے سے نہ روک سکے گی بندہ حرص و ہوا بن جانے اور بہیمانہ جذبات پر دل کھول کر عمل کرنے سے کوئی چشم نمائی کرنے والا نہ ہوگا ہم دیکھتے ہیں کہ دنیائے الحاد اور لامذہبی نے ”حیا و قناعت“ ایسے گرانقدر اخلاق کو فلسفہ اخلاق سے خارج کر دیا گیا ہے، ایسا ہی ہونا ہی چاہیے تھا۔

واقف رموز فطرت پیامبر اسلامؐ فرما گئے ہیں: ”لا دین لمن حیالہ“ یعنی دین اور حیا میں تلازم ہے جہاں ایک نہیں وہاں دوسرا بھی نہیں ہوگا اور جب حیا نہ ہوگی تو آدمی کے اعمال و کردار پر کوئی پابندی روک ٹوک باقی نہ رہ جائے گی۔

حدیث نبوی میں ہے: ”اذا لم تستحی فافعل ما شئت“

”جب تم میں حیا و شرم نہیں ہو تو جو چاہو کرو“

اسی طرح باعث ظہور خلق و قناعت صرف امید مستقبل و آرزوئے فردا ہو سکتی ہے یعنی یہ توقع کہ آج کی کمی کل پوری ہو جائے گی۔ جہاں نہ دین ہوگا نہ حیا نہ قناعت نہ مستقبل کی توقع اور آئندہ کی امید، وہاں نفس امارہ کا آزاد مطلق ہو جانا لازم ہوگا۔ آدمی اس خیال کو دل و دماغ میں جگہ پانے سے نہ روک سکے گا کہ جتنا ممکن ہو دنیا میں کھاپی لو، چین کر لو، عیش و عشرت اور

لذت و مسرت کے اسباب فراہم کرنے میں کمی نہ کرو، عیش کوشی اور متاع دنیا کی ذخیرہ اندوزی میں کمی ہمیشہ کے خسارہ کا باعث ہوگی، چونکہ مذکورہ بالا خیال و نظریہ کے تحت ہر فرد بشر اسیر حرص و ہوا ہوگا اس کی ہمت و فکر دنیا طلبی کے میدان میں مقید و محدود نہ ہوگی۔ لہذا افراد انسانی میں بغض و حسد و تفاخر و تکاثر کے جذبات ابھریں گے جن کا انجام بد نظمی عالم اور ہمہ گیر فتنہ و فساد ہوگا، امن و امان اور سکون و اطمینان کی نعمت میسر نہ ہو سکے گی آدمی کی غیر معتدل دنیا طلبی اس کو دین کی طرح دنیا سے بھی محروم کر دے گی، افراط ہوس دنیا کی بدولت عیش زندگی ناپید ہو جائے گا، اور انسانی احوال اس تصویر کے عین مطابق ہوں گے جو اس آیت قرآنی کے آئینہ میں دکھائی گئی ہے:

”ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ“
(سورہ نحل: ۱۱۲)

”خدا نے ایک گاؤں کی مثل بیان کی جس کے باشندے امن و چین میں مطمئن زندگی گزار رہے تھے ہر طرف سے ان کی روزی با فراغت چلی آتی تھی۔ مگر ان لوگوں نے نعمات الہیہ کی ناشکری کی تو خدا نے ان کے کافرانہ کرتوتوں کی بدولت بھوک اور خوف کو ان کا اوڑھنا اور بچھونا بنا دیا“

کیا آج نام نہاد عقلاء عالم کی شامت اعمال اور الحاد پرستی و انکار خدا اور روز جزا کے تاریک جذبات کے ماتحت بنائے ہوئے نظامات ہی کا یہ نتیجہ نہیں ہے کہ خوف و حراس اور فاقہ مستی کی کالی گھٹاؤں نے عالم انسانیت کو گھیر لیا ہے؟ اور ان کے ملحدانہ نظریات و اصول ہی کا یہ تلخ ثمرہ نہیں ہے کہ عام خلایق کو معاشی مشکلات کا سامنا ہے؟ ہوس دنیا کے بندے خیر دنیا سے

بھی اس طرح محروم ہوتے جاتے ہیں جس طرح وہ حسن آخرت سے مایوس تھے؟ دنیا کے حال خراب کی زبان پر عبرت و نصیحت کے پیغام تو بہت ہیں، مگر سننے والے بہت تھوڑے بلکہ ناپید ہیں۔

نظریہ مادیت والحاد اور نظریہ خدا پرستی کے متعلق مفصل بیان قرآنی بشکل مکالمہ

نظریہ خدا پرستی اور ایمان باللہ ہو ایمان بالیوم الآخر پر جو نظام معیشت قائم کیا جائے گا اس کی صورت حال مذکورہ بالا نوعیت سے مختلف ہوگی یہ دونوں نظریہ مع اپنے نتائج کے قرآن مجید میں بصورت مکالمہ مومن و ملحد مذکور ہیں:

(ترجمہ) ”اے پیغمبر! ان لوگوں سے بیان کرو مثل ان دو شخصوں کی جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ عطا کئے تھے، اور خرّمے کے درختوں سے ان باغوں کو گھیر دیا تھا، اور ان دونوں باغوں کے درمیان زراعت بھی قرار دی تھی۔ وہ دونوں باغ خوب پھل لائے پھل لائے میں کچھ کمی نہیں کی اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کر دی تھی۔ وہ شخص اپنے ساتھی سے جو اس سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں مال میں تجھ سے زیادہ ہوں، اور جتنے کے اعتبار سے تم سے زیادہ باعزت ہوں (یہ باتیں کہتا ہوا) وہ اپنے باغ میں داخل ہوا۔ درحالیکہ وہ (کفران نعمت خدا کی وجہ سے) اپنے اوپر ظلم کر رہا تھا، (وہاں) وہ بول اٹھا کہ مجھے تو اس کا گمان نہیں کہ یہ باغ کبھی برباد ہو جائے گا۔ اور مجھے یہ خیال نہیں ہوتا کہ کبھی قیامت بھی آئے گی اور (بالفرض) میں پروردگار کے پاس لوٹایا گیا تو (وہاں بھی) اس سے اچھی جگہ یقیناً پاؤں گا، (یہ باتیں سن کر) اس کے ساتھی نے جو اس سے باتیں کر رہا تھا یہ کہا کہ تو اس پروردگار کا منکر ہے جس نے تجھے خاک سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے، پھر تجھے معتدل و درست قد

وقامت کا آدمی بنایا۔ لیکن ہم تو (یہ کہتے ہیں کہ) وہی خدا میرا پالنے والا ہے، میں اس کا کسی کو شریک نہیں بناتا، جب تو نے باغ میں قدم رکھا تو یہ کیوں نہ کہا کہ ماشاء اللہ (یہ خدا ہی کی مرضی سے ہے) لاحول ولا قوۃ الا باللہ (سب قوت اور بل بوتے بس خدا ہی کے دئے ہوئے ہیں، اگر مال و اولاد کی تجھے میرے پاس کمی دکھائی دیتی ہے تو عنقریب خدا مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ عطا کرے گا۔، اور تیرے باغ پر کوئی ایسی آفت آسمان سے نازل کرے گا جس سے وہ صاف چٹیل میدان بن جائے گا، یا اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے گا، پھر تجھے ڈھونڈھنے سے نہ ملے گا (چنانچہ ایسا ہی ہوا) عذاب خدا نے اس کے پھلوں کو گھیر لیا تب وہ کف افسوس ملنے لگا (نظر کے سامنے) باغ الٹا پڑا تھا اور وہ بحسرت کہہ رہا تھا کہ کاش میں پروردگار کا شریک کسی کو نہ بناتا“

(سورہ کہف، آیات ۳۲ تا ۴۲)۔

انسان کا اہم مقصد خوف و حزن سے نجات ہے اور وہ صرف زبانی ہدایت نامہ سے پورا ہو سکتا ہے

انسان کا سب سے بڑا مقصد زندگی یہ ہے کہ خوف و حزن سے نجات پائے اور امن و امان و خوشحالی اس کو میسر ہو، قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ زندگی کے طریقوں کی طرف ہدایت کرنے کا ذمہ دار خدا ہے۔ اِنَّا عَلَيْنَا لِلْهُدٰی ”راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے“ اور خدا ہی کے ہدایت نامہ پر چلنے اور عمل کرنے سے انسان خوف و حزن سے نجات پاسکتا ہے:

(ترجمہ) ”ہم نے یہ کہہ دیا کہ تم سب یہاں سے اتر پڑو تمہارے پاس اگر میری طرف سے ہدایت آئے تو (اس کی پیروی کرنا) جو لوگ میری ہدایت پر چلیں گے ان کے واسطے نہ خوف ہو گا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے“ (سورہ بقرہ: ۳۸)

جس دستور ہدایت کی جانب اس آیہ مبارکہ میں اشارہ ہے وہ نظام اسلامی ہے جس کی ابتداء انسانیت کے سب سے پہلے نمائندے حضرت آدم سے ہوئی، اور حسب رفتار زمانہ نسل انسانی کی ترقی پذیری کے ساتھ ارتقاء کے درجے طے کرتا ہوا حضرت خاتم المرسلینؐ کے ذریعہ سے مرتبہ کمال کو پہنچا اور وہ آج دنیا کے سامنے موجود ہے، اس کے بنیادی نظریات وہ اصول کا مجملہ خاکہ یہ ہے:

اسلام کے نظام معاشی کا مختصر خاکہ

انسان کا خدا سے تعلق

(۱) انسان مخلوق خدا ہے اور خدا ہی اس کا پالنے والا اور امیدوں کا سہارا ہے لہذا اس سے ایسے تعلقات کا قائم کرنا ضروری ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان مناسب ہوں۔

انسان تنہا نہیں پیدا کیا گیا

(۲) انسان دنیا میں تنہا نہیں پیدا کیا گیا ہے، بلکہ سفر ہستی میں اس کے رفیق اور نعمت وجود میں اس کے شریک دوسرے افراد بھی ہیں۔ جو اسی کی طرح انسان اور خدا کی مخلوق ہیں، اور ملک خدا میں ان کے حقوق بھی اسی کے برابر ہیں، نیز کمال زندگی تنہائی و عزلت کی زندگی نہیں۔ انسان طبعی طور پر اپنے ہمجنسوں کے تعاون و اشتراک عمل کا محتاج ہے بغیر اس کے وہ اپنے ضروریات زندگی و لوازم معیشت کو مہیا نہیں کر سکتا، لہذا از روئے انصاف حقوق و منافع میں ان کو اپنے برابر رکھنا چاہیے، انسانی جماعت کی مثال بدن انسانی کی ہے اور ہر فرد اس کے عضو کی حیثیت رکھتا ہے اگر اعضاء دکھ و درد میں باہم شریک نہ ہوں تو اس کا انجام فساد بدن ہے۔ بدن جو غذا حاصل کرتا ہے وہ تمام اعضاء بدن میں حسب ضرورت و مناسب حالت تقسیم ہوتی ہے، کوئی عضو دوسرے کے لوازم و ضروریات میں مزاحمت نہیں کرتا اگر ان میں فطری رواداری نہ

ہوتی تو نظام بدن بگڑ جاتا۔ لہذا ہر فرد بشر کو اپنے دوسرے ہم جنسوں کے ساتھ سلوک میں اسی مثال پر چلنا ہوگا۔ انفرادی و شخصی خیر منفعت کو اجتماعی مفاد اور بہبود سے الگ نہ ہونا چاہیے۔ انسان کی حرکات عمل کو ایسا ہونا چاہیے۔ جو اس کے ذاتی خیر کا باعث ہوں اور دوسروں کے فوائد کا سبب بھی۔

اگرچہ انسان دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے مگر دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے

(۳) اگرچہ آدمی دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے غرض خلقت انسانی، دنیا اور اس کی نعمتیں نہیں مگر دنیا و مافیہا کی پیدائش انسان ہی کے لئے ہوئی ہے انسانی ہستی کو ہٹا لینے کے بعد خلقت دنیا بے فائدہ ٹھہرتی ہے لہذا ہر فرد انسانی کو دنیا و اسباب دنیا و سامان معیشت سے فائدہ حاصل کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

دنیا و مافیہا میں تصرف کی دو ضروری شرطیں

(۴) مگر دنیا و مافیہا پر تصرف کا حق قائم کرنے کے لئے دو شرطوں کا لحاظ

ضروری ہے:

(اول) دنیا اور مافیہا اور خود انسان کا خالق و مالک حقیقی بھی خدا ہی ہے اس کا حق

تصرف خدا ہی کا عطیہ ہے، اس لئے ہمارے تصرفات کا خدا کے حقوق مالکانہ سے تصادم نہ ہونے

پائے، حدیث میں ہے کہ ”حقیقت عبودیت یہ ہے کہ خدا کی دنیوی بخششوں کو اپنی ملکیت نہ

جانے بلکہ مال دنیا کو مال خدا سمجھے، اور خدا کے فرمان کے مطابق اس میں تصرف کرے۔

دنیوی زندگی سلسلہ حیات کی ایک کڑی ہے

(۵) انسان کی مدت حیات فقط زندگی دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دور زندگی دنیا حیات بے پایاں کا ایک حصہ ہے، عمر رواں اس سلسلہ زندگی کا ایک ٹکڑا ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، موت اس سلسلہ زندگی کو ختم نہیں کرتی، بلکہ اس کے ایک دور کو تمام کرتی ہے۔ جس کے بعد دوسرا دور حیات شروع ہوتا ہے، موت قطع رشتہ حیات کا نام نہیں بلکہ انقلاب دور حیات و طرز زندگی و انتقال مکانی کا نام ہے، اور فقط روح انسانی ہی کے لئے بقائے دوام نہیں، بلکہ موت کی تفرقہ اندازی کے ہاتھوں پھٹا ہوا بدن بھی ترقی یافتہ صورت میں پھر وابستہ روح کر دیا جائے گا، اور اس طرح جو انسانی حقیقت دنیا میں تھی وہی عالم آخرت میں بھی تاباں رہے گی۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہر آدمی کو کار بار دنیا میں یہ خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ دور زندگی دنیا کے بعد بھی ایک دور زندگی ہے، لہذا اس زندگی کا تعلق دوسرے دور حیات سے منقطع نہ ہوئے پائے، جس طرح ہر مرد عاقل کی کار و بار دنیا میں ہر روز کی سعی محض اسی روز کے لئے نہیں ہوتی بلکہ آنے والے ”کل“ کے لئے بھی ہوتی ہے ان کی نظر ہر حال میں مستقبل پر بھی رہتی ہے، آج کوئی ایسا قدم اٹھانا پسند نہیں کرتا۔ جس سے ”کل“ گرفتار مصیبت ہو جائے، اور جس طرح اس کی ”آج“ کی سعی عمل محض ”آج“ کے لئے نہیں بلکہ ”کل“ کے واسطے بھی ہوتی ہے، اسی طرح یہ خیال رکھنا بھی لازم ہے کہ آخرت کے کام بھی دنیا ہی میں کئے جاسکتے ہیں، آنے والے دور حیات کی بھلائی کے لئے بھی دوڑ دھوپ مدت حیات ہی میں کی جاسکتی ہے، لہذا انسانی کوششیں دنیا طلبی میں اس طریقے پر ہوں کہ آخرت سے رشتہ نہ ٹوٹے، دنیا بھی حاصل ہو اور دین بھی، معیشت دنیوی بھی درست ہو سکے اور آخرت کی زندگی بھی۔

اسلام کا یہ وہ مخصوص نظریہ ہے جس کی مثال دیگر مذاہب حاضرہ کے فلسفوں میں نہیں

ملتی قرآن مجید و احادیث میں متعدد جگہوں پر اس نظریہ کو واضح کیا گیا ہے:

دنیا بھی انسان کی اور آخرت بھی

چند آیات و احادیث یہ ہیں:

(۱) وَأَنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ... (ہود: ۳)

”اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگو اور توبہ کرو، وہ تمہیں مقرر مدت تک اچھا سرمایہ زندگی دے گا، اور وہی ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت (کامرہ) عطا فرمائے گا۔“

(۲) وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (سورہ قصص: ۷۷)

”خدا نے تجھے جو کچھ نعمتیں بخشی ہیں، ان کے ذریعہ سے آخرت کے گھر کی بھی جستجو کر اور دنیا سے جتنا حصہ تیرا ہے اس کو بھی فراموش نہ کر، جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی دوسروں پر احسان کر، اور زمین میں فساد کا خواہاں نہ ہو، بے شک خدا فساد برپا کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

(۳) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنْشَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورہ نحل: ۹۷)

”مرد یا عورت جو آدمی اچھے کام کرے گا اور ایماندار بھی ہوگا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک زندگی بسر کرائیں گے، اور آخرت میں ان لوگوں کو اچھے سے اچھا اجر و ثواب دیں گے۔“

(۴) فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ

الْمُحْسِنِينَ (سورہ آل عمران: ۱۴۸)

”خدا نے ان کو ثواب دنیا عطا کیا اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ دیا اور خدا تو نیک کردار

لوگوں کو دوست رکھتا ہی ہے۔“

(۵) ...لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلِذَارِ الْآخِرَةِ خَيْرٌ...

”اچھے کام کرنے والوں کے واسطے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو اس

سے بہتر ہے۔“ (سورہ نحل: ۱۰)

(۶) حدیث نبوی: ”إِنَّ لَانَفْسِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَصُومُوا وَافْطَرُوا وَ

قُومُوا وَنَامُوا، فإني أصوم وأفطر وأقوم وأنام وأكل اللحم و الد طهن و آتی

النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني“۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۶ ص ۵۵)

”تمہارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے لہذا روزے بھی رکھو افطار بھی کرو، راتوں کو

نمازیں بھی پڑھو اور خواب استراحت بھی کر لیا کرو، دیکھو، میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار

بھی کرتا ہوں نمازیں پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں۔ گوشت و روغن بھی کھاتا ہوں، عورتوں سے

ازدواجی تعلقات رکھتا ہوں پھر جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔“

پرہیز گاروں کا دو گنا حصہ

حضرت امیر المومنین کا ارشاد ہے :

و اعلموا عباد الله ان المتقين ذهبوا بعاجل الدنيا و آجل الاخره . فشاركوا

اهل الدنيا في دنياهم و لم يشاركهم اهل الدنيا في آخرتهم . سكنوا الدنيا

بافضل ما سكنت و اكلوها بافضل ما اكلت فحظوا من الدنيا بما حظ به

المترفون و اخذوا منها ما اخذه الجبابرة المتكبرون . ثم انقلبوا عنها بالزاد المبلغ و المتجر الرابع . اصابوا لذة زهد الدنيا في دنياهم و تيقنوا انهم جيران الله غدا في اخرتهم لا ترد لهم دعوة ولا ينقص لهم نصيب من لذة .
(نہج البلاغہ، نامہ ۲۷)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے ”بندگان خدا! یہ جان لو کہ پرہیزگار لوگ دنیا و آخرت دونوں کی منفعت حاصل کر کے گذر گئے وہ اہل دنیا کے ان کی دنیا میں شریک رہے، مگر اہل دنیا ان کی آخرت میں شرکت نہ کر سکے، وہ دنیا کے بہتر ساکنوں کی حیثیت سے دنیا میں رہے، اور بہتر سے بہتر طریقہ سے دنیا کی نعمتیں کھائیں، لہذا انھوں نے دنیا سے اٹھایا جو خوشحال ثروت والوں کو نصیب ہوتا ہے، اور وہ چیزیں بھی لیں جو کبر و جبروت کے متوالوں کو میسر ہوا کرتی ہیں پھر اس دنیا سے منزل عادت آخرت تک پہنچانے والے توشے اور پر منفعت تجارت کے ساتھ واپس گئے، انھوں نے دنیا میں زہد دنیا کی لذت چکھی اور یہ یقین بھی رکھتے تھے کہ کل کے آخرت میں خدا کے ہمسایہ ہوں گے نہ ان کی دعا بارگاہ الہی سے رد ہوگی۔ اور نہ لذت کا کوئی حصہ ان کے لئے کم ہوگا۔“

ارشاد حضرت صادق آل محمدؑ: ليس منا من ترك دنياہ لاخرتہ و اخرتہ لدنياہ. (لنالی الاخبار، ص ۱۵۳۔ وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۷۷)
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے ”وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو دنیا کو آخرت کے لئے یا آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑتا ہو“

ان تمام آیات و احادیث سے دین اسلام کا یہ نصب العین ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا بھی انسان ہی کے لئے ہے اور آخرت بھی اسی کے لئے اور وہی نظام زندگی و دستور حیات مناسب

حال انسان ہو سکتا ہے جس کے ذریعہ سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہو اور دین اسلام کے سوا ایسا جامع و حاوی نظام و دستور العمل اور کوئی نہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

خدا کو بھولنے کا انجام ضیق معیشت ہے

(۹) نظریہ اسلامی یہ ہے کہ جس نظام معیشت کی بنیاد یاد خدا سے غفلت پر ہوگی وہ انسان کی خوشحالی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا، یاد خدا سے منہ موڑ کر انسان کو کشادہ معیشت میسر نہیں ہو سکتی، اس طرح آخرت کو بھول کر دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں سرشار رہنے کا انجام یہ ہے کہ ابدی زندگی خراب ہو جائے گی اور دائمی ناکامی کا سامنا ہو:

(۱) وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ أَعْمَى (سورہ طہ: ۱۲۴)

”جس نے میری یاد سے منہ موڑا تو اس کے لئے زندگی تنگ ہو جائے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔“

اَنْهَيْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ
تَجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَفْسُقُونَ . (سورہ احقاف: ۲۰)

”تم اپنے حصہ کی اچھی لذتیں زندگی دنیا میں ہی ختم کر چکے اور اس زندگی میں تم نے خوب چین کئے اور آج تم پر رسوا کن عذاب نازل ہوگا۔ اس لئے کہ تم روئے زمین پر ناحق اکڑتے تھے اور بدکاریاں کرتے تھے۔“

لہذا وہ ایسا نظام زندگی پیش کرتا ہے جس سے یاد خدا سے غفلت نہ ہو، خالق سے رشتہ بندگی نہ ٹوٹے اور زندگی دنیا کی خیر و صلاح اخروی زندگی کی مسرتوں سے پیوستہ رہے۔

ربط دنیا و آخرت کے متعلق اسلامی نقطہ خیال

اس مقام پر ضروری ہے کہ دنیا و آخرت کا وہ ربط جو اسلامی نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے، اچھی طرح واضح کر دیا جائے، جس طرح آدمی حیوان بھی ہے اور انسان بھی، اس کی حیوانیت کو انسانیت سے ایسا فطری ربط ہے جس کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، اور انسانیت کا کمال بدون اشتراک جنبہ حیوانیت کے ممکن نہیں۔ جنس حیوان ہی ”عقل و نطق“ کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر نوع انسان بن گئی ہے اسی طرح آدمی کی دنیا کو اس کی آخرت سے علیحدہ کر لینا مشکل ہے اس کی دنیا ہی اس کی آخرت بھی ہو سکتی ہے اسلامی نقطہ نگاہ کے بموجب دنیا و آخرت میں محض نظری و خیالی فرق ہے جس کو محسوس کرنے لے سنے باریک بینی کی ضرورت ہے۔

حقیقت و ماہیت دنیا

بحر العلوم ملا محمد مہدی نراقیؒ کتاب جامع السعادات میں فرماتے ہیں کہ زمین اور اس کی پیداوار یعنی معادن و حیوان، و نبات دنیا کی حقیقت ہے انہیں موجودات کو دنیا کہتے ہیں ان سب کو خداوند عالم نے اپنے اس ارشاد میں یکجا بیان کر دیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا .

”لوگوں کی مرغوب چیزوں مثلاً عورتوں بیٹوں سونے چاندی کے لگے ہوئے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں مویشیوں اور کھیتی کی محبت اچھی کر کے دکھائی گئی ہے یہی سب چیزیں سرمایہ حیات دنیا ہیں“۔ (آل عمران: ۱۴)

مقصد اور طریقہ تحصیل پر

دنیا کے ممدوح اور مذموم ہونے کا مدار ہے

طریقہ تحصیل اور مقصد کے لحاظ سے دنیا بدل جاتی ہے اختلاف نظر سے دنیا کے اوصاف میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی اسلامی نقطہ نگاہ سے کہیں قسمیں ہو جاتی ہیں۔ دنیا کبھی ممدوح و مستحسن ہوتی ہے اور کبھی قابل مذمت، مال دنیا کبھی فضل خداوندی و امداد الہی ہوتا ہے اور کبھی فتنہ و فساد و متاع غرور ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کا ارشاد ہے:

دنیا کی دو قسمیں ہیں

الدنیا دنیا آن دنیا بلاغ و دنیا ملعونہ،

”دنیا دو طرح کی ہے، ایک وہ دنیا جو انسان کے لئے کافی ہے اور دوسری وہ دنیا جو

ملعونہ (اور قابل ترک) ہو“۔ (جامع السعادات۔ الکافی: ج ۲، ص ۳۱۷)

قرآن مجید میں دنیا کے ممدوح و مذموم دونوں پہلوؤں کی توضیح کی گئی ہے مذموم پہلو کا

تذکرہ سن آیات میں ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي

الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (سورہ حدید: ۲۰)

”جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور ظاہری آرائش اور باہم ایک دوسرے پر

فخر کرنا اور مال و اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش ہے“۔

(۲) وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (سورہ حدید: ۲۰)

”اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے“

مقصد اور طریقہ تحصیل پر

دنیا کے ممدوح اور مذموم ہونے کا مدار ہے

طریقہ تحصیل اور مقصد کے لحاظ سے دنیا بدل جاتی ہے اختلاف نظر سے دنیا کے اوصاف میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی اسلامی نقطہ نگاہ سے کہیں قسمیں ہو جاتی ہیں۔ دنیا کبھی ممدوح و مستحسن ہوتی ہے اور کبھی قابل مذمت، مال دنیا کبھی فضل خداوندی و امداد الہی ہوتا ہے اور کبھی فتنہ و فساد و متاع غرور ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کا ارشاد ہے:

دنیا کی دو قسمیں ہیں

الدنیا دنیا آن دنیا بلاغ و دنیا ملعونہ،

دنیا دو طرح کی ہے، ایک وہ دنیا جو انسان کے لئے کافی ہے اور دوسری وہ دنیا جو

ملعونہ (اور قابل ترک) ہو۔ (جامع السعادات۔ الکافی: ج ۲، ص ۳۱۷)

قرآن مجید میں دنیا کے ممدوح و مذموم دونوں پہلوؤں کی توضیح کی گئی ہے مذموم پہلو کا

تذکرہ جن آیات میں ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي

الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (سورہ حدید: ۲۰)

”جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور ظاہری آرائش اور باہم ایک دوسرے پر

فخر کرنا اور مال و اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش ہے۔“

(۲) وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (سورہ حدید: ۲۰)

”اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے“

مقصد اور طریقہ تحصیل پر

دنیا کے ممدوح اور مذموم ہونے کا مدار ہے

طریقہ تحصیل اور مقصد کے لحاظ سے دنیا بدل جاتی ہے اختلاف نظر سے دنیا کے اوصاف میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی اسلامی نقطہ نگاہ سے کہیں قسمیں ہو جاتی ہیں۔ دنیا کبھی ممدوح و مستحسن ہوتی ہے اور کبھی قابل مذمت، مال دنیا کبھی فضل خداوندی و امداد الہی ہوتا ہے اور کبھی فتنہ و فساد و متاع غرور ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کا ارشاد ہے:

دنیا کی دو قسمیں ہیں

الدنيا دنیا آن دنیا بلاغ و دنیا ملعونہ،

”دنیا دو طرح کی ہے، ایک وہ دنیا جو انسان کے لئے کافی ہے اور دوسری وہ دنیا جو

ملعونہ (اور قابل ترک) ہو۔“ (جامع السعادات۔ الکافی: ج ۲، ص ۳۱۷)

حراں مجید میں دنیا کے ممدوح و مذموم دونوں پہلوؤں کی توضیح کی گئی ہے مذموم پہلو کا

مذکرہ جن آیات میں ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي

الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (سورہ حدید: ۲۰)

”جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور ظاہری آرائش اور باہم ایک دوسرے پر

فخر کرنا اور مال و اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش ہے۔“

(۲) وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (سورہ حدید: ۲۰)

”اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے“

(۳) إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تغابن: ۱۵)

”تمہارے اموال اور تمہاری اولاد یہ سب تمہاری آزمائش کے اسباب ہیں۔“
اگر دنیا و متاع دنیا کا مقصد لھو و لعب کھیل تماشہ سرمایہ داری کی وجہ سے مفلسوں اور ناداروں پر فخر و ناز اکثر مال پیدا کرنے میں نار و مقابلہ و مسابقات ہے تو یہ دنیا کا برا اور بدنما اور قابل نفرت رخ ہے۔

مذموم دنیا کی تصویر

جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے قابل مذمت دنیا کی تصویر اس ارشاد میں کھینچی ہے۔
الدنيا بمنزلة صورة راسها الكبر و عينها الحرص و اذنها الطمع
ولسانها الرياء و يدها الشهوة و رجلها العجب و قلبها الغفلة و لونها الغنا و
حاصلها الزوال (لنالی الاخبار ص ۲۱۔ مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۳۸)
دنیا بمنزلہ ایک ایسی صورت مجسمہ کے ہے جس کا سر تکبر ہے اور آنکھ حرص ہے کان طمع
ہے زبان ریاء ہے اور ہاتھ خواہش نفس اور پاؤں خود بینی و خود پسندی، قلب غفلت اور رنگ غنا
اور جس کا نتیجہ زوال ہے۔“

دنیا کا قابل مدح پہلو

دنیا کا قابل مدح پہلو آیتوں میں مذکور ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:
(۱) فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (سورہ جمعہ: ۱۰)۔
”زمین میں جہاں چاہو آؤ جاؤ اور خدا کے فضل و رزق کی جستجو کرو۔“
(۲) وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (مزل: ۲۰)
”اور بعض لوگ فضل خدا رزق کی جستجو میں روئے زمین پر سفر کریں گے۔“

(۳) وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ (نوح: ۱۲)

”اور خدا مال اور اولاد سے تمہاری امداد کرے گا تمہارے لئے باغ بنائے گا۔“

(۴) الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً

منه فضلاً... (بقرہ: ۲۶۸)

”شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور بری خصلت بخل کا حکم دیتا ہے اور خدا اپنی

بخشش اور فضل و وسعت رزق کا وعدہ فرماتا ہے۔“

(۵) اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ (سورہ بقرہ، ۱۸۰)

”اگر وہ کچھ خیر (مال) چھوڑ جائے تو وصیت کرے۔“

ان آیتوں میں خدا نے مال دنیا کو اپنا فضل اور اپنی امداد کہا ہے اور خیر سے تعبیر کیا ہے

اور یہ اس کا مستحسن اور قابل مدح رخ ہے جس کو بکثرت احادیث میں بھی واضح کیا گیا ہے:

مال صالح:

(۱) نعم المال الصالح لرجل الصالح (اصول کافی)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ”کیا اچھا ہے مال صالح مرد صالح کے لئے۔“

دنیا آخرت کی اچھی مددگار ہے

(۲) نعم العون على الاخرة الدنيا . (وسائل الشیعه)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”دنیا تحصیل آخرت پر اچھی مددگار ہے۔“

پرہیز گاری کے لئے دولت اچھی مددگار ہے

(۳) نعم العون على تقوى الله الغنى (لئالی الاخبار)

”مالداری پر ہیزگاری پر اچھی مددگار ہے۔“

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

(۴) الدنيا مزرعة الآخرة ”دنیا آخرت کی کھیتی ہے“

طلب دنیا کے پاک مقاصد ذاتی نفع کے ساتھ دوسروں کی منفعت کا خیال

(۵) من طلب الدنيا استعفا فافا عن الناس وسيعا على اهله و تعطف

على جاره لقي الله يوم القيامة و وجهه مثل القمر اليلة البدر (لنالی الاخبار)

رسول اکرمؐ نے فرمایا: ”جو شخص دنیا اس لئے طلب کرتا ہو کہ ذلت سوال سے انجمن،

آبرو بچائے، اہل و عیال کا تکفل کرے اور ہمسایہ پر مہربان ہو تو قیامت میں پیش خدا اس صرر

آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔“ (الکافی: ج ۵، ص ۷۹)

کسب دنیا کے اعلیٰ مقاصد جو اس کو

طلب آخرت بنا دیتے ہیں

(۶) قال رجل لابی عبد الله و الله انا لنتطلب الدنيا و نحب ان

فوجدھا فقال تحب اتصنع بها ماذا قال اعودبھا علی نفسی و عیالی و اصل

بھا و اتصدق بها و احج و اعتمر فقال ابو عبد الله ليس هذا الا طلب الآخرة

”ایک شخص امام جعفر صادقؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم طالب دنیا ہیں اور چاہتے

ہیں کہ دنیا ہم کو حاصل ہو حضرتؑ نے فرمایا: تیرا مقصد کیا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے اس نے عرض

کی کہ میرا مطلوب یہ ہے کہ اپنے نفس اور عیال کو اس سے فائدہ پہنچاؤں اپنے اعزہ و اقارب

کے ساتھ صلہ رحمی کیا کروں، راہ خدا میں خیرات دوں اور فریضہ حج بجالاؤں، حضرتؑ نے فرمایا: یہ باتیں تو (طلب دنیا نہیں) فقط طلب آخرت ہیں۔“

(لئالی الاخبار۔ وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۳۴)

ان تمام احادیث سے ظاہر ہے کہ آدمی کے قصد و نیت کی اصلاح اس کی دنیا طلبی کو عین طلب آخرت بنا دیتی ہے، ان دونوں میں فرق و امتیاز کا دار و مدار محض قصد و نیت پر ہے، اگر کسب دنیا و جمع مال کا مقصد اپنی ذات کے ساتھ اہل و عیال اور دیگر افراد کو فائدہ پہنچانا اور دوسرے امور خیر انجام دینا ہے تو وہ طلب دنیا نہیں بلکہ طلب آخرت ہے۔ اور فاضل علامہ نراقیؒ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ ”جو افعال مثلاً کھانا پینا اور ضروریات زندگی میں انہماک بظاہر مفہوم عبادت سے بہت دور نظر آتے ہیں۔ وہ بھی آدمی کے قصد و نیت کی بنا پر عبادت ہو جاتے ہیں، اور جو شخص مال کو اس نیت سے حاصل کرتا ہے کہ دین کی راہ میں خرچ کرے اور ذاتی مصارف سے فاضل مال اخوان مومنین کو مدد پہنچائے، تو ایسے آدمی کو مال کی کثرت ضرر رساں نہیں۔“

زہد کی تعریف اور اس کی حقیقت

حونکہ ترک دنیا اور زہد کے فضائل و احکام قرآن مجید و احادیث میں بکثرت مذکور ہیں اور مملن ہے کہ ان کو دیکھ کر کسی دماغ و دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ دنیا اور اس کی طلب کلیۃً شریعت اسلام میں ممنوع ہے لہذا یہ بتا دینا ضروری ہے کہ زہد کے درجات مختلف ہیں، نیز انبیاء و اولیاء اور خاصان خدا کے فرائض ان کے مناصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے عامۃ الناس سے جدا گانہ ہوتے ہیں جن کا اجمالی تذکرہ اسی مضمون میں دوسری جگہ آئے گا جہاں تک عوام خلق اللہ کا تعلق ہے ان کو جس قسم کے زہد کی ہدایت کی گئی ہے، اس کی تعریف اور اس کے حدود کے تعیین بھی صاف طور سے کر دی گئی ہے۔

زہد کا حاصل قرآن کے دو کلموں میں ہے

الزهد بين الكلمتين من القرآن قال الله سبحانه لكيلا تأسوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم فمن لم يأس على الماضي ولم يفرح بالآتي فقد اخذ الزهد بطرفيه . (وسائل الشيعه ج ۱۶ ص ۱۹)

”جناب امیر المؤمنینؑ نے فرمایا کہ ”حقیقت زہد“ قرآن مجید کے دو جملوں میں ہے خداوند عالم نے فرمایا ہے لکیلا تأسوا علی ما فاتکم، الخ، پس جس آدمی کو گئی ہوئی چیز کا غم نہ ہوگا اور آنے والی شے کی خوشی نہ ہوگی وہ پورا ”زہد“ حاصل کرے گا۔“

خدا کی طرف سے حلال کی ہوئی چیزوں کو
حرام کر لینے کی مذمت

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (سورہ مائدہ: ۸۷)

”اے ایماندارو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں ان کو

اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو، خدا حد سے بڑھنے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔“

اس آیت کی شان نزول کے متعلق مروی ہے کہ ایک دن جناب رسالتمآبؐ نے اپنی

مجلس وعظ میں صحابہ کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر کا تذکرہ فرمایا تو اس سے کچھ لوگ

بہت متاثر ہوئے اور عثمان بن مظعون صحابی کے گھر میں جمع ہو کر اس بات پر اتفاق کر لیا کہ

آئندہ سے دن کو روزہ اور رات کو نماز میں بسر کریں گے بستر و پر استراحت نہ کریں گے۔

گوشت نہ کھائیں گے بالوں کے موٹے کپڑے پہنیں گے۔ غرض ترک دنیا اور رہبانیت و

فقیری کی زندگی اختیار کر کے دنیا میں پھرتے رہیں گے جب ان کے اس طرز عمل کی خبر جناب

رسالتمآب تک پہنچی تو آپ عثمان بن مظعون کے گھر تشریف لائے جب وہ اور ان کے رفقاء حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا:

ما بال اقوام حرموا النساء والطيب والنوم وشهوات الدنيا اما انى
لست امرکم ان تكونوا قسيسين و رهبانا انه ليس فى دينى ترك اللحم
والنساء ان سياحة امتى الصوم و رهبانيتها الجهاد الخ (کنزل العرفان، ص ۳۷۳)

”آخر لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ انھوں نے عورتوں۔ خوشبو اور نیند اور دنیا کی دوسری
مرغوب چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا؟ میں نے تو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ راہب پادری اور
تارک الدنیا بن جاؤ میرے دین میں گوشت اور عورتوں کو ترک کر دینا نہیں ہے میری امت کی
سیاحت (فقیر اور بے خانماں زندگی بسر کرنا) روزے رکھنا ہے اور اس کی رهبانیت جہاد ہے۔“
(۳) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ

”اے پیغمبر ان سے کہو کہ زینت کی وہ چیزیں جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا
کی ہیں اور لھانے کے پاک اشیاء آخر کس نے حرام کی ہیں؟“ (سورہ اعراف: ۳۲)

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خدا کے حرام کئے ہوئے خباثت کا حلال
قرار دینا جائز نہیں، اسی طرح اس کی حلال کی ہوئی پاکیزہ اشیاء اور اسباب زینت کا حرام کرنا
اور ان سے رب استعمال کا عہد کر لینا بھی ناجائز ہے اس طرح کے عہد یا قسم کا شرعی طور پر انعقاد
نہیں ہو سکتا۔

(۴) حضرت امیر المومنین کا ارشاد ہے :

الزهد فى الدنيا قصر الامل و شكر كل نعمة والورع عن محارم الله
(جامع السعادات، ص ۲۳۹۔ الکافی: ج ۵، ص ۷۱)

”زہد فی دنیا“ آرزوؤں امیدوں کو گھٹانا ہر نعمت کا شکر ادا کرنا خدا کی جانب سے جو

چیزیں حرام کی گئی ہیں ان سے پرہیز کرنا ہے۔“

مال کو ضائع کرنا یا حلال کو حرام کر لینا زہد نہیں ہے

(۵) ان الزهد فی الدنيا لیس با ضاعة المال ولا تحريم الحلال بل

الزهد فی الدنيا ان لا تكون بما فی یدک اوثق منك بما عندا لله

”زہد فی دنیا“ یہ نہیں ہے کہ مال کو ضائع کیا جائے اور حلال کو حرام کر لیا جائے بلکہ

معنی زہد یہ ہیں کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد و بھروسہ تم کو ان اسباب دنیا پر نہ ہو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں۔“

(جامع السعادات، ص ۲۴۰۔ تہذیب الاحکام: ج ۶ ص ۳۲۷)

اگر مقصود رضا خدا ہو تو انسان دنیا و ما فیہا لے کر بھی زاہد ہو سکتا ہے

(۶) جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے: لو ان رجلا اخذ

جميع ما فی الارض و اداد به وجه الله فهو زاہد ولو ترک الجميع ولم یرد

به وجه الله فلیس بزاهد (جامع السعادات، ص ۲۳۳)

”اگر کوئی شخص روئے زمین کی ساری کائنات لے لے اور اس سے مقصود خدا کی

خوشی و رضا مندی ہو تو وہ ”زاہد“ ہے اور اگر ساری کائنات زمین کو چھوڑ دے اور رضائے الہی

اس کی مراد نہ ہو تو وہ ”زاہد“ نہ ہوگا۔

حرام سے بچنا زہد ہے

کسی نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ ”زهد فی الدنیا کیا ہے؟“ تو آپ نے فرمایا: تنكب حرامها یعنی حرام دنیا سے منہ موڑنا۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا کے مدوح یا مذموم ہونے کا مدار انسان کی نیت و ارادہ پر ہے اگر تحصیل دنیا کے مقاصد انسانیت کے اعلیٰ مقاصد ہیں تو وہ قابل مدح اور وسیلہ آخرت ہے اور اگر مقاصد کسب دنیا پست نظری پر مبنی اور محض نفسانی اغراض تک محدود ہیں، ان سے حیوانی جذبات کی تسکین کے سوا کوئی اور مقصد اعلیٰ پیش نظر نہیں تو قابل مذمت و نفرت ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے اسی حقیقت کو نہایت خوبی سے واضح فرمایا ہے:

ظاہر آیات و احادیث سے جو کچھ میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ مذموم دنیا چند امور سے

مرتب ہے:

(اول) یہ کہ وہ خدا کی فرماں برداری و محبت اور تحصیل آخرت سے مانع ہو جو چیزیں اسباب دنیا میں سے خدا کی رضا مندی اور اس کے تقرب کا باعث ہوں ان کا شمار امور آخرت میں ہے، اگرچہ بظاہر وہ دنیوی اعمال میں سے ہوں جیسے تجارت، صنعت اور زراعت جبکہ ان سے مقصود یہ ہو کہ عیال کے لئے سامان معیشت حاصل کیا جائے کیونکہ خدا نے اس پر مامور فرمایا ہے اور نیک کاموں میں مال خرچ کرنا محتاجوں کی اعانت، غریبوں پر خیرات کرنا، ذلت سوال سے اپنی آبرو بچانا مقصود ہو یا ایسے ہی دوسرے اعلیٰ مقاصد پیش نظر ہوں، ان صورتوں میں یہ تمام کام اعمال آخرت بن جائیں گے اگرچہ عوام خلق ان کو کار دنیا ہی شمار کرتے ہیں۔

(دوم) بدعتی لوگوں کی ایجاد کردہ ریاضتیں اور ریاء و نمائش کے اعمال کار دنیا ہی ہوں گے اگرچہ راہبانہ طریقوں پر اور طرح طرح کے مشقوں سے کئے جائیں اس لئے کہ ایسے ریاء

کاروں کے نمائش اعمال خدا سے دور کرتے ہیں، موجب قرب خدا نہیں ہو سکتے، اکثر راہبانہ طریقہ پر برے مال سے زندگی بسر کرنے والے انسانی صحبتوں سے الگ تھلگ رہتے اور رات کو خدا کی عبادت کرتے ہیں مگر بڑے دنیا پرست محبت دنیا میں گرفتار ہوا کرتے ہیں، ان کی جو گمانہ زندگی کا مقصد عوام الناس کو فریب دینا اور زہد و ورع میں شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے، عوام الناس کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنا ان کا دلی مدعا ہوتا ہے، مال و جاہ و عزت اور امور باطلہ کی ہوس ان میں تمام خلق سے بیشتر ہوا کرتی ہے، وہ اپنے ظاہر اور نمائش ترک دنیا کو دنیا طلبی کا ذریعہ بناتے ہیں، اور اسی ٹٹی کے آڑ میں شکار کھیلتے ہیں اور اکثر تجارت پیشہ اور محنت و مزدوری کرنے والے لوگ جن کو عوام الناس کسی شمار میں نہیں لاتے آخرت کے جو یا ہوا کرتے ہیں، کیونکہ ان کی نیت درست ہوتی ہے، اور دنیا کی محبت نہیں رکھتے

خلاصہ کلام اس بارے میں یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء کے علم کا معیار اور یہ جاننے کا ذریعہ کہ کس کام کا کرنا واجب ہے اور کس کا ترک کرنا ضروری ہے، شریعت مقدسہ ہے۔

(یعنی قرآن و احادیث نبویہ) اور اہلبیتؑ عصمت علیہم السلام کے ارشادات ہیں۔ پس آیات و احادیث سے جس امر کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے اور وہ مطلوب الہی ہے تو وہ عبادت ہے عام اس سے کہ وہ نماز روزہ و حج ہو یا تجارت و زراعت و صنعت و حرفت ہو۔ خلق کے ساتھ معاشرتی زندگی بسر کرنا یا تنہائی کی زندگی گزارنا یا ان سب کے علاوہ اور کوئی بات (چونکہ یہ سب امور مطلوب خدا ہیں لہذا عبادت ہیں) اور خالص نیت کے ساتھ آداب و شرائط کے ماتحت ان کو زیر عمل لانا کار آخرت ہوگا۔ اور جو باتیں خدا کی مطلوب نہیں ہیں اور ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے تو وہ دنیاۓ مذمومہ ہیں جو خدا اور آخرت سے دور کرتی ہیں، ایسی چیزوں کی کئی قسمیں ہیں:

(اول) حرام، جس پر عذاب کا استحقاق پیدا ہوتا ہے خواہ وہ اپنی ایجاد کردہ عبادت ہو (جس کو بدعت کہتے ہیں) یا وہ عبادت جس میں ریا کاری اور شہرت طلبی شامل ہو۔ یا ظالموں کے ساتھ معاشرت رکھنا، یا حرام مناصب اور عہدے پر کام کرنا یا مال کو حرام ذریعہ سے یا حرام کی غرض سے حاصل کرنا اور ایسے ہی دیگر امور جو باعث استحقاق عقاب خداوندی ہوں۔

(دوم) مکروہ۔ اور وہ ایسے افعال و اعمال اور اس طرح کے وسائل کسب معاش ہیں جو وسیلہ تحصیل آخرت نہ ہوں اور آخری سعادتوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہوں، مثلاً ضرورت سے زائد مال و متاع۔ زائد از حاجت مسکن اور سواریاں اور اسی قسم کی چیزیں (غیر ضروری آثار البیت وغیرہ)

(سوم) مباح، مثلاً ایسے اعمال جن کا صاحب شرع نے حکم نہ دیا ہو نہ ان سے منع فرمایا ہو بشرطیکہ تحصیل آخرت سے مانع نہ ہوتے ہوں اور اکثر مباح امور کو ایسے طریقے اور نیت سے واقع کرنا ممکن ہے جس سے وہ عبادت میں داخل ہو جائیں مثلاً کھانا، سونا اس ارادہ سے کہ عبادت لے لے ڈاقت حاصل ہو، اور مباحات کو اس خیال سے ترک کرنا کہ (یہ ترک مباحات) عبادت ہے بدعت ہو جاتا ہے اور جہنم میں داخلہ کا باعث ہوتا ہے، بہت سے بدعتی لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

انسان دولت کمانے اور خرچ کرنے میں پیش خدا مسئول ہوگا

ان تمام شواہد سے ظاہر ہوا کہ اسلام ایک ایسا مذہبی نظام ہے جو انسان کی دنیا و آخرت اور جسمانی و روحانی دونوں حصوں کو ایک سلسلہ میں مرتبط اور باہم وابستہ کر دینا چاہتا ہے، روحانی جذبات اور اخلاقی احساسات کو ابھارنا اس کے معاشی نظریات کی بنیاد ہے اس اصول کے ماتحت لازم تھا

کہ انسان کو اس بات کا مسئول اور جوابدہ قرار دیا جائے کہ اس نے کس طریقے سے مال کی تحصیل کی اور اسے کس مصرف میں صرف کیا؟

حدیث نبویؐ ہے کہ: لا تزول قدم عبد يوم القيامة حتى يسئل عن اربع

عن جسده فيما ابلاه عن عمره فيما افناه عن ماله مما اكتسبه و فيما انفقته وعن حنا اهل

البيت (ینایع المودة۔ اعلام الدین: ص ۲۱۵)

”جب تک بروز قیامت چار باتوں کی بابت سوال نہ کر لیا جائے گا کسی قدم کو ہٹنے نہ

دیا جائے گا: اس کے جسم سے متعلق کہ اس نے کیسے استعمال کیا اس کی زندگی کے بارہ میں کہ

کیسے گزاری مال کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا اور ہماری محبت ہے نہ نہیں۔

نیز یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہے کہ دنیا کی پیداوار میں کون سی چیزیں انسان کے لئے

مناسب و نافع اور کونسی غیر مناسب اور باعث ضرر ہیں؟ کن اشیاء اور کن طریقوں سے انسان

کے جذبہ خدا پرستی اور احساسات اخلاقی کو قوت حاصل ہوتی ہے اور کن سے ان میں کمزوری و

اضمحلال پیدا ہوتا ہے؟۔ ایک طرف وہ کسب مال و سرمایہ کا تاکیدی حکم دیتا ہے۔ دوسری طرف

کسب مال کے طریقے معین کرتا ہے اور حدود قائم کرتا ہے جن کے اندر مندرجہ بالا مقصد کا

حاصل ہونا منحصر ہے۔ نیز قابل استعمال اور قابل پرہیز اشیاء کو بیان کرتا ہے۔ تیسری جانب

مدات خرچ کی تشریح کرتا ہے اور وہ حدود انفاق بتاتا ہے۔ جو عقلاً و فطرتاً ضروری و اعلیٰ مقصد

زندگی کے مطابق ہیں۔ ان امور کے متعلق اسلامی تعلیمات کا اتنا ذخیرہ موجود ہے جن کا اس

مختصر مضمون میں جمع کر دینا دشوار ہے، لہذا صرف چند شواہد پر اکتفا کرنا ناگزیر ہے۔

اسلام نظام معیشت کا دو جملوں میں خلاصہ: پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو

اسلام نے عالم انسانیت کو جو وسیع نظام بتایا ہے ان کا خلاصہ صرف دو جملوں میں کر دیا ہے۔

(۱) کُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ
”پاک و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو، تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں۔ (سورہ مومنون: ۵۱)

اس آیت میں خدا کا وہ پسندیدہ نظام معیشت بتایا گیا ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ سے دنیا میں بھیجا جاتا رہا ہے اور وہ دو اصول میں منحصر ہے۔ ”پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو“۔ اس اصول سے ظاہر ہے کہ شریعت الہیہ کا مقصد مادیت و روحانیت کے امتزاج کو حد اعتدال پر رکھنا اور ہر ایک کے جائز و مناسب تقاضا کو پورا کرنا ہے۔ انسان کے ایسے مجموعہ روحانیت و جسمانیات کے لئے اس سے بہتر و مناسب فطرت کوئی اور اصل معیشت نہیں ہو سکتا دنیوی نعمتوں سے لذت یا بی و مسرت اندوزی کے ساتھ پر امن اور سکون و اطمینان کی زندگی صرف اسی اصول پر عمل کرے سے مل سکتی ہے۔

ممکن ہے کہ جو نظام معیشت ”ہر چیز کھاؤ“ ”ہر طرح کماؤ“ ”جو چاہو کرو“ کے اصول پر مرتب کیا گیا ہو اس میں وقتی منافع زیادہ نظر آتے ہوں مگر ان کی تہہ میں نوع انسانی کی تباہی و ہلاکت پوشیدہ ہوگی کیونکہ اس میں ایسی چیزوں کے استعمال کی آزادی ہوگی جو امراض جسمانی کا مبداء بنتی ہیں یا حیوانی قوتوں کو ابھار کر اعتدال طبعی کے حدود سے خارج کرتی اور امراض بدنی و اخلاقی و روحانی کا باعث ہوتی ہیں۔ نیز اس میں غرور، خودنمائی، بے جا تعیش، فضول، عشرت

پسندی، نخوت، کبر و غرور کے مواد کو برا بیچتے ہونے سے روکنے کی کوئی تدبیر نہ ہوگی مساوات اور ہمدردی اور باہمی مواساة کے رشتوں اور مذموم سرمایہ داری کی حرص ہوس کو قوی کرنے والے اسباب موجود ہوں گے، ایسی صورتوں میں زندگی کے پرامن و سکون ہونے کی توقع محض خیال ہوگی، ایسے نظامات سے ممکن ہے کہ وقتی منفعت حاصل ہو مگر عام انسانی دنیا کا فلاکت و مسکنت کے قعر ہلاکت میں پڑ جانا ان کا یقینی انجام ہے، ایسے ہی اصول و نظریات معاشی کی بدولت ہمارے سامنے عالم انسانیت کو ایٹم بم کے خطرات درپیش ہیں اور آئندہ خدا جانے کتنے تباہ کن اسباب کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

حدیث نبویؐ میں ہے:

قال الله عز و جل من لم یبال من ای باب اکتسب الدینار والدینار۔

لم ابال من ای ابواب النار ادخلته (متدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۲)

”ارشاد خداوندی ہے کہ جو آدمی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دینار و درہم کس دروازے سے کماتا ہے تو میں بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کو کن دروازوں سے داخل جہنم کرتا ہوں۔“
کیا ان مشاہدات و تجربات کے بعد بھی اس بات میں شبہہ باقی رہہ سکتا ہے کہ نخل انسانیت کے پھولنے پھلنے کے لئے صرف چمن اسلام ہی کی معتدل آب و ہوا سازگار ہو سکتی ہے؟

(۲) اَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقُهُ (سورہ ملک: ۲۱)

اگر خدا اپنے فیض رزق کو بند کر دے تو ایسا کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے گا۔

(۳) وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (سورہ ہود: ۶)

اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی کا انتظام خدا کے ذمہ نہ ہو۔

(۴) اِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (سورہ ذاریات: ۵۸)

”خدا بڑا روزی رساں صاحب قوت اور زبردست ہے۔“

(۵) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

(سورہ جمعہ: ۱۰)

”جب نماز ہو چکے تو زمین میں ادھر ادھر جہاں چاہو جاؤ اور خدا کا فضل (روزی) تلاش کرو۔“

(۶) إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا

عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (سورہ عنکبوت: ۱۷)

”خدا کو چھوڑ کر جن ہستیوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہارے رزق پر کوئی اختیار نہیں

رکھتیں، لہذا اللہ ہی سے روزی مانگو اور اسی کی عبودیت اختیار کرو اس کا شکر بجالاؤ اسی کی طرف بالآخر تم کو لوٹنا ہے۔“

ان آیات میں چند باتیں بتائی گئی ہیں:-

(اول) رزق و معیشت و اسباب معیشت خدا کا عطیہ اور فضل و بخشش ہے بلکہ ہر

جاندار لی پیدائش کے ساتھ خدا نے اس کے رزق کا سامان بھی پیدا کیا ہے لہذا اس کو خدا کی دین

محسنا چاہیے نہ کہ صرف اپنے علم و تدبیر کا ثمرہ و حاصل، یہ خیال ملحدانہ ہے اور بخل و حرص سرمایہ

داری کی بنیاد یہی خیال ہے، اسی کی بنا پر دنیوی اسباب معیشت میں خدا کے حقوق مالکانہ کے

انکار کی جرئت ہوتی ہے، عہد جناب موسیٰ کا مشہور عالم سرمایہ دار قارون اپنے مال میں سے حقوق

خدا ادا کرنے سے اسی لئے منکر ہوا تھا کہ وہ اس کو اپنا مال اور اپنی علمی تدابیر کا حاصل تصور کرتا تھا،

جیسا کہ خود قرآن مجید اس کی حکایت کرتا ہے: ”قال انما اوتيته على علم عندی“ اس

کے کہا کہ یہ مال و متاع تو صرف اس علم کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جو میرے پاس ہے۔“

(دوم) اگرچہ روزی رساں خدا ہے، ہمارے رزق کا وہ ذمہ دار ہے اسباب معیشت کے

ذخیرہ اس نے ہمارے لئے جمع کر لئے ہیں مگر تلاش و جستجو، سعی و محنت بھی شرط ہے، تقدیر کے بھروسہ

پرتدبیر سے دست کش نہ ہونا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارے رزق کا ہم تک پہنچنا ہماری سعی و جستجو ہی کے ذریعہ سے مقدر ہو اور فضل خدا کا ملنا ہماری محنت اور طلب پر موقوف رکھا گیا ہو۔

زمین اور اس کی پیداوار میں تمام انسانوں کا حق برابر ہے

(سوم) اسباب رزق عطیہ ربانی و فضل خداوندی ہیں اور بنی آدم خدا کی مخلوق اور بندے ہیں، عبودیت و مخلوقیت کے لحاظ سے سب برابر ہیں، لہذا اسباب معیشت میں بھی سب کا حق برابر ہے، اس مطلب کی دوسری آیتوں میں پوری تصریح کی گئی ہے اور وہ یہ ہیں۔

(پہلی آیت): وَجَعَلَ فِيهَا رِوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا

أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلنَّاسِ لِيْنِ (سورہ فصلت: ۱۰)

خدا ہی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ قائم کر دیئے اور اسی نے اس میں برکت عطا کی اور اسی نے مناسب انداز میں سامان معیشت کا بندوبست فرمایا یہ سب چار اوقات (چار فصلوں) میں کیا (وہ بندوبست سامان معیشت) تمام طلبگاروں کے لئے برابر ہے۔

تفسیر ممتی میں مذکور ہے کہ ”اربعة ایام“ سے مراد چار اوقات اور فصلوں یعنی جاڑا، گرمی، بہار و خزاں ہیں، تمام اسباب معیشت انسان و حیوان کی پیداوار انھیں فصلوں و اوقات میں ہوتی ہے اور اس کے تغیرات و انقلابات کو ان اسباب کی پیدائش میں پورا دخل ہے۔

اور ”للسائلین“ سے مراد تمام خلق اللہ ہے جو رزق کی محتاج ہے اور کم سے کم بزبان حال اپنی روزی کی طلبگار ہے لہذا سامان معیشت میں تمام خلایق کا حق برابر ہے کسی کو دوسرے پر حق فطری کے اعتبار سے ترجیح و فضیلت نہیں۔

(دوسری آیت): وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ

فُضِّلُوا بِرَآدَى رِزْقِهِمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ (سورہ نحل: ۷۱)

خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (مال و دولت) میں فضیلت و زیادتی عطا کی ہے پھر (کیا) وہ لوگ اپنی روزی میں سے ان لوگوں کو جن پر ان کا دسترس ہے دینے والے نہیں (حالانکہ) اس میں تو سب کے سب برابر ہیں؟ تو کیا یہ لوگ نعمت خدا کے منکر ہیں؟

قدرت الہیہ براہ راست کسی انسان کے پاس خوان نعمت و سامان رزق نہیں بھیجتی بلکہ طبعی طور پر ایک کو دوسرے سے رشتہ احتیاج و ضرورت میں وابستہ کر دیا ہے، اور ایک شخص کی روزی کو دوسرے کے ذریعہ مقدر فرمایا ہے حدیث میں ہے کہ خدا کو یہی بات پسند ہے کہ ایک فرد انسان کا وسیلہ رزق دوسرے فرد انسان کو بنائے اور اس مصلحت سے نظام اجتماعی کے اندر زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے اور راہبوں اور جوگیوں کی طرح پہاڑوں جنگلوں میں تمدن سے الگ تھلک زندگی گزارنے کا طریقہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اسلامی طریقے کے خلاف ٹھہرایا ہے۔

اس قسم کے فطری نظام معیشت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ دوسروں کے لئے بظاہر سیئہ سعات ہوتے ہیں، وہ اپنے کو ان کا رازق تصور کرنے لگتے ہیں اور ان کو اپنے سے پست و ربہ نیال کرتے ہیں، اس آیت میں اس فاسد خیال کو دل و دماغ میں جگہ پانے سے روکا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ تم اپنے کو ان کا رازق نہ جانو، نیز یہ بتایا گیا ہے کہ تمہاری فضیلت زیر دستوں پر بس اس قدر ہے کہ تم کو اپنی شان رزاقیت کا ذریعہ قرار دیا ہے ورنہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں اور تمہارے ہی بھائی ہیں، لہذا تمہیں ان سب کو اسباب معیشت میں برابر رکھنا چاہیے۔

زبدۃ البیان اردبیلیؒ میں ہے: ای کان ینبغی ان یردوا مما رزقوا علی

ممالیکہم حتی يتساودا فی الملبس و المظعم كما یحکی عن ابی ذرؓ انه سمع رسول اللہؐ یقول: (انما هم اخوانکم فاکسوهم مما تلبسون و اطعموهم مما تطعمون فما رؤی عبده بعد ذالک الا و ردائه ردائه و ازاره ازاره غیر تفاوت) ا فبنعمة الله یجحدون فجعل عدم التسوية بينهم و بین عبیدہم من جملة جحود النعمة علی سبیل المبالغة ففیہا دلالة علی استحباب التوبة بین نفسه و ممالیکہ و یدل علیہ ایضا الاخبار مثل ما تقدم و یدل علی ابلغ ذالک ما روى عن امیر المومنینؑ انه کان یشتري ثوبین یعطی افضلہما القنبر و یاخذ الاردى لنفسه .

یعنی انھیں یہ چاہیے تھا کہ اپنے مال و دولت میں سے اپنے زیر دستوں کو دیتے تاکہ لباس و خوراک میں آقا و غلام سب کے سب برابر ہو جاتے، ابو ذرؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب ان بزرگ نے حضرت رسالتؐ کو یہ فرماتے سنا کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں ان کو وہی کپڑا پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور وہی غذا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو تو اس دن سے ان کے اور ان کے غلام کے لباس میں کوئی فرق و امتیاز نہیں دیکھا گیا، قول الہی: ”ا فبنعمة الله یجحدون“ یہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے مالداروں کی طرف سے زیر دستوں کو برابر حصہ نہ دئے جانے کو کفرانِ نعمت قرار دیا ہے اور یہ دلیل ہے کہ اس امر کی کہ اپنی ذات اور غلاموں کے درمیان برابری قرار دینا مستحب ہے اور اس پر حدیث بھی دلالت کرتی ہیں ان میں سے وہ حدیث بھی ہے جو پہلے گزری اور اس سے زیادہ بہتر سلوک پر یہ رویت دلالت کرتی ہے کہ جناب امیر دو لباس خریدتے تھے اور جو بہتر ہوتا تھا وہ قنبر کو مرحمت کرتے تھے اور جو ادنیٰ درجہ کا ہوتا تھا وہ اپنے لئے رکھ لیتے تھے۔“

(تیسری آیت): هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

”زمین میں جو کچھ ہے اس کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔“ (سورہ بقرہ آیہ: ۲۹)

وہ پیداوار زمین مباح الاصل ہے جو ذریعہ معاش انسان بن سکتی ہے

جیسا کہ محقق اردبیلیؒ نے ارشاد فرمایا ان آیات سے یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ زمین کی وہ چیزیں جو انسان کا رزق اور ذریعہ معاش بن سکتی ہیں اور ان کی تحصیل کے طریقے مباح الاصل ہیں، ہر انسان کو ان کی استعمال کا حق ہے، سوا ان چیزوں اور طریقوں کے جن کو عقلی و نقلی دلیلیں حکم اباحت سے خارج کرتی ہیں اور ایسی چیزیں اور ایسے طریقے جن کو عقل و نقل دونوں قابل استعمال قرار نہیں دیتیں بہ نسبت مباح و قابل استعمال اشیاء اور طریقوں کے بہت کم ہیں اس لئے انسان کی معیشت دنیوی بغیر کسی تنگی کے سدھر سکتی ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام کا ارشاد ہے: ان الذی امرتم بہ اوسع من

الذی نہیتم عنه وما احل لکم اکثر مما حرم علیکم فذروا ما قل لما کثر۔

”جس نے تمہیں احکام بجالانے کا حکم دیا ہے ان چیزوں سے زیادہ ہیں جن کو

منع کیا گیا ہے جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں وہ ان چیزوں سے بہت زیادہ ہیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں لہذا اکثر کے واسطے قلیل یعنی حرام کو ترک کر دو۔“

(۹) يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (سورہ بقرہ: ۱۶۸)

”اے لوگو! زمین میں جو کچھ ہے اس سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان

کے قدم بقدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔“

(۱۰) کُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي

وَمَنْ يَحِلِّ عَلَيْهِ غَضَبِي... (سورہ طہ: ۸۱)

”ہم نے جو پاک سامان رزق تم کو دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا۔“

چونکہ معیشتِ دنیوی کی سب سے اہم شرط انسان کے لئے غذا ہے اس لئے اکثر آیات میں ”اکل“ یعنی کھانے کا تذکرہ ہے مگر اس سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ ہر قسم کا انتفاع اور عام تصرف ہے اور مقصد یہ ہے کہ دنیا کی ان چیزوں میں جو انسان کے لئے اسبابِ معیشت بن سکتی ہیں پاکیزہ اور حلال کا انتخاب کرنا چاہیے انتفاع اور تصرف کے لئے پاکیزہ و حلال اشیاء اور پاک حلال طریقے اختیار کرنا انسانی فریضہ ہے۔ ان آیات سے چند نتائج ظاہر ہوتے ہیں:

(اول): زمین کی پیداوار اور اس کے انتفاع کے طریقوں کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں:

(۱) وہ چیزیں اور انتفاع کے وہ طریقے جو انسان کے مناسب فطرت و موافق طبع ہوں ان سے نہ جسمانی مضرت کا خطرہ ہو نہ اخلاقی و روحانی عنصر کو فساد کا اندیشہ۔

(دوم): وہ اشیاء اور وہ طریق اکتساب و انتفاع جو مذکورہ بالا اوصاف کے خلاف ہوں قسم اول کے اشیاء اور اکتساب کے طریقے ”حلال و طیب“ کہے گئے ہیں اور قسم دوم کے اشیاء اور طریق اکتساب و انتفاع کو خبیث و حرام قرار دیا ہے اور ان کے استعمال کو اتباعِ شیطانی سے تعبیر فرمایا ہے۔ آیہ مبارکہ ”حلالا“ کے بعد ”طیبا“ کی تکرار یہ بتانے کے لئے ہے کہ ان اشیاء اور طریقوں کے حلال قرار دئے جانے کی علت ان کا ”طیب“ یعنی موافق فطرت و مناسب طبع انسانی ہوتا ہے اور جو اشیاء اور طریقے ”حرام“ کہے گئے ہیں ان کی وجہ تحریم یہی ہے کہ ان کے صفات، اوصاف مذکورہ کے خلاف ہیں۔

حلال و حرام کا کلی اصول: وہ چیزیں اور کسب معاش کے وہ طریقے حرام ہیں

جن سے بدن و روح میں فساد پیدا ہوتا ہے

ایک حدیث میں حلال و حرام کے معیار کو اصول کلی کے طور پر بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے:

كل امر یكون فيه الفساد مما قد نهى عنه من جهة اكله و شربه و لبسه و نكاحه لوجه الفساد مثل الميتة و الدم و لحم الخنزیر و الزنا و جمیع الفواحش و لحوم السباع و الخمر و ما اشبه ذالك فحرام ضار للجسم و فساد للنفس۔ (بحار الانوار، ج ۳۳، باب المكاسب)

ہر وہ امر جس میں کوئی وجہ فساد و خرابی کی ہے اس کو خدا نے ممنوع قرار دیا ہے اس لئے کہ اس کے کھانے پینے پہننے اور اس سے ازدواجی تعلقات پیدا کرنے میں وجہ فساد موجود ہے سلام دار، خون، سور کا گوشت، زنا، اور تمام بدکاریاں، درندوں کے گوشت، شراب اور اسی قسم کا دوسری اشیاء تو وہ حرام ہیں اس لئے کہ وہ جسم کے واسطے باعث ضرر اور روح میں فساد پیدا کرنے والی ہیں، (اور جو چیزیں ایسی نہیں ہیں وہ حلال ہیں۔)

لفظ ”طیب“ کے معنی

جناب شیخ مقداد کنز العرفان میں لفظ ”طیب“ کے متعلق لکھتے ہیں:

”و الطیب“ يقال لمعان، الاول ما هو مستلذ والثانی: ما حلله

الشارع، الثالث: ما كان طاهراً، الرابع: ما خلا عن الاذى فی النفس والبدن .

”لفظ طیب“ کئی معانی میں مستعمل ہوتا ہے (اول) وہ چیز جو لذیذ ہو (دوم) وہ چیز

جس کو شارع نے حلال قرار دیا ہے (سوم) وہ چیز جو پاک ہے (چہارم) وہ چیز جو روح و بدن

میں بیماری واذیت پیدا نہیں کرتی۔“ (کنز العرفان ص ۳۶۱)

حدیث بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ شارع کی طرف سے حلال و طاهر قرار دیئے جانے کی وجہ وہی بات ہے جو شیخ مقدادؒ نے آخر میں کہی ہے اور آپ کے بیان کئے ہوئے چاروں معنی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ لفظ ”طیب“ ان سب کو شامل ہے۔

اسلام کے نزدیک معاشیات تابع اخلاق ہیں نہ کہ اخلاق تابع معاشیات

(سوم): پاکیزہ چیزوں کو کھانے کا حکم دیتے ہوئے یہ فرمان نافذ کرنا کہ ”لا تطغوا فیہ“ (یعنی طغیان نہ کرو و حد و مقررہ سے آگے نہ بڑھو) اس حقیقت کی پوری توجیح کے لئے کافی ہے کہ اسلام معاشیات کو تابع اخلاق بنانا چاہتا ہے، اخلاق کو تابع معاشیات بنانا اس کے نقطہ نظر کے خلاف ہے، اور یہی اصول یعنی معاشیات کو تابع اخلاق بنانا اس کے نظام معاشی کا بنیادی اصول ہے۔

ارشاد ربانی ”لا تطغوا فیہ“ کا حاصل یہ ہے کہ کسب معاش و طلب رزق کے وہ طریقے انسان کے لئے حرام قرار دئے گئے ہیں جن سے طغیان لازم آتا ہے دوسرے مقام پر فرمایا ہے ”ان الانسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ“ یعنی انسان جبکہ اپنے کو غنی و سرمایہ دار پاتا ہے تو طغیان و سرکشی کی طرف مائل ہو جاتا ہے یہ ”طغیان“ کسب دولت و مال میں بھی ہوا کرتا ہے اور اس کے بعد بھی خدا کے مقرر کردہ حدود شرعیہ سے باہر نکل کر کسب معاش کرنا ”طغیان“ ہے اسی طرح خدا کو بھول جانا اس کے حدود شرعیہ کی مخالفت کرنا حقوق مستحقین کو روکنا، کم مایہ اور غریب لوگوں پر تکبر و فخر کرنا ان کے مقابلہ میں شان جباری دکھانا طغیان ہے۔

معاشی معاملات میں باہم تعاون و اشتراک عمل نہ کرنا نظام تمدن میں ابتری

پھیلانے والے طریقے اختیار کرنا۔ اپنے مالی فائدہ کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانا، اپنے ذرائع کسب مال و دولت کو وسیع کرنے میں دیگر افراد کے لئے معاشی تنگی کے اسباب پیدا کرنا، مفلس کے افلاس و ناداری اور اس کی اضطراری حالت سے فائدہ اٹھانا اور محتاج و ضرورت مندوں کی احتیاج و ضرورت سے غنیمت موقع پا کر ایسے شرائط منظور کرانا جو سرمایہ داری میں اضافہ کے ساتھ مفلس کی افلاس و ناداری کو بڑھاتے ہیں اور محتاج کو محتاج تر کرتے ہوں ”طغیان“ ہیں محتاجوں کے حق کو روکنا تکبر و فخر کرنا شان و جبروت دکھانا، سرکشی و فساد انگیزی کرنا غرض تمام وہ طریقے اور خصلتیں ”طغیان“ ہیں جس سے اخلاق کے فطری سرمایہ کی بربادی اور روحانیت کا فساد لازم آتا ہے، انفرادی منفعت کے لئے یا اجتماعی مفاد کے نظام کی خرابی ان کا انجام ہو اسی طرح خدا کی عطیات و نعمات میں مناسب فطری تصرف سے روکنا قدرتی اشیاء کے سوانح طبع استعمال کی ممانعت کرنا، معاشی میدان عمل کو تنگ کرنا ایسے قیود لگانا جن سے نطرت لی دن ہوئی جسمانی و دماغی صلاحیتوں سے کام لینے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے یا اپنی محنت و سعی عمل کے ثمرات سے منفعہ ہونے کا حق سلب ہوتا ہو ”طغیان“ ہے مختصر یہ کہ عقل و شرع و حطرت کی مقرر کی ہوئی حدود سے آگے بڑھ جانا ”طغیان“ ہے خواہ یہ آگے بڑھ جانا کسی جانب ہو آئیہ مبارکہ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اس قسم کے ”طغیان“ کا انجام غضب خدا کا نزول اور سراسر تباہی و ہلاکت ہے جس نظام معیشت کی بنیاد ”طغیان“ پر ہوگی وہ غضب الہی کو دعوت دے گا، اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہی ایک آیت یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اسلام سرمایہ دارانہ اصول معیشت کو برداشت نہیں کرتا ساتھ ہی اس کے ان تمام نظامات کا بھی مخالف ہے جن میں انسان کے فطری حقوق کے متعلق بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں۔

کسب معاش کی باعتبار حکم شرعی پانچ قسمیں

شرع اسلام نے طلب معاش اور اس کے وسائل کی تلاش کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے، مفسر علامہ مقدادؒ نے مختصر جامع الفاظ میں ان سب کا بیان کر دیا ہے:

ثم الطلب للرزق ينقسم بانقسام الاحكام الخمسة واجب هو ما اضطر الانسان اليه ولا جهة له غيره وندب وهو ما قصد به في المال لتوسعة على العيال و اعطاء الحي و يجمع والافضال على الغير و مباح و هو ما قصد به جمع المال الخالي عن جهة منهي عنها و مكروه و هو ما اشتمل على ما ينبغي التنزه عنه حرام و هو ما اشتمل على جهة قبح (كنز العرفان)

”طلب رزق کی باعتبار حکم شرعی پانچ قسمیں ہیں:

- (۱) واجب، طلب رزق پر مجبور و مضطرب ہو، اس کے علاوہ کوئی اور صورت اس کے لئے نہ ہو
- (۲) ندب (یعنی مستحب) جبکہ مقصود مال میں وسعت پیدا کرنے سے یہ ہو کہ عیال کے لئے معاشی وسعت پیدا ہو محتاجوں کو دے اور غیروں پر تفضل کرے۔
- (۳) مباح، جس سے مقصود مال جمع کرنا ہو ایسے طریقے سے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو
- (۴) مکروہ، جو ایسے ناپسندیدہ طریقوں سے ہو جس سے پاک و صاف رہنا ہی مناسب ہے۔

(۵) حرام، کسی برے پہلو پر مشتمل ہو۔“

(۱۱) لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (سورة مائدہ: ۹۳)

”جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انھوں نے جو کچھ کھایا (پیا) اس میں کچھ گناہ نہیں جبکہ انھوں نے پرہیزگاری کی اور ایمان لے آئے، اور اچھے اچھے کام کئے پھر پرہیزگاری کی اور ایمان لائے پھر پرہیزگاری کی اور نیکیاں کیں اور خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

اس آیه مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب انسان خدا پر ایمان رکھتا ہوا اچھے کام کرتا اور محرمات سے بچتا ہو تو پھر دنیا کی نعمات الہیہ سے منتفع ہونے میں اس کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

تذکرہ ایمان و تقویٰ و صلاح کار میں تکرار کی مصلحت

تذکرہ ایمان و تقویٰ و صلاح عمل و احسان کی تکرار انسانی حالات و معاملات کی جانب ناظر ہے۔

آدمی کا معاملہ اپنے نفس سے ہے خدا سے ہے اور بندگان خدا سے بھی۔ اس آیه مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمات دنیا سے انتفاع میں ہر آدمی کو ان تینوں حالات و معاملات کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اس بات کو مندرجہ ذیل آیتوں میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے:

(پہلی آیت) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ . وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ (منافقون: ۱۰ و ۹)**

”اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو یاد خدا سے غافل نہ کر دیں اور

جو لوگ ایسا کریں گے وہی گھائے میں رہیں گے اور ہم نے جو کچھ عطا کیا ہے اس میں سے (دوسرے حاجتمند لوگوں پر) خرچ کرو۔ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور اور وہ یہ کہنے لگے کہ پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تا کہ میں خیرات کرتا اور اچھے کام کرنے والوں میں داخل ہو جاتا۔“

(دوسری آیت): رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ

الصَّلَاةُ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (نور: ٣٤).

”ایسے لوگ جن کو یاد خدا کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے۔ سہ تہ تہ اہل

روک سکتی ہے اور نہ کاروبار خرید و فروخت، وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں (خوف سے) دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔“

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ”حلال طریقوں سے معاش کا طالب

عمل آخرت سے نہیں روکتی۔

ایک دوسرے کا مالِ ناحق نہ کھایا کرو

(۱۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمۡ بَيْنَكُمۡ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً

عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا . (سورة نساء: ۲۹)

”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، لیکن آپس کی رضا مندی

سے تجارتی کاروبار ہونا چاہیے تم خود اپنی جان نہ دو، بے شک خدا تمہارے حال پر مہربان ہے۔“

جبکہ خداوند عالم نے دنیوی معیشت کے لئے بنیادی اصول یہ قرار دیا کہ زمین میں

جو کچھ ہے وہ انسان ہی کے لئے ہے، اور پیداوار زمین سب کے لئے عام اور مباح الاصل ہے

ہر فرد کو اس سے نفع حاصل کرنے کا یکساں حق حاصل ہے تو فطرت انسانی کے حیوانی حصے کا یہ

تقاضا ہونے لگا کہ زمین کے منافع کو جس قدر اور جس طرح ہو سکے اپنے لئے سمیٹ لیا جائے، اور اس صورت میں مخلوقات کے درمیان مزاحمت و مناقشت ناگزیر تھی۔ لہذا ضرورت ہوئی کہ اکتساب و انتفاع کے طریقوں کو اخلاقی بنیادوں پر محدود کیا جائے اور اس آیت کا مفاد یہی ہے کہ تحصیل معاش کے جائز طریقے بتائے جائیں اور ناجائز طریقوں کو بند کر دیا جائے۔

لاتاکلوا أموالکم بینکم بالباطل:۔ ارشاد خداوندی ہے ”لاتاکلوا

أموالکم بینکم بالباطل“ اسلامی نظام معیشت کا نہایت جامع اور وسیع بنیادی اصول ہے۔ انسان کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسب معاش و تحصیل مال میں اس کی جدوجہد کا جائز طریقہ یہ ہے کہ دنیا کی اس پیداوار میں جو تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ ملکیت ہے کسی کی مملوک خاص نہیں۔ خود غرضی اور زبردستی کا دخل نہ ہونے پائے طرق اکتساب معیشت باہمی معاملات و معاوضہ کی شکل اختیار کریں جن کی بنیاد آپس کی رضا مندی اور اشتراک عمل پر ہو۔ تصرفات کی اور اس آیت کے جذبہ تعاون و تراض پر قائم کی جائے۔ معاملات کے لئے ایسا صحیح طریق کار اختیار کیا جائے جس سے ایک فرد کا نفع دوسرے کی حق تلفی اور مضرت کا باعث نہ ہو جائے۔ ایک شخص کی خیر دوسرے کے لئے شر نہ بن جائے لہذا جو چیز ناحق لی گئی ہو صحیح طریق کار سے حاصل نہ کی گئی ہو، بلکہ سود و رشوت قمار، غصب خیانت چوری اور ایسے ہی باطل و ناپاک طریقوں سے حاصل کی گئی ہو اس سے انتفاع حرام ہے۔

”اکل بالباطل“ کے کلیہ میں وہ تمام طریقے داخل ہیں جن کی اجازت شریعت

سے حاصل نہیں ہے اور نظام عالم انسانیت کے لئے باعث فساد و ضرر ہیں۔

”اکل بالباطل“ کو ممنوع قرار دیتے ہوئے یہ فرمانا کہ ”لا تقتلوا أنفسکم ان

اللہ کان بکم رحیماً“ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل یعنی ناجائز اور

غیر اخلاقی طریقوں سے کھانا خود اپنے نفس کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کا انجام انسانیت و عالم انسانیت کی تباہی و خرابی ہے چونکہ خدا رحیم ہے اس کو تمہاری تباہی و ہلاکت گوارہ نہیں، اس لئے تمہیں ان طریقوں سے روکتا ہے۔

معاشی جدوجہد میں جو اہتمام منظور نظر شریعت اسلام ہے وہ ان احکام و ہدایات سے ظاہر ہے جن کی کثرت حصر و شمار سے کم از کم اس مختصر مضمون میں مانع ہے۔ نفع عالم کے خیال سے صرف چند احکام و ہدایات کو یہاں پیش کرتا۔

معاشی جدوجہد کی اہمیت اسلام کی نظر میں طلب معاش فریضہ ہے اور بہترین عبادت

(۱) ”انہ ہو اغنیٰ و اقنی“ (النجم: ۴۸) جناب امیر المومنین سیہ ”ؑ“ نے اس قول الہی کی تفسیر میں فرمایا: اغنی کل انسان بمعیشة و ارضاه بکسب یدہ۔ ہر انسان کو اس کی معیشت کا سامان عطا کر کے غنی کیا اور اس کے ہاتھوں کی محنت اور کمائی کے ذریعہ سے اس کو رضا مند فرمایا۔“ (مستدرک الوسائل: ج ۱۱ ص ۲۳)

(۲) قال صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم: طلب الحلال فریضة بعد الفریضة (بخاری) ”طلب حلال فریضہ ہے بعد فرائض (نماز روزہ وغیرہ) کے۔“
(بخار الانوار: ج ۱۰۰، ص ۱۸)

(۳) قال رسول اللہ: العبادۃ سبعون جزء افضلها طلب الحلال
”عبادت کے ستر (۷۰) جز ہیں ان میں سب سے افضل طلب حلال ہے۔“

(تہذیب الاحکام: ج ۱۶، ص ۳۲۵)

عیال کے لئے روزی کمانے میں محنت کرنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کا ہمسر ہے

(۴) قال رسول اللہ الکاد علی عیالہ کالمجاهد فی سبیل اللہ.

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عیال کے لئے مشقت سے روزی کمانے والا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے۔“ (الکافی: ج ۵، ص ۸۹)

(۵) اصلاح المال من الايمان و قال عليك بصلاح المال فان فيه

منهة للكریم و استغناء عن اللئیم، اصلاح مال خاصہ ایمان ہے تم کو لازم ہے کہ تم مالی حالت درست رکھو کیونکہ یہ بات صاحب کرم کے لئے باعث رفعت قدر ہے اور لئیم (ذلیل و دنی الطبع) انسانوں سے بے نیاز کرتی ہے۔“ (الکافی: ج ۵، ص ۸۹)

(۶) علی العاقل ان يكون طالبا لثلاث حرمة لمعاش او تزود لمعاد

او تلذذ فی غیر محرم، صاحب عقل کا فرض ہے کہ تین باتوں کا خواستگار ہو (۱) اپنی معاش لی درستی (۲) توشہ آخرت مہیا کرنا (۳) اور جائز و حلال لذتوں سے محفوظ ہونا۔“ (وسائل الشیعة ج ۱۱ ص ۳۴۱)

مدد و سرمایہ داری، حلال طریقے سے اغراض صحیحہ کے لئے مال جمع کرنا چاہیے

(۷) لا خیر فیمن لا یحب جمع المال من حلال یکف به وجهه و

یقضی به دینہ و یصل به رحمہ۔ (وسائل الشیعة ج ۱۲ ص ۱۹)

اس شخص کے اندر کوئی بھلائی نہیں جو بطریقہ حلال مال جمع نہیں کرتا تا کہ اپنی آبرو

محفوظ رکھے اور قرض ادا کرے۔“

صلہ رحمی اور سخاوت کا دگنا اجر

(۸) الغنیٰ اذا كان وصولاً رحمه بار باخوانه اضعف الله له الاجر

ضعفين لان الله يقول وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقر بکم عندنا زلفی الا من امن و عمل صالحا فاولئک لهم جزاء الضعف بما عملوا و هم فی الغرفات امنون ((وسائل الشیعه ج ۴ ص ۴۷۷))

”سرمایہ دار جبکہ صلہ رحمی کرنے والا ہو اور بھائیوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرتا ہو تو خدا

اس کے اجر کو دگنا کر دے گا اور اس کا ثبوت خدا کا یہ فرمان ہے ”وما اموالکم ولا اولادکم الخ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو خدا کا مقرب نہیں بنا سکتے مگر (مقرب خدا وہ ہے) جس نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے۔ ایسے لوگوں کو خدا کی طرف سے دوہری جزا ان کی کار گذاریوں کی ملے گی اور وہ لوگ (بہشت کے) جھروکوں میں امن و چین سے رہیں گے۔“

طلب دنیا کے اعلیٰ مقاصد دوسروں سے بے نیاز ہونا اور ہمسایہ پر مہربانی کرنا

(۹) من طلب الدنيا استغناء عن الناس و تعطفوا علی الجار لقی الله

وجہہ کالقمر (الکافی: ج ۵، ص ۷۹)

”جو شخص اس غرض سے دنیا حاصل کرتا ہے کہ دوسروں سے بے نیاز رہے اور ہمسایہ پر مہربانی کر کے وہ خدا کے سامنے بروز قیامت حاضر ہوگا، درآنحالیکہ اس کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہوگا۔“

اپنے دست و بازو کی محنت سے کما کر کھانے والا، ثواب انبیاء حاصل کرے گا۔ خدا اس پر نظر رحمت کرے گا اور کبھی اس پر عذاب نہ ہوگا

(۱۰) من اکل من کدیده کان یوم القيامة فی عداد الانبياء و

یاخذ ثواب الانبياء (جامع الاخبار)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمایا ہو مال کھائے گا قیامت میں وہ پیغمبروں کے درجہ میں ہوگا۔ اور پیغمبروں کا ثواب پائے گا۔“

(۱۱) من اکل کدیده نظر اللہ الیہ بالرحمة ثم لا یعذبه ابداً

”جو آدمی اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر روزی کھائے گا۔ خدا اس کی طرف نظر رحمت

کرے گا اور اس پر عذاب کبھی نہ ہوگا۔“ (مستدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۲۴)

مرد کا سب خدا کا محبوب ہے

(۱۲) الکاس حبیب اللہ ”مرد کا سب خدا کا محبوب ہے۔ (الکافی: ج ۵، ص ۷۹)

نیز آنحضرتؐ نے فرمایا: (۱۳) انی احب ان یناذی الرجل بحر الشمس

فی طلب المعیشہ .

”بھے یہ پسند ہے کہ لوگ طلب معیشت کے لئے دھوپ کی اذیت برداشت کریں“
”دنیا کے کام اس طرح کرو کہ گویا تمہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے

اور

کار آخرت اس طرح کرو کہ گویا کل ہی مرنا ہے“

(۱۴) اعمل لدنیاک کانک تعیش ابداً و اعمل لآخرتک

کانک تموت غداً (النالی الاخبار، ص ۳۳)

”دنیا کا کام اس طرح کرو گویا تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت اس طرح کرو گویا کل ہی تم کو مرنا ہے۔“

دوسروں پر اپنا بار معیشت نہ ڈالو،
جو شخص اپنا بار دوسروں پر ڈالتا ہے وہ ملعون ہے

(۱۵) قال رسول الله ﷺ ملعون ملعون من القى كله على الناس

ملعون ملعون من ضيع من يعول“ (الکافی ج: ۴ ص: ۷۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی ملعون ہے، ملعون ہے جو دوسروں پر اپنا بار ڈالتا ہے

ملعون ہے، ملعون ہے وہ جو اپنے ذریعہ دستوں کو مشکلات میں ڈالے۔“

سب سے بڑا اجر اس آدمی کا ہے جو اپنے
اہل و عیال کیلئے دوڑ دھوپ کرتا ہے

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱۶) من اعظم الناس اجراً من سعى في حاجة احب من ضيع اهله و

قطعه حرمه الله من الجزاء يوم يجزى المحسنين. (وسائل الشیعه ج ۱۶ ص ۳۴۴)

حضور ﷺ نے فرمایا ”سب سے بڑا اجر اس آدمی کا ہے جو اپنے اہل و عیال کے

لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے اور جو آدمی اپنے اہل و عیال کی خبر نہیں لیتا اور قرابتداروں کے حقوق ادا

نہیں کرتا خدا اس کو روز قیامت اچھی جزا سے محروم کر دے گا۔“

جو شخص عیال کو ضایع کر دیتا ہے،

ان کی خدمت نہیں کرتا وہ ملعون ہے

نیز آپ کا ارشاد ہے: (۱۷) ملعون ملعون من یضیع من یعول.

”وہ شخص ملعون ہے ملعون ہے جو عیال کو باحال خراب چھوڑ دیتا ہے

“ (الکافی ج: ۴ ص: ۷۷)

روزی کمانے میں کاہلی کی مذمت

لا تکسل عن معیشتک فتکون کلا علی غیرک (لئالی الاخبار)

”روزی کمانے میں کسل و کاہلی نہ اختیار کرو کہ اس طرح دوسروں پر بار بن جاؤ گے۔

“ (الکافی ج: ۵ ص: ۸۷)

بے صبری اور کاہلی سے بچو

(۱۹) نہ حدیث میں ہے ”ایاک و خصلتین الضجر و الکسل فانک ان

منجرت لم لعبر علی حق و ان کسلت لم تو دحقا (الکافی ج: ۵ ص: ۸۶)

”تم دو خصلتوں سے بچتے رہو (ضجر) (تنگدلی و بے صبری) (کسل و سستی و کاہلی) کیونکہ اگر تم بے صبر

و تنگدل ہو جاؤ گے تو (اپنے) کسی حق پر صبر نہ کر سکو گے اگر کاہل بنو گے تو کوئی حق ادا نہ کرو گے“

ارشاد نبویؐ: جو آدمی منہ کھولے خدا سے

روزی کے لئے دعائیں مانگتا ہے اور طلب رزق

نہیں کرتا اس کو میں دشمن رکھتا ہوں!

(۲۰) قال النبیؐ انی لا بغض الرجل فاغرافاه الی ربہ یقول ارزقنی و

یترک الطلب۔“ (وسائل الشیعہ ج ۱۷ ص ۱۲۹)

”آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھے اس آدمی سے دشمنی ہے جو منہ کھولے پروردگار سے کہتا

ہے کہ مجھے رزق عطا کر اور خود روزی نہیں کماتا“

جس آدمی کو روزی کمانے میں شرم نہیں آتی اس کا بار ہلکا، دل مسرور اور
عیال خوشحال رہتے ہیں

(۲۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: من لم یستحی من طلب

المعاش خفت مونتہ ، ورخا بالہ ، ونعم عیالہ (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۱۱)

”جو شخص طلب معاش میں شرم نہیں کرتا اس کا بار ہلکا، دل مسرور اور عیال خوش حال

رہتے ہیں۔“

جو شخص گھر میں بیٹھا رزق کی دعائیں مانگتا ہے

اور طلب رزق کے لئے نہیں نکلتا

اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی

(۲۲) ان اصنافا من امتی لا یتستجاب لہم دعاء ہم

”میری امت میں چند قسم کے لوگوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی۔“

ان اصناف کے بارے میں فرمایا: ورجل یقع فی بیتہ ویقول یا رب

ارزقنی ولا یخرج ولا یطلب الرزق فیقول اللہ عز و جل عبدی الم اجعل

لک السبیل الی الطلب و التصرف فی الارض بجوارح صحیحہ .

”وہ شخص جو گھر میں بیٹھا کہتا ہے پروردگار مجھے رزق دے اور نہ گھر سے باہر نکلتا ہے اور نہ روزی

کماتا ہے، خدا اس سے فرماتا ہے کہ کیا میں نے تیرے لئے روزی کمانے اور زمین میں تندرست

اعضاء سے کام کاج کرنے کی سبیل نہیں قرار دی ہے۔ (الکافی: ج ۵، ص ۶۸)
 دنیا چھوڑ دینے والوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی،
 اصحاب رسولؐ کا
 ایک نصیحت خیز واقعہ

(۲۳) علی بن عبد العزیز راوی ہیں کہ مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ”عمر بن مسلم“ کا حال پوچھا تو میں نے عرض کی کہ انھوں نے تجارت کا پیشہ چھوڑ دیا ہے اور عبادتوں میں لگ گئے ہیں تو حضرت نے فرمایا:

ويحہ اما علم ان تارك الطلب لا يستجاب له دعوات ان قوماً من
 اصحاب الرسول لما نزلت و من يتق الله يجعل له مخرجاً ويرزقه من حيث
 لا يحتسب اغلقوا الابواب و اقبلوا الى العبادۃ و قالوا قد كفينا فبلغ ذالك
 انبياء فارسل اليهم فقال ما حملكم على ما صنعتم فقالوا يا رسول الله تكفل
 الله لنا بارزاقنا فاقبلنا على العبادۃ فقال انه من فعل ذالك لم يستجب له
 عليكم بالطلب.

”اس کے حال پر افسوس ہے کیا اس کو نہیں معلوم کہ ترک دنیا کرنے والوں کی دعائیں مقبول نہیں ہوتیں، اصحاب نبی میں سے کچھ لوگوں نے آیہ مبارکہ ”من يتق الله“ آیہ کے نزول کے بعد اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے کہ خدا نے ہمارے رزق کا ذمہ لے لیا ہے جب یہ حال جناب رسولؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان لوگوں کو بلا بھیجا اور فرمایا تمہارے اس طرز عمل کا باعث کیا ہوا ہے؟ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! خدا تو ہمارے لئے روزی کا کفیل و ذمہ دار ہو چکا ہے، اس لئے ہم صرف عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں،

حضرتؑ نے فرمایا: جو شخص ایسا کرے گا اس کی دعا قبول نہیں ہوگی، تم پر روزی کی تلاش لازم ہے۔
(الکافی: ج ۵، ص ۸۴)

ارشاد نبویؐ، سوال کرنا بھیک مانگنا بہت برا کام ہے

(۲۴) قال مسألة الناس من الفواحش والفاحشة تباح عندا لضرورة

و من سئل عن غنى فانما يستكثر من حميم جهنم و من سئل و له ما يغنيه جاء

يوم القيامة و وجهه عظم يتقعقع ليس عليه لحم . (وسائل الشیعة ج ۱۶ ص ۱۱)

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”لوگوں سے سوال کرنا بدکاریوں میں داخل ہے اور برے کام

کی اجازت فقط ضرورت ہی کے وقت ہو سکتی ہے، بے ضرورت سوال کرنے والا جہنم کے گرم

پانی کو اپنے لئے کثیر مقدار میں جمع کرتا ہے اور جو شخص سوال کرے گا درحالیکہ اس کے پاس بقدر

ضرورت سامان رزق موجود ہے تو بروز قیامت اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر فقط

ہڈیاں ہوں گی گوشت نہ ہوگا۔“ (الحجۃ البیضاء ج: ۷ ص: ۳۷۷)

جو مسلمان لوگوں سے سوال کرے گا خدا اس کے آنکھوں کے درمیان یہ

لکھ دے گا کہ

یہ شخص تا قیامت فقیر رہے گا

(۲۵) نیز یہ ارشاد نبویؐ ہے: من هداہ اللہ للاسلام و علمہ القرآن ثم سال

الناس كتب بین عینیہ فقیر الی یوم القيامة .

”جسے خدا نے اسلام کی راہنمائی کی اور علم قرآن عطا کیا پھر اس نے لوگوں کے

سامنے دست سوال پھیلایا تو خدا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھ دیتا ہے کہ یہ شخص

قیامت تک فقیر رہے گا۔“ (مجموعۃ الورام ج: ۱ ص: ۷۰)

ایک درسوال کا کھولنا فقیری کے ستر (۷۰) دروازوں کے کھلنے کا باعث ہوتا ہے

(۲۶) نیز حضرت نے فرمایا: من فتح علی نفسه باب مسئلة فتح الله

عليه سبعين باباً من الفقر لا يسد ادناها شئ (وسائل الشیعة ج ۱۶ ص ۱۱)

”جو شخص اپنے اوپر ایک دروازہ سوال کا کھولے گا تو خدا اس پر ستر دروازے فقیری

کے کھول دے گا جن میں سے ادنی دروازے کو بھی کوئی چیز بند نہ کر سکے گی۔“

لکڑیاں چن کر بیچنا اور اس سے اپنا رزق حاصل کرنا سوال کرنے سے بہتر ہے

(۲۷) ان الارزاق دونها حجب فمن شاء هتك الحجاب و اخذ

رزقه و الذی نفسی بیده لان یاخذ احدکم حبلاً ثم یدخل عرض هذا الوادی

فی لب ثم یدخل السوق فیبیعه بمد من تمر فاخذ ثلثه و یتصدق بثلثیه خیر

له من ان یسئل الناس اعطوه او حرموه۔ (الکافی: ج ۴ ص ۲۱)

”روزیوں کے اوپر حجاب پڑے ہوئے ہیں جس کا جی چاہے اپنی شرم و حیا پر قائم

رہے اور جس کا جی چاہے حجاب غیرت کو چاک کر دے اور اپنا رزق حاصل کرے تم میں سے کوئی

شخص اس وادی میں جا کر لکڑیاں جمع کرے اور بازار جا کر ایک مد خرما پر فروخت کر کے ایک

تہائی خود کھائے اور دو تہائی محتاجوں پر تصدق کر دے تو یہ بات اس کے لئے اس سے بہتر ہوگی

کہ لوگوں سے سوال کرتا رہے خواہ اس کو دے یا محروم کر دے۔“

ہمارا پیرو وہ آدمی ہے جو بھوکا مر جائے

مگر بھیک نہ مانگے

(۲۸) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: شیعتنا من لا یسئل الناس ولو

مات جوعاً. (وسائل الشیعة ج ۹ ص ۴۴۴)

”ہمارا شیعیہ وہ ہے جو بھوکا مر جائے مگر لوگوں سے سوال نہ کرے۔“

ایک جماعت انصار کا بہترین طرز عمل۔

اتباع امر بنی کا اعلیٰ نمونہ

(۲۹) ایک روایت میں ہے:۔ انہ جاء ت فخذ من الانصار قالوا یا

رسول اللہ ﷺ فرد علیہم السلام فقالوا لنا الیک حاجة فقال: (ہاتوا

حاجتکم) فقالوا انها حاجة عظيمة فقال: ہاتوها ما ہی (قالوا: تضمن لنا

على ربك الجنة فنكس راسه ثم رفع راسه فقال: (افعل ذلك على الا

تسالوا احدا شیئا) فكان الرجل منهم یكون فی السفر فسقط السوطه فیکره

ان یقول الانسان ناولنیه فراراً عن المسئلة، وینزل فیاخذہ و یكون على

المائدة و یكون بعض الجلساء اقرب الى الماء منه فلا یقول ناولنی حتی

فیقوم و یشرب. (الوسائل: کتاب الزکاة ابواب الصدقة: باب ۳۳ الحدیث ۴)

”انصار میں سے کچھ لوگ خدمت رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول ا

لہم ایک بڑی حاجت لے کر آئے ہیں وہ یہ کہ آپ ہمارے لئے بہشت کی ذمہ داری لے

لیجئے۔ حضرت نے کچھ دیر تک سر جھکائے رکھا۔ پھر مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ میں اس شرط پر

تمہارے لئے بہشت کا ضامن ہوتا ہوں کہ تم کسی سے سوال نہ کرو گے۔ ان لوگوں نے یہ شرط

قبول کر لی۔ نوبت یہ پہنچی کہ اگر سفر میں ان کے کسی سوار کے ہاتھ سے کوڑا گر پڑتا تھا تو وہ خود اتر کر اٹھاتا تھا۔ اپنے کسی ساتھی پیدل چلنے والے سے یہ نہیں کہتا تھا کہ میرا تازیا نہ اٹھا دو، اور کسی دسترخوان پر کھانے کے لئے بیٹھتے تھے تو جس سے طرف آب دور ہوتا تھا وہ خود اٹھ کر جاتا اور پانی پیتا تھا، کسی قریب کے آدمی سے نہیں مانگتا تھا۔“

بھیک مانگنے والے کی گواہی لائق قبول نہیں

(۳۰) نیز جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: شہادۃ الذی یسئال فی کفہ یرد :

جو آدمی بھیک مانگتا ہے اس کی گواہی قبول نہ کی جائی گی۔ (لئالی الاخبار: ص ۱۴۶)

سبحان اللہ: کیسی اعلیٰ اخلاقی و معاشی تعلیم تھی، اور کیسے عالی ہمت اس کے ماننے والے تھے اگر آج تعلیم اسلامی پر عمل کرنے کا یہی مبارک جذبہ پیروان اسلام کے بنائے ہوئے طریقوں پر بلند ہمتی کے ساتھ گامزن ہوتے تو دنیا اسلامی اصول کی برتری تسلیم کئے بغیر نہ رہتی، جبکہ خود مسلمان ہی اسلامی تعلیمات سے ناواقف و بے بہرہ ہیں تو اغیار کا ناواقف رہ جانا کس طرح قابل تعجب ہو سکتا ہے۔؟

دکانداری و تجارت کی ہدایت

ارشاد نبوی ہے: الرزق عشرة اجزاء تسعة منها فی التجارة ”روزی کے

دس حصے ہیں، نو حصے تجارت میں ہیں۔“ (وسائل الشیعہ ج ۹ ص ۱۲)

ابوعمار راوی ہیں: قلت لابی عبد اللہؑ انه قد ذهب مالی و تفرق ما فی

یدی و عیالی کثیر فقال ابو عبد اللہ اذا قدمت الکوفة فافتح باب حالونک

و ابسط بساطک و ضع میزانک و تعرض لرزق ربک ففعل ذالک فاثری

و صار معروفاً. (وسائل الشیعہ ج ۱۷ ص ۵۶)

”میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کی کہ میرا سب مال و متاع جاتا رہا اور عیال

میرے بہت ہیں کیا کروں؟ حضرتؑ نے فرمایا: جب کوفہ میں تیرا جانا ہو تو اپنی دوکان کے در کھول دینا، بساط بچھا کر بیٹھ جانا، ترازو رکھ دینا اور اس طرح خدا کا رزق طلب کرنا اس نے ایسا ہی کیا اور مشہور صاحب ثروت ہو گیا۔“

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا:۔ ای شئی تعالج ای شئی تصنع قلت ما انا فی شئی قال فخذ بیتا کنش قناہ و رشہ و ابسط فیہ بساطاً فاذا فعلت ذلک فقد قضیت ما علیک (لئالی الاخبار، ص ۱۵۳)

”تمہارا روزگار کیا ہے کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کی کچھ بھی نہیں۔ تو فرمایا ایک دوکان لے لو، اس کے صحن کو جھاڑو، پانی چھڑکو اور فرش بچھا کر بیٹھ جاؤ، جب تم نے اتنا کر لیا تو اپنا حق اور فریضہ ادا کر چکے۔“ (الکافی: ج: ۵، ص ۸۰)

تجارتی کاروبار اپنا پیشہ بناؤ

(۴) تعرضوا للتجارة فان فیها غنی لکم عما فی ایدی الناس
حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: تجارت کا پیشہ اختیار کرو لوگوں سے بے نیازی کا راز اسی میں ہے۔ (بحار، ص ۸۵) (الکافی: ج: ۵، ص ۱۵۰)

تجارت و دستکاری

(۵) سئل النبیؐ ای کسب الرجل اطیب قال عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرور (لئالی الاخبار، ص ۳۳۱)“

جناب رسولؐ سے کسی نے پوچھا کون سا پیشہ اور کمانے کا طریقہ اچھا ہے؟ فرمایا اپنے ہاتھ سے کام کرنا یعنی دستکاری اور عمدہ و سچی تجارت۔ (مستدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۲۵)

صنعت و حرفت کی ترغیب

جناب رسولؐ نے فرمایا: (۶) ان الله يحب المتحرف (النالی الاخبار، ص ۳۳۱)
صاحب حرفت و درستکاری کو خدا دوست رکھتا ہے۔

جب مومن صاحب حرفت نہیں ہوتا
تو دین فروشی کرتا ہے اور
دین ہی کو ذریعہ معاش بناتا ہے

(۷) کان رسول الله صلعم اذا نظر الى الرجل فاعجبه قال هل له
حرفة فان قالوا لا قال سقط من عيني قيل و كيف ذالك يا رسول الله قال
لان المومن اذا لم يكن له حرفة يعيش بدينه (متدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۱۱)
جب آنحضرت کسی کو دیکھتے اور وہ آپ کو بھلا آدمی معلوم ہوتا تو پوچھتے تھے کہ یہ کوئی
صنعت و حرفت کرتا ہے؟ اگر لوگ یہ کہتے کہ نہیں تو آپ فرماتے تھے کہ یہ شخص میری نگاہ سے
گیا، کسی نے عرض کی اے رسول خدا! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا: اس لئے کہ جب مومن
صاحب حرفت اور پیشہ ور نہیں ہوتا تو وہ اپنے دین ہی کو ذریعہ معاش بناتا ہے۔“

زراعت پرورش حیوانات و باغبانی

(۸) وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (سورہ توبہ: ۵۱)

”ایمانداروں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

حدیث میں ہے کہ ”مؤمنون“ سے مراد کاشتکار و مزارعین ہیں جناب سرور کائنات
ؐ سے کسی نے پوچھا کہ کونسا مال بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: زرع زرعه صاحبہ و اصلحه و
ادی حقہ یوم حصاده وہ کھیتی جس کو کاشتکار بوتا ہے اس کو درست کرتا ہے اور کاٹنے کے

دن اس کا حق ادا کر دیتا ہے۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۹ ص ۳۶)

پھر اس نے پوچھا زراعت کے بعد کونسا مال بہتر ہے؟ تو فرمایا: رجل فی غنمہ قد

تبع بہا مواقع القطر یقیم الصلوٰۃ و یوتی الزکوٰۃ۔ ”وہ آدمی جو بھیڑیں پالتا

اور بارش کے مقامات سبزہ زاروں میں ان کو لئے پھرتا ہے نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے

، پھر اس نے پوچھا بھیڑوں کے بعد کونسا مال بہتر ہے؟ تو فرمایا: البقر تغدو بخیر و تروح

بخیر، گایوں کے گلے جن کو تو صبح کو چرانے نکلتا ہے اور شام کو واپس آتا ہے، پھر سوال ہوا کہ

گائے کے بعد کونسا مال بہتر ہے؟ تو فرمایا: المطاعم فی المحل نعم الشئ النخل

زمانہ قحط میں غذا دینے والے کھجور کے درخت نہایت خوب ہیں۔

(تفسیر نور الثقلین: ج ۳: ص ۳۹)

کاشتکاری و باغبانی

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ

زراعت مکروہ ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: ازرعوا واغرسوا واللہ ما عمل الناس عملاً

اطیب من ذالک (متدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۴۶۲)

”کھیتی کرو باغ لگاؤ بخدا کوئی کام اس سے زیادہ حلال و پاکیزہ نہیں ہے۔“

خدا کو سب سے زیادہ پسند پیشہ کاشتکاری ہے

ہارون راوی ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کاشتکاروں کے متعلق پوچھا

تو ارشاد ہوا: ہم الزارعون کنوز اللہ فی ارضہ وما فی الاعمال شی احب الی

اللہ من الزراعة ”کاشتکار خدا کے خزانوں کو زمین میں بوتے ہیں۔ خدا کے نزدیک سب

سے زیادہ پسندیدہ پیشہ زراعت ہے۔“ (وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۲۵)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کہ میرے پدر بزرگوار (امام زین العابدین علی بن الحسین علیہم السلام) کہا کرتے تھے کہ ”بہترین کام کاشتکاری و زراعت ہے کیونکہ اس سے مومن و بدکار سب ہی منتفع ہوتے ہیں اور حیوانات کو بھی نفع پہونچتا ہے۔“

باغبانی

جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا: من سقى طلحه او سدرۃ فکانما سقى مومنا من ظماء (متدرک المسائل: ج ۱ ص ۴۳)

”جو شخص درخت خرما یا بیر کے درخت کو پانی دیتا ہے گویا کہ وہ کسی پیا سے مومن کو پانی پلاتا ہے۔“

سیرت جناب امیرؑ کے متعلق ارشاد دلیلی میں مروی ہے، کان یغرس النخل و یبیعها و یشتوی بثمانها العبد و یعتقہم و یعطیہم مع ذالک ما یغنیہم عن الناس

جناب امیرؑ کھجور کے باغ لگاتے اور اسے فروخت کرتے تھے اور اس کی قیمت سے غلاموں کو خرید کر کے آزاد کر دیتے تھے اور ان کو اتنا مال بھی دیدیتے تھے جس سے وہ لوگوں کے محتاج نہ رہیں۔“

نیز حضرت کے متعلق مروی ہے، لقد اعتق الف مملوک من کدیمینہ تربت منہ یداہ و عرق فیہ جبینہ ، (بحار الانوار: ج: ۴۱) ”حضرت امیر المومنین نے ایک ہزار غلام اپنی ذاتی کمائی سے جس میں دست مبارک خاک آلود اور جبین مقدس عرق ریز ہوئی تھی خرید کر آزاد فرمائے۔“

سیرت نبویؐ و سیرت دیگر پیشوایان اسلام

(۱۲) رأیت ابا الحسن علیہ السلام یعمل فی ارض له قد استفعت قد ماہ فی العرق فقلت له جعلت فداک این الرجل فقال یا علی من عمل

باليد من هو خير مني في ارضه ومن ابى فقلت و من هو قال رسول الله و امير المؤمنين و ابائى كلهم كانوا قد عملوا بايديهم و هو من عمل النبين والمرسلين والاوصياء والصالحين (الكافي: ج ۵، ص ۷۶)

ابوحزمہ راوی ہیں ”میں نے ابوالحسن علی رضا علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی ایک زمین میں اپنے ہاتھوں سے کام کر رہے ہیں اور دونوں پاؤں غبار و پسینے سے آلود ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر عرض کی کہ میں آپ پر فدا کیا جاؤں آدمی کہاں ہیں؟ (جو آپؑ خود محنت و مشقت برداشت کر رہے ہیں) فرمایا: اے علی! اپنے ہاتھوں سے ان لوگوں نے کام کئے ہیں جو خدا کی زمین میں مجھ سے بہتر تھے۔ میں نے عرض کی وہ حضرات کون تھے؟ فرمایا: جناب سرالتمآب اور امیر المؤمنین اور میرے سب باپ دادا اپنے ہاتھوں ہی سے کام کیا کرتے تھے۔ اور انبیاء و مرسلین، اوصیاء و صالحین کا بھی طریق عمل یہی رہا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :

انى لا عمل فى بعض ضياعى حتى اعرق و ان لى من يكفينى ليعلم الله انى اطلب الرزق الحلال (الكافي: ج ۵، ص ۷۷)

میں اپنی زمینوں میں خود کام کرتا ہوں یہاں تک کہ پسینے میں ڈوب جاتا ہوں، حالانکہ میرے پاس خدمتگار موجود ہوتے ہیں جو میری مدد کر سکتے ہیں۔ میں ایسا اس غرض سے کرتا ہوں تا کہ خداوند عالم دیکھ لے کہ میں رزق حلال کا طالب ہوں۔“

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے:

كان امير المؤمنين يخرج فى الهاجرة فى الحاجة قد كفاها يريد ان يراه الله يتعب نفسه فى طلب الحلال، (من لا تكفره الفقيه: ج ۳، ص ۱۶۵)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام دوپہر کی شدید گرمی میں خود حاجات و ضرورت کے لئے نکل پڑے ہوتے تھے حالانکہ آپ کی مدد کرنے والے موجود تھے مگر آپ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ خداوند عالم یہ دیکھ لے کہ طلب حلال میں آپ اپنے نفس کو تعب میں ڈالتے تھے۔“

روایات مندرجہ بالا کے مضامین کا خلاصہ

ان روایات و اخبار سے مندرجہ ذیل نتائج

نگاہ عقل کے سامنے آتے ہیں:

(۱) اسلام کو گداگری سے نفرت ہے بے ضرورت سوال کرنا اور بھیک مانگنا اس کے

نزدیک ناجائز اور برا کام ہے۔

(۲) اسلام کو یہ گوارہ نہیں کہ کوئی تندرست و توانا آدمی اپنا بار معیشت دوسروں پر

ڈالے وہ اس کو قابل لعنت کام قرار دیتا ہے اور وہ کاہلی اور سستی کا سخت مخالف ہے۔

(۳) زیادہ سے زیادہ افراد کا سب پیدا کرنا، تجارت، زراعت، صنعت و حرفت کو

فروغ دینا، زمین کی آبادی اور کسب معاش کے جائز ذرائع و وسائل کو وسیع کرنا، اس کا عظیم

الشان سبب العین ہے، ذوق اسلامی راہبانہ و جوگیا نہ طریقوں سے حاصل کی ہوئی معاش کو

اکل بالباطل “یعنی حرام خوری قرار دیتا ہے، یا ایہا الذین امنوا ان کثیراً من الاحبا

ر و الرہبان لیاکلون اموال الناس بالباطل (سورہ توبہ: ۳۴) ”اے ایمان لانے والو!

یقیناً (یہود و نصاریٰ) کے بہت سے علماء اور راہب، لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں۔“

(۴) زراعت و تجارت و باغبانی اس کے نزدیک وسائل معاش کے اعلیٰ اقسام ہیں،

نوکری، مزدوری، مستاجری، کو وہ تجارت کے برابر اہمیت نہیں دیتا، اور اس کی وجہ بھی بتائی ہے۔

اجرت کے کاموں سے تجارت بہتر ہے اور اس کا سبب

عمار سباطی ناقل ہیں کہ میرے سوال کے جواب میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا:

لا یوجر نفسه و لكن یسترزق الله عز و جل و یتجر فانه اذا جر نفسه خطر علی نفسه الرزق، کوئی شخص اپنے نفس کا سودا نہ کرے بلکہ خدا سے رزق کا طالب ہو (یعنی اجرت پر کام کرنا، اپنا ذریعہ معاش نہ بنائے) اور تجارت کا پیشہ اختیار کرے کیونکہ اپنے عس کا معاملہ اجرت پر کرنے سے رزق کم ہو جاتا ہے۔ (من لا تحضره الفقیہ: ج ۳: ص ۱۷۳)

اصول، اجمالی فی الطلب، تحصیل رزق کے لئے سعی و محنت کے عمدہ طریقے اختیار کرو

جناب رسالت مآب نے فرمایا: ایہا الناس ان الرزق مقسوم من الله تعالیٰ و امراء ما قسم له فاجملوا فی الطلب

”لوگو! رزق خدا کی طرف سے تقسیم شدہ ہے جس کی قسمت میں جتنا رزق ہے وہ اسے ضرور ملے گا، لہذا طلب رزق میں اچھے طریقے اختیار کرو۔“ (مستدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۴۲)

اصول اجمال فی الطلب کا خلاصہ

فخفض فی الطلب و اجمل فی المکتسب فانه رب طلب قد جر

الی حرب (نہج البلاغہ امام حسن علیہ السلام کے نام خط نمبر ۳۱)

”جناب امیر المومنین کا ارشاد ہے ”طلب رزق میں نرم رفتار سے چلو کسب معاش میں اچھے

طریقے اختیار کرو کیونکہ اکثر معاشی دوڑ دھوپ کا انجام جھگڑا و فساد ہے۔

شیخ محمد عبدہ مصری شارح نہج البلاغہ نے مذکورہ جملوں کی شرح میں کہا ہے: ای سعی سعیا جمیلا لا یحرص فیمنع الحق ولا یطمع فیتناول ما لیس بحق ”یعنی آدمی سعی جمیل اختیار کرے نہ حرص بنے اور نہ کسی کا حق روکے اور نہ طمع کرے اور وہ چیزیں لے لے جو اس کا حق نہیں ہیں۔

طلب رزق و کسب معاش میں اچھے اور معتدل طریقے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے اس کی مصلحت بھی بتا دی ہے، یعنی حرص و ہوا کے ماتحت غیر جمیل سعی و طلب کا انجام یہ ہو گا کہ حقداروں کے حقوق تلف ہوں گے، آدمی دوسرے کے حق کو روکے گا، اور وہ مال و دولت بھی حاصل کرے گا جس کا اس کو حق نہیں ہے اور اس طرح آپس میں جنگ و پے کار چھڑ جائے گی۔ طلب الكل کا انجام فوت الكل ہو گا اور اس طریقہ پر تعمیر معاش میں صورت تخریب مضمر ہوگی، کیا آج ہمارے سامنے دنیا کی معاشی پیچیدگیاں اور فتنہ سامانیاں نہیں ہیں جو صرف اجمال فی الطلب کے اصول پر عمل نہ کرنے کا تلخ مزہ اور مہلک نتیجہ ہیں، کیا پر آشوب حالات عام یہ درس عبرت نہیں دیتے کہ بری طرح کمانے کا انجام سب کچھ کھودیتا ہے۔؟

طلب رزق کے معتدل حدود

لا تجاہد الطلب جہاد العدو ولا تتکل علی القدر اتکال المستسلم

فان انشاء الفضل من السنة و الاجمال فی الطلب من العفة۔

”طلب معاش میں اتنے جدوجہد نہ کرو جتنی دشمن سے مقابلہ میں کی جاتی ہے اور نہ تقدیر کے بھروسہ پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والے کا طریقہ اختیار کرو معاش میں زیادتی پیدا کرنا سنت ہے اور طلب معاش میں عمدہ طریقے اختیار کرنا شعار عفت ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: و لیکن طلبک المعیشتہ فوق کسب المضیع
دون طلب الحریص الراضی بالدنیا المطمئن الیہا ولكن انزل نفسک من
ذالک بمنزلة المنصف المتعفف (بخاری، ج ۲۳، ص ۱۲)۔

”طلب معاش میں تمہاری کوشش اس شخص سے بالاتر ہونی چاہیے جو بیکاری میں
رہ کر اپنی معاش کو ضائع کرتا ہے اور اس حریص سے کم جو دنیا ہی پر راضی اور مطمئن ہوتا ہے
بلکہ اپنے نفس کی منزل ان دونوں کے درمیان وہاں قرار دو جہاں انصاف پرور و پرہیزگاروں
کا مقام ہے۔“

حریفانہ مقابلہ و مفاخرت کے خیال سے
بطریق حلال تحصیل دولت و مال بھی
باعث غضب الہی ہے

طلب حلال میں بھی سرمایہ دارانہ حریفانہ مقابلہ اور مسابقت نہ ہو، مال و دولت میں
کثرت طلبی خالص دنیا داری کا رنگ اختیار کر لے اور اس کا انجام تکاثر و تفاخر ہو معاشی میدان
عمل میں کامیاب، اپنی کامیابی کو ناکاموں پر فخر کا ذریعہ بنائے، یہ اغراض اسلام کی نظر میں
فاسد اور قابل نفرت ہیں، اور کسب حلال بھی اگر ان اغراض کے ماتحت ہوگا تو باعث غضب خدا
وندی قرار پائے گا۔

اس حدیث میں یہی بات واضح کی گئی ہے۔ من طلب الدنیا حلالا مکاثرا
مفاخرًا لقی اللہ و هو علیہ غضبان و من یطلبہا استعفاً عن المسئلة و سیانہ
لنفسہ جاء یوم القیامة و وجہہ کالقمر لیلة البدر .

(متدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۵۳)

جو آدمی حلال طریقوں سے بھی دنیا کی طلب اس غرض سے کرے گا کہ کسب و دولت میں دوسروں سے بڑھ جائے اور اس بات پر فخر کرے تو خدا کے سامنے اس طرح آئیگا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا اور جس کا مقصد طلب دنیا سے یہ ہوگا کہ ذلت سوال سے اپنے نفس کو بچائے تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا یہ حدیث طلب اسباب معیشت کی جائز و ناجائز اغراض کو متعین کر دیتی ہے اور اس پر متنبہ کرتی ہے کہ سرمایہ دارانہ ذہنیت اور حریفانہ مقابلہ و کشمکش جذبہ تفاخر و تکاثر کسب حلال میں بھی ناقابل برداشت ہے، اسلام کی نظر میں وہ سعی معاش و طلب رزق ممدوح ہے جس کی نیت بخیر اور طریق کار اخلاقی نقطہ نظر سے درست ہو۔

پرہیزگاری و خوش کرداری کا افزائش رزق میں دخل ہے

اسلام کی نگاہ میں جس نیت و صلاح کا رو خوبی کردار کو انسان کی وجہ معیشت و رزق کی اصلاح میں بڑا دخل ہے، جس کے چند شواہد یہ ہیں: (۱) لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورہ سبا: ۴)

”تا کہ بن بویوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے خدا ان کو جزائے خیر عطا کرے یہ لوگ وہ ہیں جن کے واسطے گناہوں کی مغفرت اور باعزت روزی ہے

(۲) ... وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا . وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ... (سورہ طلاق: ۲ و ۳)

’جو شخص خدا سے ڈرے گا تو خدا اس کی نجات کا راستہ قرار دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہ ہو۔

تنگی معاش اور زوالِ نعمت کے اسباب

عن امیر المومنین ما زالت نعمة قوم ولا غصارة عيش الا بذنوب
اجترحوها ان الله ليس بظلام للعبيد۔

”حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی قوم کی نعمت اور سکھ اور چین کی زندگی پر زوال نہیں آیا، مگر اس کے افراد کے گناہوں ہی کی وجہ سے، خدا تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“ (متدرک المسائل: ج ۱۲ ص ۳۷۰)

افزائشِ رزق حسن نیت سے وابستہ ہے

من حسنت نيته زيد في رزقه ”جس کی نیت اچھی ہوگی اس کا رزق زیادہ ہوگا
“ (وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۵۳)

توکل بھی وسعتِ رزق کا ذریعہ ہے

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (طلاق: ۳)
جس نے خدا پر بھروسہ کیا تو وہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

ارشاد نبوی ہے: لو تو کلتم علی اللہ حق تو کله لرزقتم کما ترزق ا

لطیر تغدو خماصا و تروح بطاناً (متدرک المسائل: ج ۱۱ ص ۲۱۸)

”اگر خدا پر تم کو پورا بھروسہ ہو تو روزی تمہیں اس طرح ملنے لگے گی جس طرح

پرندوں کو ملتی ہے کہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔

جن دماغوں میں غبارِ مادیت بھرا ہوا ہے وہ تعجب سے یہ سوچنے لگیں گے کہ دنیوی

معیشت کے اسباب میں اخلاق و روحانیت کی تاثیر و مداخلت کیسی؟ مگر یہ ایک حقیقتِ ثانیہ

ہے جس کا تجربہ ہر انسان کر سکتا ہے، بلکہ ہمارے روزمرہ کے مشاہدات اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

حکم طلب معیشت اور حکم توکل میں ضدیت نہیں

ممکن ہے کہ اس مقام پر کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ توکل اور طلب معیشت دونوں باتیں باہم ضدیت رکھتی ہیں۔ خدا پر بھروسہ اور تلاش رزق میں دوڑ دھوپ دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، اس لئے ضروری ہے کہ ”توکل“ کے صحیح مفہوم اور حقیقت کی بابت پیشوائے اسلام کی تعلیمات پر نظر کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان حضرات نے جو توضیح، توکل کے دئے ہیں اس کے معنی کیا ہیں۔

تذہیر کے بعد تقدیر پر بھروسہ سعی عمل کے بعد توکل

مروی ہے: (۱) ان اعرابیا دخل مسجد النبیؐ فقال اعقلت ناقتک قال لا قد توکلت فقال اعقلها و توکل (لنالی الاخبار، ص ۱۵۶) (مشکاۃ الانوار: ص: ۳۲۰)

”ایک اعرابی مسجد نبیؐ میں آیا تو آنحضرتؐ نے اس سے پوچھا کہ تو نے اپنی اونٹنی کے پاؤں کو باندھ دیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ میں نے خدا پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کے پاؤں رسی سے باندھ دے اور خدا پر توکل کر۔“

اس ارشاد نبویؐ کی بنا پر جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: التوکل ان تعقل بعیرک ثم تقول توکلت علی اللہ۔ حقیقت توکل یہ ہے کہ تم اپنے اونٹ کے پاؤں کو

باندھ دو پھر کہو ”تو کلت علی اللہ“ مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔

حقیقت توکل کے متعلق ارشاد نبویؐ

العلم بان المخلوق لا يضر ولا ينفع ولا يعطي ولا يمنع واستعمال
الياس من الخلق فاذا كان العبد كذا لم يعتمد الى احد سوى الله ولم يرجع
لم يخف سوى الله و لم يطمع في احد سوى الله فهذا هو التوكل (النالی، ص ۱۵۶)
”توکل“ یہ جان لینا ہے کہ کوئی فرد مخلوق نہ ضرر پہنچا سکتی ہے اور نہ نفع دے سکتی ہے
عطا کرنا اور روکنا کچھ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں اور خلق کی جانب سے امید قطع کر لینا، جب بندہ
ایسا کرے گا تو اس کو خدا کے سوئی اور کسی پر بھروسہ نہ ہوگا اور نہ اس کی رجوع کسی کی طرف، ہولی،
سوا خدا کے نہ کسی کا خوف اس کے دل میں ہوگا، اور نہ اس کی طمع سوا خدا کے کسی سے وابستہ ہوگی
قول خداوندی ”وما یومن اکثرهم الا وهم مشرکون“ کی تفسیر میں جناب
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: هو قول الرجل لو لا فلان لهلکت و لو لا فلان
ما اصبحت کذا کذا و لو لا فلان مضاع عیالی الا تری انه قد جعل لله شریکا
فی ملکہ یرزقه و یدفع عنه قال راوی فیقول ما ذا یقول لو لا ان من الله علی
بفلان لهلکت قال نعم لا باس بهذا او نحوه (النالی الاخبار، ص ۱۵۶)

”شُرک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ کہ اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا اور
اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو میں اپنے مطالب و مقاصد نہ پاسکتا، اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میرے عیال
ضایع ہو جاتے، جو شخص یہ باتیں کہتا ہے وہ خدا کا شریک اس کے ملک میں قرار دیتا ہے جو اس کو
رزق دیتا ہے اور اس سے مصیبتوں کو دفع کرتا ہے راوی نے کہا پھر کیا اسے اس طرح کہنا چاہیے
کہ اگر خدا نے فلاں آدمی کے ذریعہ سے مجھ پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا آپ

نے فرمایا: ہاں، اس طرح کی باتوں میں مضائقہ نہیں،

امام کا مقصد یہ ہے کہ اگر بنظر تحقیق غیر خدا پر اعتماد کی تحقیق و تشریح کی جائے تو ظاہر ہوگا کہ خدا پر یقین نہ ہونا یعنی کفر باطنی ہی اس کا منشاء ہوا کرتا ہے اگر خدا پر یقین و اعتماد کا اس کی ذہنی و باطنی دنیا میں پورا دخل ہو تو غیر خدا پر بھروسہ قائم ہونے کی وجہ باقی نہ رہے گی۔

حقیقت ”توکل“ خدا کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ بے عمل بن جانا

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ”توکل“ کے معنی اپنے امور میں خدا کو وکیل بنانے کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو اپنا ”وکیل“ اس وقت بناتا ہے جبکہ اس پر پورا طمّنان و اعتماد رکھتا ہے لہذا ”توکل“ سعی عمل اور تدبیر کے خلاف نہیں ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی خدا پر بھروسہ کر کے تدبیر و سعی عمل سے ہاتھ کھینچ لے اور معطل ہو کر بیٹھا اللہ اللہ کرتا رہے سیقت ”توکل“ خدا کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ بے عمل بن جانا، بات یہ ہے کہ انسان کسی اعتماد اور وابستہ ہوتے پر ہی کوشش کر سکتا ہے، اگر امید و اعتماد بالکل نہ ہو تو مطلق یاس و قنوط کی حالت میں اس کی قوت عمل میں حرکت پیدا ہی نہیں ہو سکتی، تحریک عمل کے لئے اعتماد کا سہارا ضروری ہے، انسان کے لئے معاش و معاد کی مثال حاضر و غائب، عاجل، واجل، امروز و فردا کی ہے، معاشی ضرورتیں اسے احساس معاد و آخرت سے پہلے دامگیر ہوتی ہیں، جب وہ میدان میں آتا ہے تو اسباب معاش و رزق کے طویل مسائل سارے عالم علوی و سفلی میں پھیلے نظر آتے ہیں، اس کو ایک وقت کی غذا حاصل ہونے میں زمین و آسمان ابرو ہوا چاند و سورج اور بہت سی علوی و سفلی، مخفی و ظاہری طاقتوں کا دخل نظر آتا ہے اس کا بھی احساس ہوتا ہے کہ خود اس کی قوت عمل و تدبیر بھی اسباب معیشت کی تحصیل میں دخل رکھتی ہے، اب ان کے سامنے دو ہی

صورتیں ہوتی ہیں یا تو اپنی قوت اور عالم اسباب میں بکھرے ہوئے اسباب و وسائل پر بھروسہ کرے یا کسی ایسی طاقت پر جو تمام قوتوں پر حاوی اور تمام اسباب و وسائل پر محیط ہے

پہلی صورت میں اس کو ذہنی و قلبی انتشار کا سامنا ہوگا، اس کی امیدوں و آرزوؤں کا واحد مرکز نہ ہوگا، پریشانی خیال اسی کے دامن سے وابستہ ہوگی ایک مبتلائے فکر معاش انسان کو بھی علوی اسباب کی عاجزانہ خوشامد کرنی ہی پڑے گی اور کبھی سفلی وسائل کی رضا جوئی کی فکر، وجہ پریشانی خاطر ہوگی، کبھی سماوی طاقتوں کی ناراضی کا ڈر اور کبھی ارضی قوتوں کی غضبناکی کا اندیشہ غرض امیدوں کی یہ لامرکزیت اس کو سکون قلب سے کبھی آشنا، نہ ہونے دے گی اور اس کے حال پریشاں کی تصویر اس صورت کے مطابق ہوگی جو اس آیہ مبارکہ کے آئینہ میں دلھائی گئی ہے: ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا... (سورہ زمر: ۲۹)

”خدا نے ایک مثل بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی جھگڑالو (آقا) شریک ہیں، اور ایک غلام ہے جو صرف ایک ہی شخص کا ہے، تو کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے عالم اسباب میں ہر جانب پھیلے ہوئے اسباب معاش و وسائل رزق سے امید و اعتماد کی وابستگی ہی شرک جلی و خفی کا مبداء بنتی ہے۔

دوسری صورت میں اس کی معاشی امیدوں کا ایک مرکز ہوگا، عالم کے تمام منتشر مختلف اسباب ایک مرکزی نظام کے تحت واحد مسبب الاسباب سے وابستہ نظر آئیں گی، اور اس کی عقیدت اور نیاز مندی کا صرف مرکز اعتماد سے وابستہ ہونا اس کو پریشانی ذہن و خیال سے بچا کر اطمینان و سکون خاطر کی نعمت سے بہرہ مند کر دے گا: اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (دلوں کا اطمینان صرف خدا کی یاد سے وابستہ ہے)

اصول توکل کا حاصل اور ثمرہ

اسلامی نظام معیشت میں اصول ”توکل“ کا حاصل یہ ہے کہ معیشت کی بہتری کے لئے کوشش کرو، مگر کامیابی کے لئے اسباب پر بھروسہ نہ کرو، بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رکھو، روزی رسان کے فضل و کرم کے اعتماد پر میدان عمل میں جدوجہد کرو، نہ کہ اپنی محدود عاجز قوت عمل اور دیگر اسباب و وسائل کے بھروسہ پر، اس سے مقصود تحصیل اسباب رزق سے دست برداری کی تعلیم نہیں ہے، بلکہ اسباب پر کلی اعتماد نہ کرنے کی ہدایت ہے، ذہنی انتشار، پریشانی خیال اور شرک مخفی و کفر باطنی سے محفوظ رکھنا، اس اصول کا اصل نصب العین ہے، اسی نصب العین کے ماتحت قرآن مجید کے بے شمار آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ رزاق حقیقی خدا ہے تمام اسباب علوی و سفلی اسی کے مسخر و تابع فرمان ہیں، وہ اس قابل نہیں کہ ان کو امیدوں کا مرکز بنایا جائے، ساتھ ہی اس کے ان اسباب سے قطع تعلق نہ کیا جائے، جن سے خدا نے مسببات کو اس طرح مرتبط کر دیا ہے کہ ان کے بغیر وہ کبھی عالم وجود میں نہیں آتے، ان مسببات کا ان اسباب سے مشرک ہونا، اور ان کے بغیر حاصل نہ ہونا فطرت کا ایک عام اصول ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا، اس کی مثال یہ ہے کہ ہمارے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے، ہم بھوکے اور محتاج غذا بھی ہیں، مگر اس کا ہمارے منہ میں جانا اور ہمارا رزق بننا اس کی طرف ہاتھ بڑھانے، ہاتھ منہ میں رکھ کر دانتوں سے چبانے پر موقوف ہے اور یہ ایسی شرطیں ہیں جن کے بغیر وہ کھانا فطرت کے عام اصول کی بنا پر ہماری غذا اور ہمارا رزق نہیں بن سکتا، اب اگر ہم سوچیں کہ ہم کو خدا پر توکل کرنا چاہیے، اور شرط توکل عدم سعی و طلب ہے اور ہاتھ کو کھانے کی جانب بڑھانا اور اس سے اس کو دہن تک لانا پھر دانتوں سے چبانا یہ تمام امور سعی و حرکت و عمل ہیں، لہذا ان کو چھوڑ کر خدا پر اعتماد کئے بیٹھے رہنا چاہیے، وہ خود کھانے کو ہمارے دہن تک پہنچا دے گا، ظاہر ہے کہ اس قسم کا

خیال مجنونانہ ہوگا اسکو تو کل سے کوئی واسطہ نہ ہوگا، صورت مذکورہ میں ”حقیقت تو کل“ تو یہ ہوگی کہ ہم ہاتھ بڑھائیں اور کھائیں اور اس کام میں رزاق حقیقی کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ اثناء عمل میں ہاتھ شل ہو جائیں، یا ایسے حالات و اتفاقات پیدا ہو جائیں جن کی وجہ سے سامنے رکھا ہوا کھانا ہمارا رزق نہ بن سکے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: اوجب الله لعباده ان يطلبوا منه مقاصد هم بالاسباب التي سببها لذلك و امرهم بذلك - (جامع السعادات: ص: ۵۳۴)

”خداوند عالم نے بندوں پر واجب کیا ہے کہ اپنے مقاصد کو ان اسباب کے ذریعہ سے طلب کریں اور اس نے بندوں کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔“

نظریہ و مقصد و عمل کے اعتبار سے اسلام کا نظام معیشت ایک قسم کا معتدل نظام اشتراکیت و مساوات ہے اشتراکیت سے مراد زمانہ حاضرہ کا نظام اشتراکیت کمیونزم نہیں ہے، کیونکہ اس نظام کے بعض بنیادی نظریات اگرچہ نظام اسلام سے ماخوذ ہیں مگر طریق کار میں بہت زیادہ اختلاف ہے چونکہ اسلام کو اشتراکی نظام کہنے سے ”مخالف اسلام اشتراکیت“ سے اس کا التباس و اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے، لہذا یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اسلامی نظام اخوت و مواساة، عدل و مساوات کا نظام ہے، جو سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ ذہنیت اور ان تمام اسباب کا دشمن ہے جن کا انجام یہ ہو کہ مال و دولت مخصوص طبقوں میں سمٹ کر محدود ہو جائے، عام بندگان خدا مبتلائے فقر و احتیاج ہو جائیں چند افراد، دولت و ثروت کے اندر لوٹتے رہیں اور مسرفانہ تعیش پرستی میں زرو مال لٹاتے ہوں اور دوسرے خدا کے بندے نان شبینہ کے محتاج، ننگے بھوکے بے جانماں پھرتے اور سامان معیشت کے لئے ترستے ہوں، ان مقاصد سے بچنے کے لئے جو امور ضروری تھے ان کا مکمل بندوبست نظام اسلام کے پیش نظر ہے۔

(امراول) فاسد سرمایہ داری اور مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی کا مذموم جذبہ جن اسباب سے پیدا ہوتا ہے ان کو ایک حدیث میں امام رضا علیہ السلام نے یکجا بیان فرمایا ہے:

لا یجتمع الا بخمس خصال ببخل شدید و امل طویل و حرص غالب و قطیعة الرحم و ایشار الدنيا على الآخرة۔ (وسائل الشیعة ج ۱۵ ص ۲۶۵)

”مال کے جمع ہونے کا باعث بس پانچ خصلتیں ہوا کرتی ہیں، سخت بخل، لمبی آرزوئیں، حرص غالب، قطع رحم یعنی حقوق اہل قرابت ادا نہ کرنا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا، نظام اسلامی نے ان تمام فاسد خیال سے ہر انسان کو پاک رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔“

بخل کی مذمت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ... (آل عمران ۱۸۰)

”جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل (مال و دولت) میں سے کچھ حصہ دیا ہے اور (پھر) وہ بخل کرتے ہیں انھیں اس خیال خام میں نہ رہنا چاہیے کہ یہ ان کے لئے بہتر ہوگا، بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے جس (مال) میں وہ لوگ بخل کرتے ہیں اسی کا طوق بنا کر عنقریب قیامت کے دن ان کے گلے میں پہنایا جائے گا۔“

وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى . وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى . فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى . وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى (سورہ لیل: ۸ تا ۱۱)

”جس نے بخل کیا اور بے نیاز اور بے پرواہ بنا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اسے تنگی (و بد حالی) میں ڈال دیں گے اور جب وہ ہلاک ہوگا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔“

حدیث نبوی: ایاکم والشح فانه اهلك من كان قبلکم حملہم ان یسفکوا دمائہم و یتحلوا محارمہم (وسائل الشیعة ج ۹ ص ۴۳)

”تم بخل کی خصلت سے بچو کیونکہ وہ اگلی امتوں کی ہلاکت کا سبب بن چکی ہے اسی نے انھیں خون بہانے اور حرماتوں کو برباد کرنے پر آمادہ کیا تھا۔“

نیز حضرتؑ نے فرمایا: البخل شجرة ينبت في النار ولا يلج النار الا بنخيل
”بخل ایک درخت ہے جو دوزخ کی آتشیں زمین میں اگتا ہے اور بنخیل ہی دوزخ کی آگ میں داخل کیا جائے گا۔“ (متدرک المسائل: ج ۷ ص ۱۴)

نیز آپؐ کا ارشاد ہے: ادوی الداء البخل بعید من اللہ بعید من الناس
بعید من الجنة قریب من النار (جامع السعادات)
”بدترین مرض کنجوسی ہے“ بخل خدا سے دور ہے انسانوں سے دور ہے جنت سے دور ہے، اور دوزخ کی آگ سے قریب ہے۔

طول عمل کی مذمت

ذَرَهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (حجر: ۳)
”انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو کہ کھائیں (پئیں) اور (دنیا کی چند روزہ زندگی میں) چین کر لیں اور ان کی آرزوئیں انھیں گرفتار غفلت رکھیں عنقریب (اس کا انجام) انھیں معلوم ہو جائے گا۔“
حدیث نبوی ہے (جس کو ہم مولا امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کر رہے ہیں):
ان اشد ما اخاف عليكم خصلتان اتباع الهوى و طول الامل اما اتباع الهوى
فانه يعدل عن الحق و اما طول الامل فانه يحب الدنيا

”مجھے تم پر جن باتوں کا خوف ہے ان میں دو خصلتیں سب سے زیادہ سخت ہیں،

خواہشوں کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوئیں خواہشوں کی پیروی حق سے پھیر دیتی ہے اور لمبی آرزوئیں محبت دنیا پیدا کرتی ہیں۔“ (نہج البلاغہ: خ: ۴۲)

نیز حضرتؑ کی ایک دعا میں ہے: اللھم انی اعوذ بک من دنیا تمنع

الْآخِرَةِ وَالْأَعُوذُ بِكَ مِنْ حَيَاتٍ تَمْنَعُ خَيْرَ الْمَمَاتِ وَالْأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَمَلٍ يَمْنَعُ خَيْرَ الْعَمَلِ (جامع السعادات: ۴۱۹)

”اے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اس دنیا سے جو آخرت کی سعادت میں رکاوٹ بنتی ہو۔“

اس دعا میں حضرت نے تین چیزوں سے اظہار نفرت فرمایا ہے اور خدا سے پناہ مانگی ہے، ایسی دنیا جو خیر آخرت سے مانع ہو، ایسی زندگی جو اچھی موت مرنے سے روکے، ایسی لمبی آرزوئیں جو حسن عمل و خوبی کردار سے مانع ہوں۔

حرص و طمع نہ کرو

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (سورة طہ/۱۳۱)

”اے پیغمبر! ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو زندگی دنیا کی رونق کے سامان دیئے ہیں تاکہ اس ذریعہ سے ہم ان کو آزمائیں تم ان (مسلمانوں) کی طرف نظریں نہ بڑھاؤ۔“

قطع رحم کی مذمت صلہ رحمی نہ کرنا

موجب لعنت خدا ہے

(۱) وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (سورة رعد/۲۵)

”وہ لوگ جو خدا کے عہد کو اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن (باہمی تعلقات) کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ انہیں قطع کرتے ہیں زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ایسے ہی لوگوں

کے واسطے برا گھر (دوزخ) ہے۔“

صلہ رحمی کا تاکیدِ حکم

(۲) وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

(سورہ نساء/۱)

”اس خدا سے ڈرو جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور قطع رحم (قرابتداروں کے حقوق کی نگہداشت میں کوتاہی) کرنے سے بھی (ڈرو) بے شک خدا تمہارا نگران ہے۔“

حدیث نبویؐ ہے:۔ ان ابغض الاعمال الى الله تعالى الشرك بالله ثم قطيعة الرحم (جامع السادات ص ۳۳۲)

خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند کام شرک ہے۔ اور اس کے بعد قطع رحم یعنی حقوق قرابت کو ضائع کر دینا۔“

قطع رحم باعث تعجیل فنا اور سلب نعمت ہے

جناب امیرؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا: اعوذ بالله من الذنوب التي تعجل الفناء اس وقت ایک شخص نے اٹھ کر پوچھا کیا ایسے بھی گناہ ہیں جو جلد فنا کر دیئے جائیں! آپؑ نے فرمایا: نعم و تلك قطيعة الرحم ان اهل البيت يجتمعون و يتواسون و هم فجرة فيرزقهم الله عز و جل و ان اهل بيت يتفرقون و يقطع بعضهم بعضا فيحرمهم الله و هم اتقياء .

”ہاں قطع رحم ایسا ہی گناہ ہے۔ بعض گھرانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو باہم

اتفاق رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ہمدرد رہتے ہیں تو باوجود اس کے کہ بدکار ہوں خدا ان کو صلہ رحمی کی بدولت رزق عطا کرتا ہے اور بعض گھرانے والے جو افتراق پسند ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے قطع تعلقات کر لیتے ہیں تو خدا ان کو رزق سے محروم کر دیتا ہے، گرچہ وہ پرہیزگار ہوں۔“

صلہ رحمی نہ کرنے سے مال شریروں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے

نیز آپ نے فرمایا: اذا قطعوا الارحام جعلت الاموال فی ایدی الاشرار، جب لوگ قرابتداروں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کرتے تو ان کے اموال نصیب اشرار بن جایا کرتے ہیں۔ (الکافی: ج ۲، ص ۳۴۸)

اگر بدکار لوگ بھی صلہ رحمی کرتے ہیں تو اس سے ان کے مال و دولت میں زیادتی ہوتی ہے

جناب امیرؑ نے فرمایا: ان اعجل الطاعات ثوابا لصلۃ الرحم و ان القوم لیکونون فحارا فیتواصلون فتنموا اموالهم و یثرون (مستدرک الوسائل: ج ۱۵ ص ۲۴۰)

”خدا مال بندگیوں میں جس کا ثواب سب سے زیادہ جلد ملتا ہے وہ صلہ رحم ہے، اگر کسی قوم کے افراد بدکردار ہونے کے باوجود صلہ رحمی (حقوق قرابت کی نگہداشت) کرتے ہیں تو ان کے مال و دولت میں افزائش ہوتی ہے اور وہ صاحب ثروت ہو جاتے ہیں۔“

ان احادیث سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ نظام اجتماعی کی خیر فلاح کا مدار جذبہ صلہ رحمی پر ہے، نہ کہ ایمان و کفر پر، اگر کافروں میں بھی یہ جذبہ پایا جائے گا تو وہ خوش حال اور مال و ثروت کے مالک ہو جائیں گے اور اگر اہل ایمان و تقویٰ اس جذبہ سے خالی ہوں گے تو ان کو معاشی تنگی و بد حالی کا سامنا ہوگا۔

در اصل نظام اجتماعی اور تمدن کی بہتری کا ذریعہ جذبہ تعاون و امداد باہمی ہے اور صلہ

رحمی اسی جذبے کا نتیجہ ہے، اگر یہ جذبہ افراد انسان میں نہ ہو تو ان کے دنیوی خوشحالی اور وسعت مال و دولت بھی میسر نہیں ہو سکتی، اور جو دولت ثروت قطع رحم کے ذریعہ سے جمع کی جائے گی، اس کا انجام نہ صرف آخرت کی خرابی بلکہ دنیوی تباہی بھی ہوگا۔

سرکشی اور دنیا کو آخرت پر مقدم کرنے کا انجام، مذموم سرمایہ داری کے نتائج

فَأَمَّا مَنْ طَغَى (۳۷) وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۳۸) فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى (۳۹)۔

”جو شخص حد سے نکل گیا اور اس نے دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) مقدم کیا تو دوزخ

ہی اس کا ٹھکانا ہے۔“ (النازعات

إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا (الدھر: ۲۷)

یہ لوگ (دنیا کے) جلد ملنے والے نفع سے محبت رکھتے ہیں اور ایک بھاری دن (روز

قیامت) کو پس پست چھوڑ بیٹھے ہیں،

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۱۶) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى (۱۷) (الاعلیٰ)

بلکہ تم زندگی دنیا کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ

الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (۲۰: ۲۲)

جو شخص دنیا کی منفعت چاہتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دیں گے مگر آخرت میں

اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

مذموم سرمایہ داری کے کرشمے

اور اس کا انجام بد

(۱) وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (۱) الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ (۲) يَحْسَبُ أَنَّ

مَالَهُ أَخْلَدَهُ (۳)

ہر عیب لگانے والے چغل خور کی تباہی ہے جو مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے

اور اسے یہ خیال ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔

(۲) كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ (۱۷) وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ

الْمُسْكِينِ (۱۸) وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا (۱۹) وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا

ہر گز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے

کو ترعیب دیتے ہو، اور میراث کے مال (حلال اور حرام) سب کچھ سمیٹ کر نگل جاتے ہو اور

مال کو بے حد عزیز رکھتے ہو۔ (الماعون)

(۳) إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (۶) وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ (۷) وَإِنَّهُ

لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (۸) (العادیات)

یقیناً انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور یقیناً خود بھی اس پر گواہ ہے اور بے

شک وہ مال کا سخت حریص ہے۔

(۴) يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (۲۷) مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ (۲۸) هَلَكَ عَنِّي

سُلْطَانِيهِ (۲۹) خُذُوهُ فَغُلُّوهُ (۳۰) ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ (۳۱) ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ

ذَرُوعًا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ (۳۲) إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ (۳۳) وَلَا

يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ (الحاقہ)

”اے کاش موت نے میرا کام (ہمیشہ کے لئے) تمام کر دیا ہوتا میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا (ہائے) میرا اقتدار مجھ سے جاتا رہا (پھر حکم خدا ہوگا) اسے گرفتار کر کے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھوک دو پھر اسے ایک ایسی زنجیر میں جو ستر (۷۰) گز کی ہے خوب جکڑ دو (کیونکہ) یہ نہ تو عظمت والے خدا پر ایمان لاتا ہے اور نہ محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا ہے۔“

(۵) وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۵۸) (توبہ)

ان کے مال اور اولاد کی (فراوانی) تمہیں تعجب میں نہ ڈالے (کیونکہ) خدا کا ارادہ تو یہ ہے کہ ان کے مال و اولاد کی بدولت انہیں عذاب میں گرفتار کرے۔

(۶) ذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهْلُهُمْ قَلِيلًا (۱۱) إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا

وَجَحِيمًا (۲۱) (المزمل)

(اے پیغمبر) مجھے چھوڑ دو اور ان صاحب دولت جھٹلانے والوں کو (میں ان سے سمجھ لوں گا) انہیں تھوڑی سی مہلت دیدو ہمارے پاس (انکے لئے) بیڑیاں ہیں جلانے والی آگ ہے

(امردوم) جب کوئی نظام معاشی مساواة وعدل کی بنیاد پر قائم کیا جائے گا اس کے لئے یہ بھی لازم ہوگا کہ ضروریات زندگی حد اعتدال پر رکھے، اور غیر ضروری اشیاء کو لوازم زندگی میں داخل کرنے سے باز رہنے کی ہدایت کرے، آج دور انقلاب میں ہمارے سامنے زندگی کی مشکلات کا اسلئے بھی ہجوم ہے ہم نے بے ضرورت اشیاء کو بھی ضروریات زندگی میں شامل کر لیا ہے اور بیدل کا یہ شعر ہمارے پیش نظر نہیں ہے

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں
انچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

جو نظام معیشت اصول عدل و مساوات پر قائم کیا جائیگا اس میں لباس، غلام، مسکن، اور دیگر اسباب زندگی کی تحدید ضرور ہوگی، وہ ہر انسان سے بے جا تعیش افراط راحت طلبی و عشرت پرستی، فضول زینت و خود آرائے، طفلانہ لہو و لعب سے بچنے اور زندگی کے ساز و سامان کو حد اعتدال و دائرہ ضرورت و احتیاج تک محدود رکھنے کا مطالبہ کریگا اسلامی نظام معیشت نے بھی اس مقصد کے پیش نظر؛ اصول قناعت اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے، اور افراد عیش پرستی و تن پروری کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

فَذَرَهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ

(۱) تو تم انھیں چھوڑ دو کہ پڑے بک بک کرتے اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ وہ دن ان کے سامنے آجائیگا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (۸۳: زخرف)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۲۱ محمد)

(۲) اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کی زندگی کا لطف پارہے ہیں۔ اور اس طرح کھاتے (پیتے ہیں) نیسے چار پائے کھاتے (پیتے) ہیں اور (آخر کار) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اصول قناعت:

حدیث نبوی ﷺ ایاکم وفضولی المطعم۔ کھانے کے فضول تکلفات

سے بچو (عدة الداعی: ص ۲۳۶)

حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: ان کان مایکفیک یغنیک فادنی ما فیما یغنیک ان کان مایکفیک لایغنیک فکل ما فیما لایغنیک ..

”اگر تمہیں بقدر کفایت چیزیں زیادہ سے بے پروا کر سکتی ہیں تو دنیا کی کم سے کم چیز تمہیں کافی ہو سکے گی، اور اگر وہ مقدار جو تمہارے لئے کافی ہے تمہیں بے نیاز نہیں کرتی تو دنیا کی ساری چیزیں بھی تمہاری ہوس پوری نہیں کر سکتی“ (الکافی: ج ۲، ص ۱۴۰)

حریص را نہ کند نعمت دو عالم سیر
ہمیشہ آتش سوزندہ اشتہا دارد

اصول قناعت، اشتراکیت کے اس نظیرے سے مختلف نہیں ہے کہ ہر شخص کو اس کے احتیاج ہی کے مطابق دینا چاہیے، البتہ اس اصول پر عمل درآمد میں دونوں کے راستے جدا ہو جاتے ہیں، دینا چاہئے، اور لینا مناسب ہے، دونوں میں جو فرق ہے وہی دونوں کے طریق کار میں نظر آتا ہے اشتراکیت جس نظیرے پر قانونی جبر و تشدد اور تلوار کے زور سے عمل درآمد کرنا چاہتی ہے اس پر نظام اسلامی رضا کارانہ عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور دراصل انسان کے الاتی جوہر ہر طرف اسی سمت میں نکھر سکتے ہیں۔

صرف مال میں رعایت اصول اقتصاد و اعتدال

جس طرح تحصیل دنیا میں۔ اجمال فی الطلب۔ کی طرف ہدایت کی گئی ہے اسی طرح اور روزمرہ کے مصارف و مخار بہ میں بھی ”اصول اقتصاد و اعتدال“ پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس اصول کی اہمیت مندرجہ ذیل آیات و احادیث سے ظاہر ہے:

۱۔ يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا

تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف: ۳۱)

فرزندان آدم ہر نماز کے وقت (اچھے لباس سے بدن کی) آرائش کیا کرو۔ اور

کھاؤ پیو (بیشک) خدا فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

فضول خرچی کی ممانعت

۲۔ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرْ
تَبْذِيرًا (۲۶) إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ
كَفُورًا (۲۷) وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا
مَّيْسُورًا (۲۸) وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ
فَتَقْعَدَ مَلُومًا مَّحْشُورًا (الاعراف: ۲۹)

قربابت داروں اور محتاج اور مسافروں کو ان کا حق دیدو اور فضول ہرگز خرچ نہ کیا کرو
کیونکہ فضول خرچ کرنے والے بے شبہ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پالنے والوں کا
بڑا کافر نعمت ہے اور اگر تمہیں اپنے پروردگار کے فضل و کرم کے انتظار میں جس کی تم کو امید ہے
(مجبوراً) ان (بیچاروں) سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے (اپنی مجبوری) ان کو سمجھا دو اور اپنے
ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ کر بہت تنگ کر لو (کہ کسی کو کچھ بھی نہ دو) اور نہ بالکل کھولو کہ
(سب کچھ دیکر) آخر میں ملامت زدہ اور گرفتار حسرت ہو کر بیٹھ جاؤ۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا (الفرقان: ۶۷)
اور وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی (بلکہ) اب کا خرچ
ان دونوں باتوں کے درمیان اوسط درجہ کا ہوا کرتا ہے۔

كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا
يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الانعام: ۱۴۱)

جب یہ پھلیں تو ان کا پھل کھاؤ، ان چیزوں کے سامنے کے دن خدا کا حق (جوان میں
ہے) ادا کرو اور بیجا خرچ نہ کرو کیونکہ خدا فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسراف و اقتصاد کے حدود

حدیث نبوی میں ہے:- ما عال من اقتصد، جس نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا وہ محتاج نہیں ہوتا: (سفینۃ البحار: ج: ۲ ص ۴۳۱)

مجمع البیان میں حضرت کا ارشاد ہے:- من عطی من غیر حق فقد اسرف و من منع من حق فقد قتر۔ جس نے ناحق دیا اس نے اسراف کیا اور جس نے کوئی حق روکا اس نے تنگی کی:

اقتصاد اور اسراف

اقتصاد اور اسراف کے حدود کی پوری توضیح امام جعفر صادقؑ نے مندرجہ ذیل حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:

عن الصادقؑ قال اتری الله اعطی من اعطی من کرامته علیہ و منع من منع هو ان به علیہ لا ولكن المال مال الله یضعه عند الرجل و دائع و جوز لهم ان یاكلوا قصدا و یشرّبوا قصدا و یلبسوا قصدا و ینکحوا قصدا و یرکبوا قصدا و یعودوا بما سوی ذلک علی الفقراء المؤمنین و یلموا به شعثم فمن فعل ذلک کان ما یاکل حلالا و یشرب حلالا و یرکب حلالا و ینکح حلالا و ما عدا ذلک کان حراما ثم قال ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین اتری الله ائمن رجلا علی مال خول له ان یشری فوسا بعشرة الاف درهم یجزیه فرس بعشرین درهما . الخ

جناب صادقؑ نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ خدا جسے نعمت دینا دیتا ہے تو اس لئے دیتا ہے کہ اس کی عزت اس کی نگاہ میں ہے اور جسے نہیں دیتا اس وجہ سے کہ وہ اس کی نظر میں

ذلیل ہے؟ ایسا نہیں ہے مال و دولت خدا کی ملکیت ہے وہ آدمیوں کے پاس بطور امانت رکھتا ہے اور اس کی اجازت دیتا ہے کہ اس سے اپنے لئے کھانے پینے پہننے کا سامان مہیا کریں، شادی بیاہ کریں اور سواری کے سامان خریدیں، مگر ان تمام باتوں میں اقتصاد و اعتدال کا لحاظ رکھیں۔ اور جو مال اس کے بعد اس سے بے ایمان محتاجوں کی مدد کریں، اور اس کی پریشان حالی دفع کریں جو آدمی کا یہ طرز عمل ہوگا اس کا کھانا پینا گھوڑے خریدنا، نکاح کرنا حلال ہوگا، اور اس کے ماوراء حرام ٹہرے گا، پھر حضرت نے فرمایا تم لوگ فضول خرچی نہ کرو، خدا فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جسکو خدا نے اپنے مال کا امانتدار بنایا ہے اس پر یہ تفضّل اس واسطے فرمایا ہے کہ وہ گھوڑا بیس ہزار درہم پر خریدے، حالانکہ اس کے واسطے بیس درہم قیمت کا گھوڑا کافی ہو سکتا ہے

نیز حضرت نے فرمایا:۔ انما الاسراف فيما اتلف المالواضر بالبدن :۔

(تفسیر صافی: ج: ۲ ص ۱۹۰)

اسراف فقط ان باتوں میں ہوتا ہے جن سے مال فضول تلف ہوتا ہے اور بدن کے لئے مضر ہو

اسحاق بن عمار راوی ہیں:۔ قلت لا بی عبد اللہ یكون المومن عشرة

اقمصہ قال نعم قلت عشرون قال نعم قلت ثلاثون قال نعم لیس هذا من

السرف انما السرف ان تجعل ثوب صونک بذلك (الکافی: ج: ۶ ص ۴۴۲)

میں نے حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق ؑ سے عرض کی کہ کیا مومن دس (۱۰)

قمیصیں رکھ سکتا ہے فرمایا: ہاں میں نے عرض کی کیا بیس (۲۰) قمیصیں بھی ”فرمایا: ہاں“ پھر میں

نے تیس (۳۰) قمیصوں کے لئے پوچھا تو فرمایا کہ ہاں اس کا نام اسراف نہیں ہے اسراف یہ

ہیکہ عزت کے خاص مواقع پر پہننے کے کپڑوں کو روزمرہ کا لباس بنادو:۔

زندگی کا سب سے کامیاب طریقہ

زندگی کے مسائل میں اکتساب وسائل معیشت ہی اہم مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ سوال اس سے کم اہم نہیں رکھتا کہ اقتصادی نقطہ نظر سے زندگی کا کون سا معیار بہتر ہے؟ آیا نعمت دنیا سے جی بھر کر حیوانوں کی طرح سامان اٹھانا چاہئے اور فلسفہ زندگی کا مسلک زیستن برائے خوردن قرار دینا چاہئے یا خدا کے بے شمار عطیات و نعمات سے ہمہ تن بیزار و دست کش ہونا چاہئے؟ آغاز مضمون میں ہم نے گزارش کی ہے کہ یہ دونوں طریقے خلاف فطرت اور باعث فساد عالم ہیں اور دونوں افراط و تفریط کی طرف لیجاتے ہیں جس کا انجام یہ ہے کہ تمدن اور معاشرت کی حالت ابتر ہو جائے، یا قدرت کے ذخیرے، فطرت کے خزانے، خدا کی نعمتیں اور انسانی قوتیں یوں ہی بیکار ضایع اور لا حاصل ہو جائے ان دونوں خلاف اعتدال طریقوں کے درمیان ایک اور طریقہ بھی ہے اور اس کا خلاصہ دو جملوں میں یہ ہیکہ ”دنیا کی لذتوں کا لطف اٹھاؤ اور پھر نفس کی خواہش پر قابو رکھو۔“ اقتصادی اور معاشی نقطہ نظر سے یہی زندگی کا سب سے زیادہ کامیاب اور قابل عمل طریقہ ہے دنیا کی نعمات و لذات سے لطف اندوز ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں اور زندگی کے معاشی معیار کا مناسب درجہ تک بلند ہونا منشاء فطرت ہے اور شکر نعمات الہیہ کا بہترین طریقہ بھی مناسب درجہ اقتصادی نظر سے یہ ہے کہ معیار زندگی کی بلندی، تن پروری اور عیش پرستی و فضول و عشرت طلبی کی حد تک پہنچ کر زندگی کے دوسرے اعلیٰ مقاصد کو دل سے محو نہ کر دے باعث فساد اخلاق و خرابی صحت جسمانی نہ ہو۔ اور زندگی کے تمام حاجتوں اور ضرورتوں کے حسب مراتب رفع ہونے میں خلل انداز نہ ہو۔

سورۃ اعراف کی آیت منقولہ بالا میں جہاں اسراف سے روکا گیا ہے وہاں اسراف کے ساتھ ہی بدون فاصلہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اس سے مقصود مناسب معیار زندگی کو پست کرنا نہیں ہے فرمایا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (۳۲)

(اے پیغمبرؐ) ان سے کہہ دو خدا نے زینت کے جو سامان اور کھانے کی جو پاکیزہ چیزیں اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو حرام کرنے والا کون ہے؟

حاصل کلام ربانی یہ ہے کہ زینت کے ساز و سامان اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں خدا ہی کا عطیہ ہیں اس نے ان کو بندوں کے لئے پیدا کیا ہے پھر ان کو حرام کرنے والا کون ہے؟ اس سے تو ان کی خلقت کی غرض و غایت ختم ہو جاتی ہے اور یہ طریقہ ان کی پیدائش کو حکمت و مصلحت سے خالی ٹھہرانا ہے کس طرح ممکن ہے کہ خدا ان کو اپنے بندوں کے فائدہ کی غرض سے پیدا کرے پھر اس کے جائز استعمال سے منع کرے۔؟ زندگی کے اعلیٰ معیار کو پائدار و برقرار رکھنے کیلئے خرچ میں اعتدال و اقتصاد کا طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے، نیز مقصد شرع یہ بھی ہے کہ اتفاقاً ضرورتوں کے لئے اس طرح کچھ مال پس انداز بھی کیا جائے۔

بہارِ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:- لا خیر فی من لا یحب جمع المال - ”جو آدمی مال جمع کرنا پسند نہیں کرتا اس میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے۔ (الکافی: ج ۵، ص ۷۲)

سرمایہ دارانہ ذہنیت کی تاریخ بہت قدیم ہے

سرمایہ دارانہ ذہنیت کی تاریخ بھی بہت قدیم ہے۔ قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح کے عہد سے لیکر زمانہ خاتم النبیین تک کتنے ہی انقلاب دنیا میں گزرے مگر اس ذہنیت اور اس کے فاسد نتائج کبر و غرور، فخر و نخوت، قبول حق سے نفرت، باطل سے رغبت میں کوئی تغیر نہ ہوا اور طوفان نوح بھی ان کو ہمیشہ کے لئے غرق کرنے سے عاجز رہ گیا، جن نفوس امارہ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پرورش ہوتی ہے ان کے نزدیک انسانیت اسکا کمال مادی اسباب ہی میں منحصر ہوا کرتا ہے۔

ان کی غلط بین نگاہوں میں انسان اور کامل انسان وہ ہو سکتا ہے جس کے پاس زرو جواہر کی کثرت۔ مال و اسباب حشمت و خدم کی فراوانی۔ زخارف دنیوی و سامان معیشت کی افراط ہو، ان کی پرواز تخیل مادیت کی فضا سے باہر نہیں ہو سکتی، وہ دولت و مال کے خزانے عامرہ۔ اطلس و زربفت کے ملبوسات فاخرہ، سر بفلک عمارتوں اور پر تکلف غذاؤں ہی کو معیار انسانیت اور معراج کمال انسانی سمجھتے ہیں۔

اور معیار شرافت و مدار عزت ان کے نزدیک مادی چیزوں میں منحصر ہوتا ہے اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے الہی منصب داروں اور انسانیت کے سچے نمائندوں، عالم بشریت کے مخلص مرہن کی حقانیت۔ سطائی اور خلوص تسلیم کرنے سے محض اسی بنا پر انکار کرتے تھے کہ ان کے پاس مالی وسعت اور دنیوی دولت و ثروت کی فراوانی نظر نہیں آتی، سونے کے کنکس اور موتیوں کے ہار اور ملبوسات فاخرہ سے آراستہ نہیں انکی پیروی کرنیوالے ان پر ایمان لائے والے غریب مزدور۔ مفلس و بے مایہ عوام ہیں جناب نوح کی ناصحانہ تبلیغ سرمایہ دار طبقہ میں اسی لئے بے اثر رہی کہ آپ کے ماننے والے اور اطاعت کرنے والے انکے نزدیک اراذل یعنی مزدور پیشہ عوام تھے۔

اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْدُلُونَ (شعراء: ۱۱۱)

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اَتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَادْنَا بِاَدَى الرَّأْيِ (ہود: ۲۷)

تمہاری پیروی کرنے والے تو پست طبقے کے لوگ (مزدور وغیرہ) ہیں پھر ہم تم پر کیا ایمان لائیں قوم نوح کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنا ہی سا آدمی دیکھتے ہیں اور ہمیں یہی نظر آتا ہے تمہارے پیرو ہماری قوم کے بس چند ذلیل لوگ ہیں (جو بغیر سوچے سمجھے تمہارے ماننے والے بن گئے ہیں) سرسری نظر میں ان کے قبول ایمان کی شرط یہ تھی کہ غریب طبقے کے

لوگوں کو اپنے گرد و پیش سے ہٹا دیں
جس کا جواب یہ ملا:

وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ (۱۱۴) إِنَّ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (شعراء: ۱۱۵)

میں تو ایمانداروں کو اپنے پاس سے نکالنے والا نہیں ہوں (ایمان لانے نہ لانے

کا تمہیں اختیار ہے) میں تو صرف (عذاب خدا سے) صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ

الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ (ہود: ۲۹)

اے میری قوم: میں اس کے بدلے میں تم سے مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو خدا ہی پر

ہے اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں نکال نہیں سکتا وہ یقیناً اپنے پروردگار سے ملنے والے

ہیں میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ تم ہی لوگ جہالت و نادانی میں مبتلا ہو جناب موسیٰ کی نبوت و رسالت تسلیم

رنے سے روکنے والی سرمایہ دارانہ ذہنیت، قرآن مجید کے مطابق یہ تھی کہ۔

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ

الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ (۵۱) أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ

وَلَا يَحَادِيثُ (۵۲) فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ

مُقْتَرِنِينَ (الزخرف: ۵۳)

فرعون نے اپنے لوگوں سے پکار کر کہا کہ اے میری قوم: کیا ملک مصر میرا نہیں ہے اور

یہ نہریں جو میرے (شاہی محل کے) نیچے بہتی ہیں

(میری نہیں) کیا تم نہیں (دیکھتے ہو کہ) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو ذلیل آدمی

ہے صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا (اگر یہ خدا کا بھیجا پیغمبر ہے تو) اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ

اتارے گئے یا اس ساتھ فرشتے جمع ہو کر آتے؟

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ :- جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس آئے بالوں کا لباس پہنے اور عصا ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔ انھوں نے فرعون سے وعدہ کیا کہ اگر اسلام قبول کر لیگا تو اس کا ملک باقی اور اعزاز برقرار رکھا جائیگا فرعون اپنی قوم سے کہنے لگا کہ تم لوگ ان دونوں کی باتوں پر تعجب نہیں ہوئے یہ لوگ مجھ سے بقاء ملک و عزت کا وعدہ کر رہے ہیں، حالانکہ خود انکی فقیری و زلت کی حالت ہے۔ تمہارے پیش نگاہ ہے ان کو خدا کی طرف سے سونے کے کنگن کیوں نہیں ملے، فرعون نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ سونے کی اور اس کے جمع کرنے کی عظمت اسکی نگاہ میں تھی اور لباس صوف کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ (نہج البلاغہ: خ: ۱۹۲)

عہد طالوت کے سرمایہ داروں کا قبول اطاعت سے انکار

عہد طالوت کے سرمایہ داروں کو ان کی بادشاہی تسلیم کرنے سے اسی بنا پر انکار تھا کہ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی نہیں تھی، انی 'یکون له الملك علينا ونحن احق بالملك منه ولم یوت سعة من المال'. (الفقرہ: ۲۴۷)

وہ لوگ کہنے لگے کہ اس کی حکومت ہم پر کیونکہ ہو سکتی ہے حالانکہ ہم حکومت کے اس سے زیادہ حق دار ہیں مالی فراوانی اسکو نصیب نہیں۔

ہر پیغمبر کی نبوت ماننے سے اسکے زمانہ کے امیروں نے انکار کیا

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ

كَافِرُونَ (۳۴) وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ (سباء: ۳۵) ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) بھیجا تو وہاں بڑے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے کبھی ماننے والے نہیں جنہیں دے کر بھیجے گئے ہو اور انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم عذاب میں ڈالے جانے والے نہیں۔

عہد رسالتمآبؐ کے سرمایہ داروں کی مغرور ذہنیت

حضرت رسالتمآبؐ کے عہد میں یہ فاسد و جاہلانہ ذہنیت کمال عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ ایک طرف تو ساری قوم میں نسلی و طبقاتی مفاخرات و منافرت کا مرض عام تھا دوسری طرف اس مفلس و فلاکت زدہ قوم میں جن لوگوں کو سرداری و سرمایہ داری نصیب تھی ان کے سر پر غرور کبر و محوت خ و تمکنت کے بھوت سوار تھے، عَبَسَ وَتَوَلَّى (۱) اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی (۲) وَمَا نَدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَنْزٰگِی (۳) اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهٗ الذِّكْرٰی (عبس: ۴)

۱) مالدار اپنی بات پر چین بر چین ہو گیا اور روگرداں ہو بیٹھا کہ اس کے پاس ایک مرد نابینا آیا، م کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت سنتا۔ اور وہ اس کے لئے سود مند ہوتی:-

نیز ارشاد خداوندی ہے: وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولٰٓئِی النِّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا (۱۱)

اور مجھے ان دولت مند جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی مہلت دیدو:-

غربت افلاس کی ماری عوام سوسائٹی بھی اپنی ذلت و حقارت کی بنا پر مال و دولت ہی کو وجہ شرافت و عزت سمجھنے لگی، اسی لئے کہتی تھی، لَوْلَا نَزَّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْ

الْقَرِیَّتَيْنِ عَظِيمِ (۳۱)

آخریہ قرآن دونوں بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا نظام اسلام نے ہزاروں برس کی قائم شدہ سرمایہ دار ذہنیت کے مفاسد سے دنیا کو بچانے کی سب سے زیادہ موثر تدبیر کی طرف دلیرانہ قدم بڑھایا، مال و دولت استغناء سرمایہ داری کو معیار عزت و شرافت نہیں رکھا اور اعلان عام کر دیا کہ زرو جواہر کے خزانے اس کی نظر میں بحیثیت معیار عزت و شرف درجہ اعتبار سے ساقط ہیں، تمام بنی آدم اصل خلقت میں برابر ہیں، خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ (۶) خدا نے تم سب کو ایک ہی شخص (آدم) سے پیدا کیا۔

الناس من جهة التمثال اكفاء

ابوہم آدم والام حواء

عز و شرف و کرامت کا مدار ایمان، اچھے اعمال اور پرہیزگاری ہے،

۱. وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (۸) (المنافقون)

عزت تو خدا اور رسول اور ایمانداروں ہی کے لئے ہے،

۲. إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (۱۳) (الحجرات)

تم میں سب سے زیادہ با کرامت و با عزت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

۳۔ حدیث قدسی میں ہے:- لیس الشریف الا من شرفته طاعتی شرف والا

بس وہی شخص ہے جسے میری بندگی نے شرف بخشا، المسلمون اخوة تسافو دماء ہم

، مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور انکے خون کی قیمت برابر ہے۔

(اصول الکافی: ج ۱، ص ۴۰۴)

زبان و وطن کو انسانی شرافت و کرامت میں دخل نہیں وجہ شرافت و مدار کرامت تقویٰ ہے

جناب رسالت مآب نے فرمایا۔ ایہا الناس ان العربیہ لیست باب والد
وانما هو لسان ناطق فمن تکلم به فهو عربی الا انکم ولد آدم و آدم من تراب
و اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

لوگو: عربی کا مدار باپ نہیں ہے جو وسیلہ پیدائش ہوتا ہے۔ یہ تو ایک زبان ہے جو
بولی جاتی ہے، جو شخص یہ زبان بولتا ہے وہی عربی ہے (قومیت کا مدار زبان عربی نہیں ہے) تم
سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم کی اصل خاک ہے، تم میں زیادہ کرامت و عزت والا وہ آدمی ہے جو
یادہ پرہیزگار ہو۔ (تفسیر صافی: ج ۲ ص ۹۴)

نیز آنحضرت کا یہ ارشاد اس باب میں اسلام کے اصول و نظریات کو اور واضح کرتا ہے
لا۔ لا القرشی ولا عربی الا بتواضع ولا کرم الا بتقوی ولا عمل
الا ببینۃ ولا عبادۃ الا بعقہ (متدرک الوسائل: ج ۱ ص ۸۸)

ی مرد قریش اور عربی کے واسطے شرف و عزت نہیں مگر تواضع کی وجہ سے اور کرامت نہیں ہے
مگر تقویٰ کی بدولت، اور مدار عمل بس نیت ہے اور عبادت بس وہی عبادت ہے جو علم و فہم سے ہو۔
اس اصول مساوات کی بنا پر اسلامی قوانین کی نظر میں سلطان اور خاک کہ روب
دونوں بحیثیت انسانیت برابر ہیں۔ دونوں کے خون کا درجہ مساوی ہے۔ سلطنت و حکومت کے
جاہ و جلال اور ذخائر متاع و مال سے کسی بادشاہ کو ایک غریب مزدور پر قدر و قیمت میں
امتیاز و تفوق حاصل نہیں ہوتا۔

مفلسوں اور غریبوں کی

اخلاق حالات بلند رکھنے والے ہدایات

غریب و بے مایہ عوام کی ذہنیت اور اخلاقی حالت کو بلند کرنے کے لئے یہ ہدایات دیئے گئے، حدیث نبویؐ میں: لعن اللہ من اکرم الغنی لغناہ ولا یفعل ذلک الا منافق، لعن اللہ من اهان الفقیر لفقره فمن اکرم الغنی لغناہ سمی فی السماوات عدو اللہ وعدو الانبیاء ولا یشیجہاب لہ دعوة ولا یقضی لہ حاجة

(ارشاد القلوب: ج ۱ ص ۳۶۴)

خدا لعنت کرے اس آدمی پر جو کسی مالدار کا اعزاز و اکرام محض اس بنا پر کرتا ہے کہ وہ صاحب مال و دولت ہے، خدا لعنت کرے اس آدمی پر جو کسی فقیر کی اہانت اس کے فقر کے بنا پر کرے اور سوائے منافق کے کوئی اور نہیں کر سکتا، جو کسی مالدار کا اعزاز و اکرام محض اس بنا پر کرتا ہے کہ وہ صاحب مال و دولت ہے تو وہ آسمانوں میں دشمن خدا دشمن انبیاءؑ کے لقب سے پکارا جاتا ہے، اور نہ اس کی دعا بارگاہ خدا میں قبول ہوتی ہے اور نہ اس کی حاجت روائی کی جاتی ہے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ما احسن تواضع الغنی للفقیر رغبة فی ثواب اللہ . احسن منه تہ

الفقیر علی الغنی باللہ و تو کلا لہ ، (نہج البلاغہ: کلمات قصار ۴۰۶)

مالدار کا فقیر سے جھک کہ ملنا ثواب خدا کی رغبت میں بہت خوب ہے اور خدا کے بھروسہ پر فقیر کا غنی کے سامنے خود داری دکھانا اس سے خوب تر ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے: من عظم صاحب دنیا و احبه بطمع دنیاہ حظ

اللہ علیہ

جو شخص کسی صاحب دنیا کی تعظیم اور اس سے محبت اس کی دنیا کی لالچ میں کرتا ہے خدا

اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ (بحار الانوار: ج ۳، ص ۳۲۸)

مروی ہے:۔ سال این الله فقال عند المنكسرة قلوبهم.

حضرت رسالتآب سے کسی نے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ تو فرمایا ان لوگوں کے پاس

جو شکستہ دل۔ ہیں (بحار الانوار: ج ۳، ص ۳۲۸)

ارشاد علوی، عوام کی رضا مندی

خواص کی خوشنودی پر مقدم ہے

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا مفصل فرمان مالک اشتر کے نام نہج البلاغہ میں

منقول ہے، اس کے چند اقتباسات مناسب مقام یہ ہیں، ان سخط العامة یجحف

برضی الخاصة و ان سخط الخاصة یغتفر مع رضا العامة، عوام کی ناراضی خواص کی

رضا مندی کو بے اثر بنا دیتی ہے، اور عوام کی رضا مندی کے ساتھ خواص کی ناراضی ناقابل

التفات ہوتی ہے۔ (نہج البلاغہ: خط ۵۳)

گذشتہ زمانوں کا ذکر نہیں ہے آج بھی دنیا میں جہاں نظام سرمایہ داری چل رہا ہے

اس کے ارباب حکومت کی نگاہیں سرمایہ داری ہی کی رضا جوئی پر لگی رہتی ہے۔ رضا مندی عوام

بھی پروا نہیں ہوتی۔ کیونکہ دولت مند اور مالدار طبقے ہی کا اثر ان پر غالب ہوتا ہے اس کا

انجام بد ہماری آنکھوں کے سامنے ہے غریب و بے چارہ عوام بیدار ہو چکے ہیں احساس خودی

انکے دلوں میں تڑپنے لگا ہے قوت ضبط و نظم کی بھی کمی نہیں ہے سرمایہ داری کے خلاف منظم

صف آرائی ہو رہی ہے، اور طرفین کی اس کشمکش کی بدولت رفتہ رفتہ دنیا امن و سکون کی نعمت سے

محروم ہوتی جاتی ہے، اگر حکومتیں،

جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اس حکمت عملی پر چلتیں تو سرمایہ داری و بے مائیگی کی

موجودہ کشمکش امن سوز عالم نہ بن سکتی: انما عماد الدین و جماع المسلمین

والعدۃ للاعداء العامة من الامة فليكن صغوک لهم ومیلک معهم، وہ فقذ عوام الناس ہی ہیں جو دین کے ستون اور نظام مسلمین کا دار و مدار ہوتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں فوج کا کام دیتے ہیں۔ لہذا تمہارا رجحان خاطر اور میل قلب صرف انہیں کی طرف ہونا چاہئے۔ (نہج البلاغہ: خط ۵۳)

رہنمایان اسلام کیلئے خدا کے مخصوص احکام و ہدایات،
سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں،
شاہانہ طریقے اختیار نہ کئے جائیں۔

غریبوں کی ذہنیت و خیال کو بلند رکھنے اور مفلس کی کلفت سے بچانے کے واسطے حکومت الہیہ و سلطنت ربانیہ کے نمائندے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں۔ معیار معیشت ادنیٰ سے ادنیٰ انسانوں کے برابر بلکہ ان سے بھی کمتر رکھیں نہ امیرانہ وجاہ و جلال نہ سرمایہ دارانہ تمکنت، نہ شاہانہ شان و شوکت، نہ حاکمانہ و رئیسانہ طرز زندگی۔ بلکہ وہ مسکین ہوں اور مسکینوں کے ساتھ بے تکلف بیٹھنے والے اور سیرت نبویہ، مسکین جالس مسکینا، پر چلنے والے۔

آداب شاہانہ کی ممانعت

حضرت ابو ذر ناقل ہیں: رأت سلمان و بلالا یقبلان الی النبی اذا سلمان علی قدم رسول اللہ ﷺ یقبلها فزجر النبی ﷺ عن ذلک ثم قال له یا سلمان لا تصنع بی ما یصنع العاجم بملوکھا انا عبد من عبید اللہ اکل مما یاکل العبد واقعد کما یقعد العبد. (سفینۃ البحار: ج ۳: ص ۳۹۲)

میں نے دیکھا کہ سلمان و بلال خدمت نبی میں حاضر ہوئے، سلمان جھکے اور قدم مبارک چومنے لگے، اس پر حضرت نے انہیں زجر فرمایا اور کہا کہ اے سلمان ہمارے لئے اس قسم کے تعظیہی برتاؤ نہ کیا کرو، اہل عجم اپنے بادشاہوں کیلئے کرتے ہیں، میں خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، غلاموں کی غذا میری غذا ہے اور غلاموں ہی کی طرح سے میرا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

آنحضرت کے سیر و آداب کے ذیل میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: خمس لا ادعہن حتی الممات الا کل علی الحضيض مع العبد، و رکوبی الحمار موکبا و حلبنی العنز ببدی، لبس الصوف و التسلیم علی الصبیان لتکون سنة من بعدی۔ میں پانچ باتوں کو مرتے دم تک نہ چھوڑوں گا۔ غلاموں کے ساتھ زمین پر پیٹھ کر کھانا۔ اور دنیویں کو اپنے ہاتھ سے دوہنا، بالوں کے کپڑے پہننا اور بچوں کو سلام کرنا تاکہ یہ بات میرے بعد عام سنت بن جائے۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۲ ص ۵۴)

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: ان الله جعلني اماما لخلقہ ففرض علی التقدير فی نفسی و مطعی و مشربی و ملبسی کضعفاء الناس کی یعتدی الفقیر بفقری لا یطغی الغنی بغناه، خداوند عالم مجھے خلق کا امام بنایا ہے تو مجھ پر یہ بات فرض لردی ہے کہ اپنے ذاتی آسائش اور کھانے پینے پہننے میں اتنی تنگی کروں کہ طرز زندگی غریبوں کی طرح ہو جائے تاکہ فقراء میرے فقیرانہ طرز زندگی کی پیروی کریں۔ اغنیاء اپنے مال داری کی بل بوتے پر سرکش نہ بن سکیں۔،، (الکافی: ج ۱ ص ۴۱۰)

علامہ مجلسی نے اس کلام امام کی شرح میں فرمایا ہے۔

در حاصل یہ ہے کہ اپنے امام کو دیکھیں گے کہ ادنیٰ درجہ کی معیشت پر راضی ہیں تو وہ بھی اپنی فقیری و مفلسی پر رضا مند ہو جائے گا اسی طرح سرمایہ دار جب انکو فقیرانہ طرز زندگی میں دیکھے گا

تو اس کی سرمایہ داری اس کی سرکشی پر مائل نہ کر سکے گی۔ اور وہ یہ جانے گا اگر مال داری میں خیر و خوبی ہوتی تو امام اس کے لئے اولیٰ ہوتے اور اس خیر و خوبی کو نہ چھوڑتے۔

حکومت الہیہ کے نمائندوں کے مخصوص فرائض

فقال عاصم یا امیر المومنین فعلى ما اقتصرت فى مطعمک على الجشوبة وفى ملبسک على الخشونة؟ فقال ويحك ان الله عزوجل فرض على الائمة العدل ان يقدر و انفسهم بضعفة الناس كيلا يبتغ بالفقير فقره
ایک طویل روایت میں ہے: عاصم نے عرض کی اے امیر المومنین: پھر کس وجہ سے آپ نے بدمزہ کھانے اور موٹے کپڑوں پر اکتفا کی ہے؟

تو فرمایا وائے ہو تجھ پر کہ خدا نے ائمہ عدل پر یہ فریضہ قرار دیا ہے کہ طریقہ زندگی کو ضعیف المال غریبوں کے برابر رکھیں تاکہ فقیروں کو ان کا فقر ہلاکت نہ کر دے۔

علامہ مجلسی نے اس کلام امام کی شرح میں فرماتے ہیں: يجب على الامام

العادل ان يشبه نفسه فى لباسه وطعامه بضعفة الناس كيلا يهلك الفقراء من الناس فانهم اذ اثاروا امامهم بتلك الهيئة و ذالك المطعم كان ادعى لهم الى سلوان لذات الدنيا الصبر عن شهواتها. یعنی امام عادل پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو لباس و غذا میں ضعیف المال غریبوں کے مشابہ بنائیں تاکہ اہل فقر ہلاک نہ ہوں۔ جبکہ وہ دیکھیں گے کہ ان کا امام انھیں کی ہیئت و صورت میں رہتے اور انھیں کے ایسے کھانا کھاتے ہیں تو یہ بات لذات دنیا سے محرومی پر ان کے لئے وجہ تسلی بنے گی، اور نفسانی خواہشوں پر صبر کرنے کا داعی اور ذریعہ۔،، (شرح نہج البلاغہ: خ: ۲۰۲)

حاکم بصرہ کے نام جناب امیر کا ایک پرزور فرمان اور ایک مالدار کی دعوت قبول کرنے پر ملامت و چشم نمائی

یا ابن حنیف فقد بلغنی ان رجلا من فتیة اهل البصرة دعاک الی
ما دبة فاسرت الیها تستطاب لک الا لو ان و تنقل الیک الجفان وما ظننت
انک تجیب الی طعام قوم، عائلهم مجفو و غنیهم مدعوا: (نہج البلاغة: خط ۴۵)
حضرت امیر المؤمنین نے حاکم بصرہ عثمان بن حنیف کو تحریر فرمایا:۔ اے ابن حنیف
مجھے خبر ملی ہے بصرہ کے حوصلہ مندوں نے تمہیں ایک دعوت میں بلایا اور تم جھٹ پٹ وہاں
پہنچ گئے طرح طرح کے نفیس کھانے تمہارے سامنے چنے جاتے تھے اور پیالے تمہاری
ف بڑھائے جارہے تھے حالانکہ مجھے تو یہ خیال نہ تھا کہ تم اس قوم کی دعوت قبول کر لو گے جن
کے محتاجوں کو دسترخوان سے دور نکال دیا جاتا ہے اور اغنیاء کی ضیافت کی جاتی ہے۔

میرے لئے سیر ہو کر سونا مناسب نہیں
بنکہ ملک میں بھوکے پیٹ اور جلتے کلیجے موجود ہیں

اس فرمان کا آخری حصہ یہ ہے: ولوشئت لاہتدیت الطریق الی مصفی
هذا العسل، لباب هذا القمح، وتسائج هذا القز و لكن هیہات ان یغلبنی
ہوای و یقودنی جشیع الی تخیر الاطعمة، لعل نال حجاز او بالیمامة من لا
طمع له فی القرص ولا عہد له بالشعب، او بیت مبطانا و ہولی بطون غرثی
واکباحری او کون کما قال القائل و حسبک داء ان تبیت ببطنة و حولک
اکباد تحن الی القد، أقنع من نفسی بان یقال امیر المؤمنین ولا اشار کهم فی

مکارہ الدھر اواکون اسوة لهم فی جشوبة العیش . (نہج البلاغہ: خط ۴۵)

اگر چاہتا تو میں بھی شہد مصفیٰ اور گندم خالص اور جامہ ہائے ریشمین کی طرف راہ پاسکتا تھا لیکن افسوس کا مقام ہوگا کہ میری خواہش نفس مجھ پر غالب آجائے اور حرص مجھے عمدہ کھانے پسند کرنے کی طرف کھینچ لے جائے، درآنحالیکہ حجاز و یمامہ میں ایسے غریب لوگ موجود ہیں جن کو ایک روٹی کی بھی آس نہ ہو، اور وہ جانتے ہی نہ ہوں کہ پیٹ بھرنا کسے کہتے ہیں۔ کیا میں پیٹ بھی کرسوؤں جبکہ بھوکے پیٹ اور جلتے جگر میرے پاس موجود ہوں؟ کیا میں ویسا بن جاؤں جیسا کہ شافرنے کہا ہے یہی بیماری تمہارے واسطے کافی ہے کہ تم پیٹ بھرے راولوں کو سوؤ، درآنحالیکہ گرد و پیش ایسے جگر موجود ہوں جو ایک ایک ٹکڑے گوشت کے لئے آرزو مند و نالہ کش ہوں، کیا میں اپنے نفس کے لئے بس اس بات پر قناعت کر لوں کہ لوگ مجھے امیہ المؤمنین کہیں اور زمانے کی سختیوں میں انکا شریک حال اور زندگی کی بے مزگی میں ان کے لئے لائق پیروی پیشوانہ بنوں۔

حضرت امیرؓ نے زمانہ خلافت میں نہ گھر بنوایا نہ کسی کو کوئی جا گیر دی

كان فی زمان خلافته الظاهرية خمس سنين و فی خبر الاثلاثه اشهر و فی هذه المدة ما وضع اجرة على اجرة ولا لبنه على لبنه ولا اقطع قطیعة و كان قد رفع جنبه عند الخياط و رضع فیها سبعین رقعة حتى قال والله لقد رقت مدرعتی هذه حتى استحیت من راقعها ان . (نہج البلاغہ: خ، ۱۶۰)

حضرت علی بن ابیطالب کا زمانہ خلافت ظاہری پانچ سال تا بعض روایات کی بنا پر اس سے بھی تین مہینہ کم، مگر اس میں آپ نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی نہ کوئی جاگیر عطا کی۔ درزی سے اپنے جبے میں پیوند سلواتے تھے۔ اور ستر پیوند اس میں ہو سکے تھے تب خود فرمایا کہ

مجھے درزی سے اب یہ کہنے شرم آتی ہے کہ ابھی اور پیوند لگائے۔

حضرت امیر المومنینؑ کا سادہ سے سادہ طرز زندگی

كان على ياكل اكله العبد و يجلس جلسة العبد و ياكل على الحضيض و ينام على الحضيض و كان يحتطب و يسقى و يكنس.

حضرت امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا۔ حضرت علی علیہ السلام غلاموں کی طرح کھاتے تھے غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے زمین پر کھاتے تھے اور زمین ہی پر سوتے تھے خود اپنے ہاتھ سے لکڑیاں لاتے پانی بھرتے گھر میں جھاڑو دیتے تھے۔ (الکافی: ج ۶، ص ۲۷۱)

شاہانہ تعظیم و جلال کی شدید ترین مخالفت ذلت پسندی کی ذہنیت و غلامانہ رسوم کا سد باب

قال عليه السلام و قد لقيه عند مسيره الى الشام دهاقين الانبار فترجلوا له و اشتدوا بين يديه: ما هذا الذي صنعتموه؟ فقالوا: خلق منا نعظم به امراءنا: فقال عليه السلام والله ما ينتفع به امرؤكم وانكم لتشقون به على انفسكم في دنياكم وتشقون به في آخرتكم وما اخسر المشقة وراها العقاب و اربح الدعة معها الامان من النار. (نہج البلاغہ: کلمات قصار ۳۷)

نہج البلاغہ میں منقول ہے: اثناء سفر شام انبار کے کچھ زمیندار آ کر ملے جب سامنے آئے تو تعظیم کے لئے سوار یوں سے اتر کر پیدل جلوس میں دوڑتے ہوئے چلے، یہ دیکھ کر حضرت نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، کیوں پایادہ اس طرح چلنے لگے؟ انھوں نے عرض کی

ہماری خصلت ہی یہی ہے، ہم اپنے امراء کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں، یہ سنکر حضرت نے فرمایا۔ تمہاری اس حرکت سے تمہارے امیروں کو فائدہ نہیں پہونچتا، اور تم اس عادت کی وجہ سے دنیا میں اپنی جانوں کو ناحق تکلیف میں ڈالے ہو، اور آخرت میں بدنصیب قرار پاتے ہو۔ اور وہ مشقت جسمانی کتنی نقصان دہ ہے جس کا انجام عذاب آخرت ہو، اور وہ بدنی راحت کتنی سودمند ہے جس کے ساتھ دوزخ کی آگ سے بھی امان نصیب ہو۔

شارحین نہج البلاغہ علامہ ابن حدید اور علامہ ابن میثم نے اس کلام کی شرح میں فرمایا کہ مقصود کلام جناب امیرؑ اس بات پر تنبیہ کرنا تھا کہ غیر خدا کے سامنے جھکنا اور خضوع کرنا سودمند ہے، غیر خدا کی ایسی تعظیم جو صرف سزاوار خدا ہو جائز نہیں۔

اسلامی تعلیمات کا رد عمل مسلمانوں کی طرف سے حضرت رسالتؐ کی چند پیشینگوئیاں جو واقع ہو چکیں

حکومت اور عامۃ الناس کی نظروں میں زرو مال کا معیار عزت و شرف و شرافت ہونا ہی دولت طلبی و جمع مال و متاع کی ہوس پیدا کرتا ہے اور مستحق اعزاز و اکرام ہونے کی خواہش ہی ذخائر دولت فراہم کرنے کی رغبت دیتی ہے، جب یہ بات نہ رہی تو حب مال و متاع کی بنیاد ہی ختم ہوگئی۔ اگر اسلام کا یہ نظریہ دنیا میں قائم رہ جاتا اور اس کے مال و متاع کی قدر و وقعت افراد انسانی کی نگاہ میں گھٹانے کی اس عملی تدبیر کا خود مسلمان ہی کی طرف سے رد عمل نہ ہوتا تو سرمایہ داری کی فاسد ذہنیت اور اس کے برے ثمرات و نتائج کا عالم سے خاتمہ ہو جاتا، افسوس ہیکہ مسلمانوں کے بدلے ہوئے نشریات نے حضرت رسالتؐ پناہ کی ان اخبار غیب کے اک اک حرف کی سچائی بہت جلد ظاہر کر دی، اور عالم اسلامی اسی بلا میں گرفتار ہو گیا جس سے نجات دلانا اسلام کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

۱. عن رسول اللہؐ انه قال اذا افتحت علیکم فارس والروم ای قوم انتم . قال عبد الرحمن بن عوف نכון کما امرنا اللہ قال رسول اللہ او غیر ذلک تنافسون ثم تنحاسدون ثم تتدابرون ثم تتباغضون اولخو ذلک ثم تنطلقون فی مساکن المهاجرین فتجعلون بعضهم علی رقاب بعض .

مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے صحابی سے فرمایا کہ جب فارس و روم کی فتح تمہیں نصیب ہوگی تو اس وقت تم کس طرح کے لوگ ہو گے؟ عبد الرحمان بن عوف بولے کہ ہم ویسے ہی رہیں گے جیسا کہ حکم الہی ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں تمہارا حال اس کے خلاف ہوگا۔ تم دنیا کی طرف بے حد راغب ہو گے، پھر باہم حد کرو گے پھر تم باہمی تعلقات قطع کر دو گے، پھر ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے پھر محتاج و غریب مهاجرین کی طرف چلو گے اور بعض کو بعض کی گردن پر سوار کر دو گے۔ (مسلم کتاب الزہد) حدیث کے آخری جملے ”ثم تنطلقون“ الخ، کے متعلق (حاشیہ سنن ابن ماجہ ۲۹۷) میں ہے

لا یحییکم هذه الصفات حتی تاخذون حقوق مساکن المهاجرین ولا یبقی لہم ما یرحلون بہ . انھیں صفتوں پر اکتفا نہ ہوگی، بلکہ یہاں تک نوبت پہونچے گی کہ مسکین و غریب مهاجرین کے حقوق پر قبضہ کر لو گے ان کے پاس اتنا بھی نہ رہ جائیگا جو ان کے لئے زاد راہ بن سکے۔

۲. ما الفقرا خشی علیکم ولکنی اخشی علیکم ان تبسط الدنیا

علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوها کما تنافسوها فتہلکم کما اہلکم (مسلم کتاب الزہد)

مجھے اس کا خوف تو نہیں ہے کہ تمہیں فخر کا سامنا ہوگا لیکن اس بات کا خوف ضرور ہے

کہ دنیا تمہارے لئے اسی طرح کشادہ کر دی جائیگی جس طرح اگلی امتوں کے لئے ہو چکی ہے اور دنیا طلبی کے مقابلے تمہارے درمیان بھی ویسے ہی ہونے لگیں گے جیسے اگلے لوگوں میں ہو چکے ہیں۔ اور یہ رغبت دنیا تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دیگی جس طرح ان کو ہلاک کر چکی ہے

اسلامی نظام معیشت

مال و زر کی ذخیرہ اندوزی کو بدترین جرم قرار دیتا ہے

اسلام کا نظام معیشت مال و متاع کی ذخیرہ اندوزی اور دولت و ثروت کے خزانے

بھرنے کی عادت کو سنگین اور قابل تہدید جرم قرار دیتا ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۴) يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ

وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنْزْتُمْ لَأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ

(۳۵) (التوبہ)

جو لوگ سونے اور چاندی کے ذخیرے جمع کرتے ہیں اور انکو خدا کی راہ میں خرچ

نہیں کرتے (اے رسول) انکو دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس دن وہ سونا چاندی جہنم کی آگ

میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانی، پہلوؤں، پٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے (اور

ان سے کہا جائیگا) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا (اب) اپنے جمع کئے

ہوئے خزانے کا مزہ چکھو:-

ضرورت سے زیادہ زرو مال تمہیں اس لئے نہیں دیا گیا کہ اسکے خزانے جمع کر رکھو

حدیث میں ہے: انما اعطاکم اللہ ہذہ الفضول من الاموال لتوجهوها

حيث وجهها الله تعالى ولم يعطكم لتكنزوها (تفسیر صافی ۲۲۲)

خدا نے یہ ضرورت سے زیادہ مال تمہیں اس لئے عطا کیا ہے کہ اسے ادھر صرف کرو
جدھر خدا نے حکم دیا، اس لئے نہیں دیا ہے کہ اس کے خزانے جمع کر رکھو۔ (الکافی: ج ۴، ص ۳۳)
اس نے محض اس زبانی تہدید اور اخروی نتائج کی خرابی سے تخویف ہی پر اکتفا نہیں کی
ہے بلکہ اس بری عادت کے انسداد کے لئے ایک عملی قدم یہ بھی اٹھایا ہے کہ سونے چاندی کے
سلوں کے ہر اس ذخیرہ پر زکوٰۃ واجب کر دی جو سال بھر ایک جگہ بند پڑا رہے کسی کاروبار میں نہ
لگایا جائے۔

اسلام کے اس قانون کی مصلحت و غرض ظاہر ہے۔ ایک صرف ذخیرہ اندوزی کی
خرابیوں سے بچانا مقصود ہے، دوسری طرف کاروبار کی ترقی کے طریقوں کو فروغ دینا جو صرف
روپے کی گردش ہی پر موقوف ہے، بند پڑے ہوئے ذخائر سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا،
دوسروں کا ذکر کیا خود ان کے مالک ہی کو ان سے تازہ منفعت حاصل نہیں ہوتی ایسے ذخائر مال
پر زکوٰۃ فرض کر کے یہ ہدایت کی ہے کہ اصل فائدہ ان کو کاروبار میں لگانے میں ہے نہ کہ خزانوں
کے اندر مقفل رکھنے میں۔

اسلام کا عام معاشی اصول دولت کی گردش صرف دولت مندوں کے طبقے میں محدود نہ رہنے پائے

قرآن مجید صاف و صریح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ سرمائے کا طبقہ اغنیاء کے اندر محدود ہو کر عوام کی نکبت و افلاس ہلاکت کا باعث بن جانا بدترین جرم ہے جس کا انسداد نظام اسلامی کا اعلیٰ و اہم مقصد ہے۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (۷)
جو مال خدا نے اپنے رسول کو گاؤں والوں سے بے لڑے دلوا یا ہے وہ خدا و رسول
(اور رسول کے) قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے تاکہ تم میں سے جو لوگ
دولت مند ہیں دولت کی گردش ہر پھر کر انھیں کے اندر محدود نہ ہونے پائے۔ (الحشر)

زرو مال کی خرچ کی بابت تاکید احکام

جس طرح کسب مال و دولت کا حکم دینے میں اسلامی نظام نے اہتمام خاص ملحوظ رکھا
ہے اور اس نظریہ کی ہر ممکن تصریح کردی ہے کہ ہر آدمی کو بقدر استطاعت و مشقت برداشت
کر کے اسباب معیشت خود حاصل کرنا چاہئے، اس طرح خرچ مال و زر کے تاکید احکام بھی
جاری کئے ہیں اور خرچ کی مدت بھی بصراحت بتادی ہے، اسلامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ:-
مناسب طریقے سے دولت کماؤ اور نفع خلق اللہ کے اعلیٰ مقاصد میں خرچ کرو، صرف چند احکام

یہاں نقل کئے جاتے ہیں انھیں سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ اسلام کا نصب العین کیا ہے۔

۱. لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُؤُوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ

ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ

الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ

وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (۱۱۷)

نیکی کچھ یہی بات نہیں ہے کہ (نماز میں) اپنے منہ پورپ یا کچھم کی طرف کرو، بلکہ

نیکی تو وہ ہے جو خدا و آخرت کے دن اور فرشتوں اور عذاب کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان

لائے اور اس کی محبت میں اپنا مال قربتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور غریب

مانگنے والوں کو دے اور (لونڈیوں غلاموں) آزاد کرانے میں (صرف) کرے اور نماز کا پابند ہو

اور زکوٰۃ دیتا رہے اور عہد و پیمان کرنے کے بعد پورا کرنے والے۔ تنگی اور تکلیف اور جہاد کے

کٹھن وقت میں ثابت قدم رہنے والے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (ایمان کے دعویٰ) کو سچ

لر دکھایا، اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ (الفقرہ)

اس آیہ مبارکہ میں تمام کمالات انسانیہ مذکور ہیں:

عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے جتنے کمالات انسانیہ تصور میں آسکتے ہیں وہ سب اس آیہ

مبارکہ میں یکجا جمع کر دیئے گئے ہیں۔ صرف اسی کو پیش نظر رکھ کر یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اسلام

کا برترین نصب العین کیا ہے اور وہ انسان کو کمالات و سعادت کے کن اعلیٰ مراتب پر فائز دیکھنا

چاہتا ہے۔ اس لئے حضرت سالتما صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ عَمِلَ بِهَذِهِ الْآيَةِ فَقَدْ

استكمل الايمان. جس نے اس آیت پر عمل کیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

بلند پایا مفسر جناب محسن فیض کاشانی فرماتے ہیں:

قيل الآية كما ترى جامعة للكمالات الانسانية باسرها دالة عليها صريحا او ضمناً فانها بكثرتها و تشتتها منحصرة في ثلاثة اشياء: صحة الاعتقاد، و حسن العاشره، و تهذيب النفس و قد اشير الى الاول بقوله (من آمن الى النبيين)، و الى الثاني بقوله (و اتى المال الى و فى الرقاب، و الى الثالث بقوله و اقام الصلوة الى اخرها)، و لذلك وصف المجتمع بها بالصدق نظراً الى ايمانه و اعتقاده و بالتقوى اعتباراً بمعاشرته للخلق و معاملته مع الخلق.

کہا گیا ہے کہ (علماء کا ہی قول) کہ یہ آیت جیسا کہ تم دیکھتے ہو جملہ کمالات انسانی کہ جامع ہے اور ان سب کہ طرف صریحاً یا ضمناً رہنمائی کرتی ہے اور کمالات انسانیہ تین چیزوں میں منحصر ہیں: (اول) صحیح عقائد۔ (دوم) حسن معاشرت (سوم) تہذیب نفس: من آمن لے کر النبيين تک قول خداوندی میں پہلی چیز یعنی صحت اعتقاد کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسری چیز یعنی حسن معاشرت کا: و اتى المال سے و فى الرقاب تک تذکرہ ہے۔ اور تیسری چیز یعنی تہذیب نفس کا تذکرہ ہے: اقام الصلوة سے آخر تک ہے۔ اور ان صفات کمال کے جامع انسان کا وصف بنظر اس کے ایمان و اعتقاد کے۔ صدق۔ سے کہا ہے اور خلق کے ساتھ حسن معاشرت اور حق تعالیٰ کے ساتھ خوبی معاملہ کے اعتبار سے اس کو۔ تقویٰ۔ سے موصوف کیا ہے۔

مال خدا کا ہے وہی مالک حقیقی ہے:

۲. آمنوا بالله ورسوله و انفقوا مما جعلکم مستخلفين فيه فالذين

امنوا منکم و انفقوا لهم اجر کبير. (الحديد: ۷)

اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور جس مال میں تمکو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں (راہ خدا

میں) خرچ کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہوں ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اس بات طرف اشارہ ہے کہ اسباب معیشت کا مالک حقیقی خدا ہے اور اس نے اپنے نائب کی معیشت سے بندوں کو عطا فرمایا ہے تاکہ وہ حقداروں تک پہنچائیں۔
حدیث قدسی میں ہے: مال میرا ہے مالدار میرے وکیل ہیں اور فقراء و اہل احتیاج میرے عیال ہیں پھر اگر میرا وکیل میرے عیال کو میرے مال سے خرچ نہ دیگا تو میں اسکو جہنم میں داخل کر دوں گا اور مجھے اس کی کچھ پروا نہ ہوگی۔

مالداروں پر زکوٰۃ و خمس ایسے واجب حقوق کے علاوہ دوسرے انسانی حقوق

۳. وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات: ۱۹)۔

۱۔ کے اموال میں مانگنے والے اور محروموں کا معین حق ہے،

۲۔ ایت میں زکوٰۃ و خمس ایسے صدقات واجبہ کا ذکر نہیں جن کا ادا کرنا ہر صاحب مال پر فرض کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی مالداروں پر انسانی حقوق عاید کئے گئے ہیں۔ انہیں کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ روایات ذیل اس پر شاہد ہیں:

(الف) بعض صحابہ نے حضرت رسالت مآب سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ مال میں

زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور حق بھی ہے؟ تو فرمایا: نعم بر الرحمة اذا دبرت واصله

الجار المسلم فما امن به من بات شعباناً و جاره المسلم جاء، ثم قال: ما زال

جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثنی

ہاں صلہ رحمی اور ہمسایہ سے حسن سلوک وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں رکھتا جو سیر ہو کر رات کو بسر کرتا

ہے جبکہ اس کا ہمسایہ بھوکا ہے، جبرئیل نے پڑوسی سے متعلق اتنی تاکید و سفارش کی کہ میں سمجھا

پڑوسی کو بھی میری میراث میں سے ملے گا۔ (وسائل الشیعہ ج ۹ ص ۵۳)

(ب) ابو بصیر راوی ہیں۔ کنا عند ابی عبداللہ و معناه بعض اصحاب

الاموال و ذکر الزکوٰۃ فقال ابو عبداللہ ان الزکوٰۃ لیس یحمد بها صاحبها
انما هو شئی ظاہر انما هو حقن بہ دمہ و سمی مسلما و ان علیکم فی
اموالکم غیر الزکوٰۃ فقلت اصلحک اللہ و ما علینا فی اموالنا غیر الزکوٰۃ
فقال سبحان اللہ اما تسمع اللہ یقول فی کتابہ و الذین فی اموالہم حق معلوم
للسائل و المحروم۔ (الکافی: ج ۳، ص ۴۹۹)

ہم لوگ جناب ابو عبداللہ جعفر صادق کی خدمت میں حاضر تھے اور ہمارے ساتھ کچھ
دولتمند لوگ بھی تھے ”زکوٰۃ“ کا تذکرہ ہوا تو حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ زکوٰۃ پر
صاحب زکوٰۃ مستحق تعریف و ثناء نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک ظاہری چیز ہے، جس کے ذریعہ سے انسان
کا خون محفوظ ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ مسلم کہلاتا ہے تم پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالی فرائض عاید
ہوتے ہیں، عرض کی ارشاد ہو زکوٰۃ کے علاوہ ہمارے اموال میں اور کون سے فرائض ہم پر عاید
ہوتے ہیں۔؟ سبحان اللہ تم نے نہیں سنا کہ خداوند عالم اپنی کتاب میں فرمایا: وَفِي أَمْوَالِهِمْ
حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات: ۱۹)

(ج) حضرت علی بن الحسین علیہ السلام نے فرمایا: الحق المعلوم الشئی یخرجہ من
مالہ لیس من الزکوٰۃ ولا من صدقۃ المفوضین فقال لہ الرجل فما یصنع فقال
یصل بہ رحما و یقوی بہ ضعیفا و یحمل بہ کلا او یصل بہ اخالہ فی اللہ۔

(د) حضرت امام علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا: حق معلوم سے مراد زکوٰۃ یا کوئی
اور صدقہ واجب نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسرا حق مراد ہے جسے انسان کو اپنے مال میں سے

نکالنا چاہئے، پوچھنے والے نے کہا کہ اس حق کو مال سے نکال کر کیا کرے؟ فرمایا قرا بتداروں کو دے کمزوروں کو قوت پہنچائے کسی حاجت مند کا بار اپنے اوپر لے، یا کسی دینی بھائی کی مدد کرے۔
(الکافی: ج: ۳، ص ۴۹۹)

محتاجوں کی مالی امداد کی عظمت کا اظہار

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبہ: ۱۰۴)

کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ اللہ یقیناً اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو لیتا ہے، اور یقیناً وہ توبہ کا بڑا قبول کر نیوالا مہربان ہے۔
اس آیہ مبارکہ میں یہ کہا گیا ہے کہ خیرات و صدقات جو محتاجوں کو دیئے جاتے ہیں وہ خدا کے ہاتھوں میں جاتے ہیں۔

حدیث نبویؐ ہے: ان الصدقة تقع في يد الله قبل ان تصل الى يد السائل، صدقہ خدا کے ہاتھ میں پڑتا ہے قبل اس کے کہ سائل کے ہاتھ میں پہنچے۔ (تفسیر صافی: ج ۲ ص ۳۷۲)

یہ انداز بیان محتاجوں اور حقداروں کی مالی امداد کی عظمت و اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے

کار خیر کی اہمیت

وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (۲۷۲) وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلْأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (البقرہ: ۲۷۳)

اور تم جو کچھ کار خیر میں خرچ کرو گے تو اپنے لئے اور تم خدا کی خوشنودی کی طلب کے

سوا اور کام میں خرچ کرتے ہی نہیں اور جو کچھ کار خیر میں خرچ کرو گے (بروز قیامت) تم کو پھر واپس مل جائیگا اور تمہارا حق مارا نہ جائیگا۔

بخل کی مذمت

مَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (التغابن: ۱۶)
مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ
سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ (سورہ بقرہ: ۲۶۱)

جو شخص اپنے نفس کی لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ اپنی دلی مراد پائیں گے۔
جو لوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان (کے خرچ) کی مثال اس دانے کی ہے جس
کی سات بالیاں نکلیں، اور ہر بالی میں سو (۱۰۰) دانے ہوں اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے
دوگنا (بھی) کر دیتا ہے۔

کس قسم کے لوگوں پر انفاق۔۔ کرنا چاہیے اس سلسلے میں چند آیتیں اور روایتیں پیش کی جاتی ہیں

ماں باپ کے حقوق

۱) وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

(الاسراء: ۲۳)

اور تمہارے پروردگار کا یہی حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ
کے ساتھ نیکی کرو:

مالی امداد کے مستحق اور ان کے درجات

۲) يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

(البقرہ: ۲۱۵)

(پیغمبر) یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں (کن لوگوں پر) تو تم ان سے کہو کہ جو کچھ نیک کمائی سے خرچ کرنا ہے وہ (تمہاری) ماں باپ اور قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے اور جو اچھا کام کرو گے خدا اس سے ضرور واقف ہوگا۔

خود دار غریبوں پر خاص نظر عنایت

۳) لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (البقرہ: ۲۷)

(تمہاری طرف سے مالی امداد) خاص ان حاجتمندوں کا حق ہے جو خدا کی راہ میں گھر گئے ہوں اور روئے زمین پر (اگر جانا چاہیں تو) چل نہ سکتے ہوں، ناواقف ان کو امیر سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ بہ لحاظ خود داری کسی سے سوال نہیں کرتے لیکن تم ان کی صورت ہی سے پہچان جاؤ گے (کہ وہ محتاج و مستحق افراد ہیں اگرچہ) لوگوں سے سوال نہیں کرتے، اور جو کچھ تم مصرف یر میں خرچ کرتے ہو خدا اس کو ضرور جانتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنَ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبہ: ۶۰)

مال زکوٰۃ (وغیرہ) تو فقیروں کا محتاجوں کا حق ہے اور (ان) کارندوں کا (جن کے متعلق ان کا وصول کرنا ہے) اور انکا جن کی تالیف قلب کی گئی ہو اور غلاموں کو آزاد کرانے اور ان

قرضداروں کا قرض ادا کرنے میں (جو نادر ہیں) اور خدا کی راہ میں (جہاد وغیرہ) اور مسافروں کی امداد میں خرچ کرنا چاہئے (یہ حقوق) خدا کی طرف سے واجب قرار دیئے گئے ہیں اور خدا بڑا عالم اور صاحب حکمت ہے۔

انسانی حقوق دوسرے کار خیر پر مقدم ہیں

اتی رجل الى النبي بدینارین فقال یا رسول الله ارید ان احمل بهما فی سبیل الله قال الک والدان او احدهما؟ قال: نعم قال اذهب وانفقهما علی والدیک فهو خیر لک ان تحمل بهما فی سبیل الله فرجع ففعل ۱۰۰ اتاه بدینارین اخیرین فقال: یا رسول الله قد فعلت هذان دیناران ارید ان احمل بهما فی سبیل الله قال لک ولد قال نعم قال اذهب فانفقهما علی ولدک فهو خیر لک ان تحمل بهما فی سبیل الله فاتاه فرجع بدینارین اخیرین فقال یا رسول الله قد فعلت و هذان دیناران ارید ان یحمل بهما فی سبیل الله فقال الک زوجة؟ قال نعم، قال بهما فی سبیل الله انفقهما علی زوجتک فهو خیر لک ان تحمل بهما فی سبیل الله فرجع ففعل فاتاه بدینارین اخیرین فقال یا رسول الله قد فعلت و هذان دیناران ارید ان احمل بهما فی سبیل الله فقال لک خادم، قال نعم، قال فاذهب انفقهما علی خادمک فهو خیر لک من ان تحمل بهما فی سبیل الله ففعل فاتاه بدینارین اخیرین فقال یا رسول الله انی ارید ان احمل بهما فی سبیل الله فقال احملهما واعلم بانهما لیسا بافضل من دنانیرک (لنالی الاخبار)

روایت ہے، ایک شخص حضرت رسالتاً کی خدمت میں دو اشرفیاں (دینار کا

ترجمہ مصنفہ نور اللہ مرقدہ نے اشرفیاں کیا ہے جو کہ سونے کی ہوا کرتی تھیں دینار کی طرح) لے کر حاضر ہوا، اور عرض کی کہ ان کو راہ خدا میں خرچ کرنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا۔ کیا تیرے ماں باپ ہیں، یا ان میں سے کوئی ایک؟ اس نے کہا ہاں، تو فرمایا کہ جا اور ان اشرفیوں کو ماں باپ پر خرچ کر یہ بات تیرے حق میں راہ خدا میں صرف کرنے سے بہتر ہوگی، وہ گیا اور تعمیل حکم کر کے دوسری دو اشرفیاں لئے ہوئے پھر آیا، اور کہنے لگا کہ میں حکم بجالایا اور یہ دو اشرفیاں ہیں ان کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ تیرے کوئی لڑکا ہے؟ اس نے عرض کی ہاں، حضرت نے فرمایا جا اور ان دیناروں کو اپنے بیٹے پر خرچ کر یہ بات تیرے لئے بہ نسبت راہ خدا میں صرف کرنے سے بہتر ہے، وہ پلٹا اور تعمیل ارشاد کر کے دو اشرفیاں لئے ہوئے پھر حاضر خدمت ہوا اور انھیں راہ خدا میں خرچ کرنے کی خواہش کی تو حضرت نے فرمایا کہ تیرے پاس زوجہ ہے اس نے کہا ہاں حضرت نے فرمایا جا اور ان دیناروں کو اپنی زوجہ پر خرچ کر یہ امر تیرے لئے بہ نسبت راہ خدا میں خرچ کرنے سے بہتر ہے وہ واپس گیا اور بموجب حکم عمل کر کے دو اشرفیاں لئے ہوئے بھر آیا تو حسب سابق راہ خدا میں صرف کرنے کی درخواست کی حضرت نے فرمایا کہ تو کوئی خدمتگار رکھتا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو حضرت نے فرمایا جا اور ان دیناروں کو اپنے خادم پر صرف کر، یہ امر تیرے لئے راہ خدا میں خرچ کرنے سے بہتر ہوگا، اس نے اس ارشاد پر عمل کیا، اور دو اشرفیاں لئے ہوئے پھر حاضر خدمت ہوا اور راہ خدا میں خرچ کرنے کی خواہش کی، تو فرمایا، اچھا مگر جان لینا کہ یہ دونوں دینار تیرے سابق دیناروں سے بڑھ کر نہ ہونگے۔

نیز حدیث نبوی ہے: لا صدقة وذو رحم محتاج. صدقہ نہیں جبکہ قرابتدار محتاج ہوں۔

(من لا یخضرہ الفقہ: ج ۲: ص ۶۸)

کس قسم کی چیزوں کو

راہ خدا میں صرف کرنا چاہئے

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (سورہ آل عمران: ۹۲)

کس قسم کی چیزیں مصرف خیر میں صرف کرنی چاہئیں اس کے متعلق چند ہدایات ہیں جبکہ تم ان چیزوں میں سے جن سے محبت رکھتے ہو خرچ نہ کرو گے ہرگز نیکی کا درجہ نہیں پاسکتے۔

۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (سورہ بقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو، اپنی پاک کمائی اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے واسطے زمین سے نکالی ہیں (راہ خدا میں) خرچ کرو اور بری چیز کو خرچ کرنے کا قصد نہ کرو، حالانکہ ایسی چیز کوئی تمہیں دینا چاہے تو تم اس کے لینے والے نہیں، مگر یہ کہ اس کے لینے میں (عمداً) آنکھ چراؤ اور جان لو کہ خدا بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے: ان الله طيب لا يقبل الا الطيب ”خدا پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔“

راہ خدا میں دینے کے حدود و قیود کو بھی اسلام نے نظر انداز نہیں کیا ہے، اس سلسلہ کی چند آیتیں ملاحظہ ہوں:

اپنے احسانوں کو احسان جتا کر اور دکھ دیکر برباد نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ
مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ
فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (سورہ بقرہ: ۲۶۴)

اے ایمان والو! اپنے صدقوں کو احسان جتانے اور (سائل کو) دکھ دینے سے اکارت
نا کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور خدا اور آخرت
کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، اسکی (خیرات) اس صاف چٹان کی سی ہے جس پر مٹی ہو، پھر اس پر
زورہ مینہ برے اور اسے (اس کی مٹی بہا کر) بالکل صاف چکنی چھوڑ دے۔

اکاروں کو اس خیرات میں سے جو انھوں نے کی ہے کچھ بھی ہاتھ نہ آئیگا اور خدا
کافروں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا:-

سچی خیرات کی اعلیٰ مثال

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْبِيهًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ
بَرْبُورَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ (سورہ بقرہ: ۲۶۵)

جو لوگ اپنے مال کی رضا جوئی میں اور اپنے دلی مضبوط اعتقاد سے خرچ کرتے ہیں، انکی
مثال اس (سرسبز) باغ کی سی ہے جو کسی اونچی زمین پر لگا ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسے تو وہ
دو گنے پھل لائے۔

ریاءِ شرک اصغر ہے: حدیث رسولؐ ہے: انی اخوف ما اخاف علیکم الشرک
الاصغر۔ قالوا: وما شرک الاصغریا رسول اللہ؟
فقال: الرياء

سب سے زیادہ ڈراؤنی چیز جس کا مجھے تم سے ڈر ہے شرک اصغر ہے کسی نے پوچھا کہ ”شرک
اصغر“ کیا ہے؟ فرمایا ”ریا کاری“

چھپی ہوئی خیرات کی فضیلت

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (سورہ بقرہ: ۲۷۱)
اگر تم صدقات کو کھلے طور پر دو تو یہ (بھی) اچھی بات ہے اور اس کو چھپا کر محتاجوں
کو دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے (ایسے صدقے) تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دیگے اور تم جو کچھ
کرتے ہو خدا اس سے خبردار ہے۔

اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال غریبوں پر خرچ کرو

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ، قُلِ الْعَفْوُ (سورہ بقرہ: ۲۱۹)
(اے رسول) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کیا خرچ کریں تو تم (ان
سے) کہو کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے بچے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: العفو هو الوسط من غیر اشراف
ولا اقتار: (تفسیر نور الثقلین: ج: ۲ ص: ۲۱۰)

العفو سے مراد اوسط درجہ ہے جس میں نہ فضول خرچی ہو نہ تنگ دلی۔

نیز امام باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے، ما فضل عن قوت السنۃ ”العفو“ سے مراد وہ مال

ہے جو سال بھر کی خرچ خوراک سے بچ رہے۔ (مجمع البیان: ج ۱ ص ۳۱۶)

ایک اور روایت میں ہے: ما فضل عن الاہل والعیال ”العفو“ سے مراد وہ مال ہے جو اہل و عیال کے خرچ سے بچ رہے۔“

حد اعتدال کا خیال رکھو،

راہ خدا میں خرچ کرو مگر ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (سورہ بقرہ: ۱۹۵)

خدا کی راہ میں اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی کرو، بیشک خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لو ان رجلا انفق ما في يديه في سبيل الله ما كان احسن ولا وفق

للخى: . اليس يقول الله ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة واحسنوا ان الله يحب

المحسنين . يعنى: المقتصدين . (تفسير صافی: ج ۱ ص ۲۳۰)

اگر کوئی شخص جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے راہ خدا میں سب خرچ کر ڈالے تو یہ بات

کچھ اچھی نہ ہوگی، اور نہ مناسب، کیا خداوند عالم نے یہ نہیں فرمایا کہ محسنین سے مراد وہ لوگ ہیں

جو خرچ میں اقتصاد و اعتدال اختیار کرتے ہیں:

خیرات میں سب مال و سرمایہ خرچ کر کے

خود محتاج نہ بن جاؤ

حدیث نبیؐ ہے: یجىء احدکم بما له کله یتصدق به و یجلس یتکفف

الناس انما الصدقة عن ظهر غنى (متدرک الوسائل: ج ۷ ص ۲۴۰)

تم میں سے کوئی شخص اپنا تمام مال خیرات میں دے کر مفلس ہو بیٹھے اور لوگوں کے آگے سوال کا ہاتھ پھیلانے لگے (یہ پسندیدہ نہیں ہے) صدقہ تو بس وہی ہے جس کی خوش حالی باقی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے مال کا ایک حصہ مستقبل پر نظر کرتے ہوئے محفوظ رکھنا چاہئے، صرف کرنے کے بعد بھی کچھ مال پس انداز ہونا چاہئے تاکہ بوقت حاجت کام آئے، اتنا نہ صرف کر دیا جائے کہ مفلس ہونا پڑے اور دوسروں کے سامنے دست سوال پھیلانا پڑے۔

حالات انسانی اور نفوس کی قوت صبر و ضبط مختلف ہوا کرتی ہے، عام حالات اور عام نفوس کے اعتبار سے حکم شرع اسلامی وہی ہے جو منقولہ بالا آیات و احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر مخصوص حالات اور خواص افراد کے لئے ”ایثار علی النفس“ اول و افضل قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ باوجود ذاتی حاجت کے دوسروں کو ترجیح دینا اخلاق کا بلند ترین درجہ کمال ہے۔

ملکہ ایثار اخلاق کا بلند ترین درجہ کمال ہے

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر: ۹)

ارشاد خداوندی ہے: اگرچہ ان کو ذاتی حاجت سے تنگی ہی کیوں نہ ہو مگر وہ

دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو اپنے نفس کو حرص سے بچالے گئے وہی اپنی دلی مراد پاویں گے۔“

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی ابان راوی ہیں کہ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مومن پر مومن کا کیا حق ہے؟

تو فرمایا: یا ابان تقاسمه شطر مالک ثم نظر الی فرای ما دخلنی،

فقال: یا ابان اما تعلم ان الله قد ذکر الموترین علی انفسهم؟ قلت بلی جعلت

فداک، فقال: اذا انت قاسمته فلم توثره بعد، انما انت و هو سواء، انما

توثره اذا اعطيته من النصف الآخر. (الکافی: ج ۲، ص ۱۷۲)

اے ابان! تم اپنا مال اس کے اور اپنے درمیان برابر تقسیم کرلو، یہ فرما کر حضرت نے میری طرف دیکھا، اور میرے دل میں جو خیال آ رہا تھا اس کو محسوس کیا، تو فرمایا اے ابان! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا نے ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں مولا آپ پر میری جان قربان: تو فرمایا جب تمہیں اس برادر مومن کو اپنے مال کا نصف حصہ دیا تو بھی تم نے ایثار نہیں کیا۔ کیونکہ ابھی تو تم اور وہ دونوں برابر ہیں، ایثار تو اس وقت ہوگا جب تم اپنے نصف حصہ میں سے بھی اس کو کچھ دیدو۔

زندگی میں اپنے ہاتھ سے مستحقین پر مال تقسیم کر دینا

اس سے بہتر ہے کہ

مرنے کے بعد خیرات کر نیکی وصیت کی جائے۔

ان رجلا شابا من الانصار جمع مالا کثیرا من الحلال فمرض دعاوه

رسول الله فی جماعة فقال له یا رسول الله اوصیک ان تتصدق اموالی کلها

علی الفقراء والمسکین بیدک بعد وفاتی فقبل رسول الله وصيته فلما مات

امر ببسط امواله ثم ذهب في داره و تصدق امواله كلها بیده فقال الراوی قلت فی نفسی للاغنیاء خیر الدنیا والآخرة فنظر رسول اللہ الیّ و علم ما اضمرته فاخذ ثمرة من ماله و رفع یدہ حتی ظهر ابطہ ثم نظر الیّ فقال ما الذی یدی فقلت جعلت فداک تمرہ واحدة من التمرات فقال والذی ارسلنی بالحق نبیا صدقا لو تصدق هذا الرجل بیده تمرہ واحدة لکان خیرا و مما تصدقته عنه. (لنالی الاخبار: ص ۱۱۰)

مروی ہے کہ ایک مرد انصاری نے بہت سامال بطریق حلال جمع کیا اور بیمار ہوا آنحضرت ایک جماعت صحابہ کے ہمراہ اس کی زیارت کو تشریف لائے تو اس نے عرض کی، یا رسول اللہ میری یہ وصیت ہے کہ آپ میری وفات کے بعد میرا کل مال فقیروں اور محتاجوں پر اپنے ہاتھ سے تصدق کر دیجئے گا آنحضرت نے اسکی وصیت قبول فرمائی، جب وہ مر گیا تو آپ نے کے تمام مالوں کو جمع کرنے کا حکم دیا، اور خود ان کے گھر تشریف لیجا کر اپنے دست مبارک سے محتاجوں پر تقسیم کر دیا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ مالداروں کے لئے خیر دنیا و آخرت و دنوں ہیں، اس پر آنحضرت نے میری طرف دیکھا اور میری دلی خیال پر مطلع ہو گئے تھے آپ نے ایک دانہ خرمہ ہاتھ میں لیکر ہاتھ اتنا بلند فرمایا کہ آپ کے نور بغل نظر آیا، پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ایک دانہ خرمہ ہے، فرمایا اس خدا کی قسم جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا اگر اس شخص نے اپنے ہاتھ سے ایک دانہ خرمہ تصدق کر دیا ہوتا تو اس تمام ذخیرے سے اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ جو میں اس کی طرف سے خیرات میں تقسیم کیا۔

جو کار خیر وصی کے ذریعہ سے مقصود ہو وہ جیتے جی خود کر جاؤ

اعد جہازک وقدم زادک وکن وصی نفسک ولا تقل لغيرک
یبعث الیک بما یصلحک. (الکافی: ج ۷، ص ۶۵)

جناب جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اپنا سامان خود مہیا کرو، اپنا زاد سفر پہلے بھیجوا اپنا وصی
آپ بنو،

(یعنی جو کچھ وصی کے ذریعہ کرانا مقصود ہو وہ خود کر جاؤ) کسی غیر سے نہ کہو کہ تمہاری بھلائی کا
سامان تمہارے بعد تمہاری طرف بھیجے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے: درهم یعطیہ الرجل فی صحۃ خیر من عتق رقبة عند
الموت. (جامع الاخبار: ص ۱۸۲)

تندرستی کی حالت میں دیا ہوا ایک درهم بوقت موت ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

مَاعُون یعنی روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء کے دینے میں بخل کی شدید مذمت

جو اشیاء روزمرہ کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور خانہ داری کے جس ساز و
سامان کی حاجت عموماً ہر امیر و غریب کو ہوا کرتی ہے مثلاً پانی۔ نمک۔ آگ۔ چراغ، ظروف،
فروش، اور ایسے ہی دیگر اثاث البیت، صاحب ضرورت کو ان کے دینے میں بخل کرنا نہایت
قابل مذمت فعل قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہے:

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ (۴) الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (۵) الَّذِينَ هُمْ يُرَاؤُونَ (۶)

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (۷) (سورۃ ماعون)

ان نمازوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہے اور جو دکھانے کے کام کرتے ہیں اور معمولی چیزیں روکتے ہیں جو عام طور سے درکار ہوتی ہیں۔“

”ماعون“ کی تعریف

امام جعفر صادق علیہ السلام نے (ماعون) کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

الماوعون ما يتعاوره الناس بينهم من الدلو والفاس وما لا يمنع كالماء والملح. (مجمع البیان: ج ۶ ص ۵۳۸)

وہ اشیاء جن کو لوگ عام طور سے عاریت کے طریقے پر دیا کرتے ہیں، مثلاً ڈوں۔ للٹری، چیرنے کا آلہ اور وہ چیزیں جن پر روک ٹوک نہیں ہے جیسے پانی، نمک:

نیز دوسری روایت ہے: مثل السراج النار والخمير واشباه ذلك من

الذي يحتاج اليه الناس. (مستدرک سفینۃ البحار: ج ۹ ص ۴۰۷)

چراغ، آگ، خیر اور اس قسم کی وہ چیزیں جن کی لوگوں کو ضرورت عام طور سے ہوا

کرتی ہے۔

اسلام کا اصول تقسیم دولت قانون ”تقسیم بالسویہ“

پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کا نظام معاشی ”زمین اور اس کی پیداوار کو تمام

انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیتا ہے اور ان میں حق تصرف تمام انسانوں کے لئے برابر ٹھہراتا ہے، اور اس کا عام اصول یہ ہے کہ دنیا کی پیداوار تمام انسانوں پر تقسیم ہونی چاہئے، اور یہ تقسیم

مساواة کے اصول پر ہو بانی اسلام نے اپنے زمانے میں اسی ”تقسیم بالسویہ“ کے اصول پر

عمل فرمایا، اور اسی اصول پر عملدرآمد کی بنا پر اپنے جانشینوں کی بھی مدح فرمائی:-

تقسیم بالسویہ کی اہمیت شارع اسلام کی نظر میں

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل کے ذیل میں ارشاد ہوا . اقسامہم

بالسویۃ . (کنز العمال : ج ۱۳ ص ۱۱۷)

وہ سب سے زیادہ برابر تقسیم کرنے والا ہے۔“

خاتم الاوصیاء اور اسلام کے آخری رہبر حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی تعریف ان

الفاظ میں فرمائی : ابشر کم بالمہدی یرضی عنہ ساکن السماء والارض یقسم

المال صحاحا، ویملأ قلوب امة محمد غناہ . (بحار الانوار : ج ۵۱، ص ۸۲)

”تمہیں“ مہدی کی بشارت دیتا ہوں ان سے آسمان کے رہنے والے اور زمین کے

بسنے والے سب ہی رضا مند ہوں گے۔ وہ مال کو صحیح طور پر تقسیم کریں گے، اور امت محمدیہ کے دلوں کو

استغناء سے بھر دیں گے :- کسی نے دریافت کیا کہ مال کی صحیح تقسیم سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا :-

بالسویۃ بین الناس تمام انسانوں میں برابر کے حصے تقسیم کریں گے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام عہد میں جب طریقہ نبویہ پر عمل ہوا اور سرمایہ کی تقسیم

مساوات لے اصول پر کی گئی تو اونچے طبقے کے صحابہ میں اس طریقہ کار سے ناراض و برہمی پھیلی

تو ان کے اظہار عتاب و ناراضی پر حضرتؑ نے فرمایا۔

اصول تقسیم مساوات کے متعلق

حضرت امیرؑ کا نقطہ نظر

اتامرونی اطلب النصر بالجور فیمن و لیت علیہ واللہ ما اطور بہ ما

سمر سمیر و ما امّ نجم فی السماء نجما لو کان المال لی لسویت بینہم

فكيف وانما المال مال الله لهم ثم قال: الاوان اعطاء المال في غير حقه
تبذير واسراف و هو يرفع صاحبه في الدنيا و يضعفه في الآخرة.

کیا مجھے تمہارا یہ حکم ہے کہ (تمہاری) مدد و حمایت حاصل کرنا چاہتا ہوں ان پر ظلم و
جور کر کے جن پر حاکم بنایا گیا ہو؟ (یعنی ان کا حق مار کر تمہیں زیادہ دوں اور اس چیز سے تمہیں اپنا
مددگار بناؤں؟) خدا کی قسم! جب تک راتوں کے قصے اور افسانے باقی ہیں اور ایک ستارہ دوسرے
کے پیچھے چل رہا ہے اس طرح کے طریقے کے قریب نہ جاؤں گا۔ اگر یہ مال میرا ذاتی مال ہوتا
تو بھی لوگوں پر برابر ہی تقسیم کرتا، پھر جبکہ وہ مال خدا کا ہے کیونکر مساوات کا لحاظ نہ رکھوں؟ ہاں
سمجھ لو: کہ بغیر استحقاق مال کی بخشش و فیاضی فضول خرچی اور اسراف بیجا ہے جو اپنے مرتلب کو دنیا
میں بلند کرتا ہے مگر آخرت میں پست و ذلیل کر دیتا ہے۔ (نہج البلاغہ: خ ۱۲۶)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نظر میں
دنیا کی معاشی پریشانی کا سبب سرمایہ کی
غیر مساوی تقسیم ہے

دنیا کے لئے معاشی پریشانی جو عوام کے لئے خوفناک مصیبت بنی رہتی ہے اور مدارج
معیشت میں جو تباہ کن نشیب و فراز پایا جاتا ہے اس کا سبب رہبران الاسلام کی نظر میں سرمایہ کی
غیر مساوی تقسیم ہے:-

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے،

ان الله تعالى فرض على الاغنياء في اموالهم قدر الذي يسع فقراءهم فان

جاعوا وعروا و جهدوا فبايمنع الاغنياء. (مستدرک الوسائل: ج ۷ ص ۸)

بے شبہہ خدا نے مالداروں کے سرمایہ مال و دولت میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے
جس قدر کہ محتاجوں کے لئے کافی ہو سکتا ہے اب اگر وہ بھوکے ننگے اور خستہ حال نظر آتے ہیں تو

اس کا سبب یہی ہوا کرتا ہے کہ دولت مند سرمایہ دار لوگ اس حق واجب کو ادا نہیں کرتے۔
 ما اوسع العدل الناس يستغنون اذا عدل عليهم (متدرک الوسائل: ج ۱۱ ص ۱۲۳)
 امن عدل میں کس قدر وسعت ہے اگر عدل کیا جائے تو سب لوگ خوش حال ہو جائیں گے۔

اسلام کا مقصد انسانیت کی سب سے

بڑی خدمت ہے

یہ ظاہر ہے کہ انسان سے محبت و دوستی کا ثبوت انھیں عالمگیر اسباب فقر و افلاس کو دور کر کے دیا جاسکتا ہے، اسلام خداوند عالم کا یہ اعلان عام بنی نوع انسان تک پہنچاتا ہے کہ اس کا مقصد تم پر فضل و کرم کی بارش کرتا ہے جو نظام معیشت اس کی طرف سے جاری کیا جائیگا۔ اس کے متعلق خدا کا وعدہ ہے کہ وہ معیشت میں وسعت و خوشحالی پیدا کرنے والا ہوگا نہ کہ فقر و افلاس کا باعث!

انیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ عالمگیر افلاس و فقر کی بلا کو دنیا سے ختم کرے۔ احائے اور ایسی صورت پیدا کری جائے کہ عالم میں خوشحالی و فراخی معیشت عام ہو جائے، اور کوئی محتاج بتلاء فلاس باقی نہ رہ جائے زمانہ حاضرہ کی اشتراکیت جو دنیا کو اپنے معاشی نظام کی حویوں پر فریفتہ کرنا چاہتی ہے وہ قانون ملکیت و حقوق مالکانہ کو ختم کر دینا، مدارج معیشت کو برابر اور معاشی سطح کو ہموار بنادینا دنیا کے ہمہ گیر مرض افلاس کا واحد علاج قرار دیتی ہے۔

وہ اصول معیشت

جو مناسب حال انسان ہو سکتا ہے

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہی اصول معیشت مناسب حال انسان ہو سکتا ہے جو موافق فطرت ہو لہذا قابل عمل وہی نظام ہو سکتا ہے جو مساوات یا عدم مساوات صرف ایک رخ

کو سامنے رکھ کر دوسرے کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے، یہ درست ہی کہ انسان کی ذاتی قدر و قیمت مساوی ہے، اور وہ بنا بر فطرت مساوی حقدار ہے لیکن اسی کے سامنے افراد انسان کی استعداد عمل و صلاحیت کار میں فطری اختلاف و تفاوت پایا جاتا ہے، ذہنی و عملی قوتیں تمام انسانوں کی خلقی طور پر یکساں نہیں ہوا کرتیں، یہ قدرتی تفریق تہذیب و تمدن کی رنگارنگی اور گوناگون ترقی کاراز اپنے اندر مضمر رکھتی ہے تمدن و تہذیب کے کمال ارتقاء کیلئے مختلف اعمال و افعال کی حسب استعداد فطری ضرورت ہے، قوتوں اور صلاحتیوں کے تفاوت میں انسان کا حال حیوانوں سے مختلف ہے، حیوانوں کے اعمال و عمل قوتوں میں یک رنگی پائی جاتی ہے، عالم حیوانیت میں ہر نوع کے تمام افراد طبعی رجحانات اور عملی قوتوں کے اعتبار سے اختلاف نہیں رکھتے، جو کام اور جس طرح کا عمل ایک فرد سے واقع ہوتا ہے بعینہ ویسا ہی دوسرے افراد بھی کرتے ہیں مگر نوع انسان کی فطرت صلاحیت عمل اور طبعی رجحانات کی تفریق اور اس کے آثار و نتائج کے تنوع پر قائم کی گئی ہے جبکہ ہر فرد کی قوت عمل و صلاحیت کار اور رجحان طبع میں دوسرے سے یک رنگی نہیں ہوتی۔ تو ان اوصاف کے ثمرات بھی لامحالہ یکساں نہ ہونگے، افراد انسانی کی سعی عمل کے فطری تفاوت کی طرف ارشاد ربانی میں اشارہ ہے:

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى (۴) بے شک تمہاری کوششیں طرح طرح کی ہیں۔“ (۴:۹۲)
اور اختلاف رجحانات طبع و تفاوت قوائے عمل کے ثمرات و نتائج کے مختلف ہونے کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے۔

كُلُّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ (۸۴: ۱۷) ہر شخص اپنے طریق پر عمل کرتا ہے
ان اختلافات کی وجہ سے درجات معیشت میں بھی تفاوت پیدا ہو جانا فطری امر ہے
جسکا بیان اس آیہ مبارکہ میں ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ

بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (۴۳:۳۲)

ہم نے ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی ان کے درمیان تقسیم کی ہے اور ایک کے درجہ دوسرے پر بلند کئے ہیں تاکہ ایک دوسرے کی خدمت میں لگائے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فطرت کے اس مصلحت خیز اختلاف کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی: اذ خالف بحکمتہ بین ہممہم و اراداتہم و سائر حالاتہم و جعل ذلک قواما لمعاش الخلق. (بحار الانوار: ج ۹۰، ص ۴۸)

ليستعين بعضهم ببعض في ابواب المعاش بها صلاح احوالهم.
خدا نے ان کے ارادوں ہمتوں فکروں اور تمام حالات میں اختلاف قرار دیا ہے اور اس بات کو خلق کے معاشی ذرائع کا دار و مدار قرار دیا ہے، تاکہ ہر شخص دوسرے سے معاشی ضروریات اور وسائل میں مدد لے جو انکی صلاح حال کا ذریعہ ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں منقولہ بالا آیہ مبارکہ کے متعلق منقول ہے،

و هذا من اعظم دلالة الله على التوحيد لانه خالف بين ملكهم
كصنتهم و اراداتهم و احوالهم ليستعين بعضهم على بعض لان احدهم بنفسه
لنفسه رلو احتاج كل انسان ان يكون بناء لنفسه و خياطا لنفسه و حجا
مالنفسه و جميع الصناعات التي يحتاج اليها لما قام العام طرفة عين و لكنه
عز وجل خالف بين هممهم و ذلك اعظم دلالة على التوحيد (تفسیر برہان)

یہ بیان خدا کی وحدانیت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ ہوس نے انسانوں کے ملکات و قوی پر بھی اسی طرح اختلاف پیدا کیا ہے جس طرح ان کی صورتیں، ارادے اور خواہشیں مختلف قرار دی ہیں تاکہ ایک دوسرے سے مدد حاصل کر سکے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی شخص بھی اپنے ضروریات کا خود کفیل نہیں ہو سکتا، اگر ہر آدمی اس کا محتاج ہوتا کہ خود اپنا گھر بنانے والا اور کپڑے

سینے والا اور حجامت کرنے والا اور اسی طرح وہ تمام صنعتیں خود کرے جن کی اس کو زندگی دنیا میں حاجت ہوتی ہے تو عالم چشم زدن میں بھی قائم نہ رہ سکے گا، لیکن خداوند عالم نے بندوں کے افکار و خیالات الگ الگ بنائے ہیں، اور یہ تو حید کی بہت بڑی دلیل ہے۔

ان آیات اور انکی تفسیروں کا حاصل چند امور ہیں:

(اول) تہذیب و تمدن کی ترقی کے لئے اصول تقسیم عمل لازم ہے خداداد استعداد اور قوتوں کے مناسب ضروری کاموں کا ذمہ دار مختلف اشخاص کو ہونا چاہئے اس کے بغیر دنیا کا نظام چل نہیں سکتا

(دوم) اسی ضرورت کے ماتحت قانون قدرت نے انسانی فطرت میں رنگارنگی اور تنوع پیدا کیا ہے قوی علم و عمل میں تفاوت قرار دیا ہے، طبیعتوں کے رجحانات افکار و خیالات میں اختلاف رکھا ہے۔ ہمتوں، حوصلوں، قوتوں اور صلاحیتوں میں فطری تفریق قائم کی ہے۔

(سوم) مذکورہ بالا اختلافات کے ثمرات و نتائج بھی میدان عمل میں لامحالہ مختلف ہونگے، اور اسی طرح مدارج معیشت کا تفاوت ایک قدرتی ناگزیر امر ہے جو مصلحت نظم عالم کے ماتحت خود خالق کائنات کی مشیت کا تقاضا ہے، ان امور کو پیش نظر رکھنے والے اس بات سے انکار کرنے میں حق بجانب نہیں ہو سکتے کہ عالم انسانیت کی خیر و بہبود کیلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ حاجات معیشت کے تفاوت کو فطرت ہی کے حدود تک محدود رکھنے کی کوشش کی جائے اس کو بالکل ختم کر دینے کی ہر کوشش دراصل سعی تبدیل فطرت انسان کی مرادف ہوگی جب تک انسان کی فطرت نہ بدل دی جائے اور اس کے اوصاف و حالات کو بلحاظ فطرت برابر نہ کر دیا جائے، سطح معیشت انسانی کو ہموار و یکساں بنانے کی ہر تدبیر و خواہش فطرت سے بغاوت اور قدرت سے جنگ قرار پائیگی کیونکہ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو بلند حوصلہ و ہمت عالی اور بہترین قوت عمل و استعداد رکھنے والوں کو انکی فطرت کے مطابق سعی و محنت کی اجازت ہی نہ دی

جائے، یا ان کے لئے ثمرات محنت سے مناسب فائدہ اٹھانا ممنوع قرار دیا جائے، اور انکی محنتوں کے نتائج و ثمرات ان سے زبردستی چھین لئے جائیں، ظاہر ہیکہ یہ دونوں صورتیں خلاف منشاء فطرت اور نوع انسانی پر ظلم صریح ہونگی، یہ ہو سکتا ہے کہ تمام انسانوں کو بڑی بڑی کار گاہوں اور عالی شان عمارتوں کو رکھا جائے اور حکومت کے مصارف سے ان کو یکساں پر تکلف کھانے کھلائے اور دیدہ زیب لباس پہنائے جائیں، ان کے لئے حکومت کی جانب سے وظائف یومیہ مقرر کئے جائیں، غرض ان کی دنیوی معیشت کی سطح کو ہموار بنانے اور معاش طبقہ دار کو دنیا سے مٹانے کی ہر امکان تدبیر کر لی جائے، مگر اس سے حیات انسانی کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، انسان کے فطری قوی عمل کے ابھارنے میں یہ تدابیر کارگر نہ ہونگی۔ مگر افراد کی زندگی کچھ نہ کچھ عیش و آرام کی زندگی تو ضرور ہوگی مگر ان میں پر جوش حرکت عمل پیدا کرنے والی کوئی چیز نہ ہوگا، زندگی کی امنگیں محو خواب ہوں گی، قدرتی صلاحیتیں اور استعداد و جمود و خمود کے عالم میں پیش ہوگا۔

سواء اس کے اخلاقی کمالات ارادی عمل کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں اخلاق کی تربیت اور کردار کی اعلیٰ معیار کا ظہور خالص مجبوریوں کی صورت میں ناممکن ہے، جب دولت کمائے اور رتن سرنے دونوں باتوں میں مناسب آزادی حاصل نہ ہو تو اخلاقی زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس طرح کی زندگی غلامی کی زندگی سے زیادہ مختلف نہ ہوگی، مہربان آقا اپنے غلاموں کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتا اور بہتر سے بہتر لباس پہناتا ہے مگر وہ اپنی کمائی اور اس کے خرچ پر خود مختار نہیں ہوتے، پھر کیا دنیا کے بعض نظامات حاضرہ غلامی کے اسی وصف خصوصی کی طرف دعوت نہیں دیتے؟

جس زندگی میں عمل کا جوش محنت کی امنگ، کسب کمال کا عزم صمیم، ذہنی و جسمانی

قوتوں کے سرمایہ کو فعالیت میں لانے کی ہمت بلند موجود نہ ہو وہ حیات انسانی نہیں جہاں سامان معیشت کی فراوانی آزاد کے تعیش کے اسباب کی افراط ہو مگر کسی ہنر میں فطری جوہر دکھانے کیلئے مناسب میدان عمل نہ ہو، اور نہ وہاں کے سامان و اسباب پر حقوق مالکانہ حاصل ہوں۔ وہ جگہ جنت آدم تو ہو سکتی ہے ہماری دنیا بہر صورت نہیں ہو سکتی۔

حاصل کلام یہ کہ اشتراکیت و سرمایہ داری دونوں مخالف فطرت بشری ہونے میں برابر ہیں۔

اسلام کا عام اصول۔ انسان کی قدر و قیمت اس کا حسن عمل ہے

مسلك اعتدال وہی ہے جس پر اسلام چلانا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر انسان کی قدر و قیمت ذاتی اعتبار سے برابر ہے، مگر باعتبار مساوات تفاوت درجات سے بدل جاتی ہے اس کا عام اصول یہ ہے کہ: قیمة كل امرء ما يحسنه، انسان کی قیمت کارا از اس کے حسن عمل پر مضمحل ہے۔

نیز بنا بر اصول اسلام حق معیشت عطیہ خدا ہے جو اس کے بندوں میں برابر تقسیم ہوتا ہے اور ”مدارج معیشت“ میں انسان کی سعی و محنت کو بھی دخل ہے۔ ان اصول کے ماتحت ایک طرف تو دنیا کی پیداوار کو مباح الاصل قرار دے کر تمام انسانوں کے حقوق انتفاع مساوی قرار دئے ہیں اور دنیا کے وسیع میدان عمل میں بقدر ہمت و حوصلہ و در دھوپ کا عام حق تسلیم کیا ہے اس باب میں افراد و جماعتوں کی ترجیح نہیں رکھی ہے۔ اور نہ کوئی امتیازی حق قرار دیا ہے جو دوسروں کو مرحمت ہوا ہے۔

سرمایہ کی تقسیم بالسویہ کا اصول اسلام کا بنیادی اصول ہے جس سے انحراف بدون

ضرورت جرم ہے مگر اسی کے ساتھ ہر آدمی کو اسکی محنت کے نتائج و ثمرات میں حق ملکیت بھی عطا کرتا ہے، اور اس شخصی حق ملکیت میں دیگر مستحق افراد کے حقوق بھی قائم کرنا ہے۔

و فی اموالہم حق للسائل والمحروم ، (سورہ ذرایات)۔

وہ جہاں ذاتی قابلیتوں کے بل بوتے پر تحصیل معاش میں دوڑ دھوپ کر کے کامیابی اور ناکامیابی کا تجربہ کرنے کی راہوں کو مسدود نہیں کرتا اور طلب معیشت میں مناسب و معتدل مسابقت کا سد باب روا نہیں رکھتا وہاں ہر فرد انسان کو اس کی یہ ہدایت بھی ہیکہ کامل زندگی تنہائی کی زندگی نہیں ہے، بلکہ فطری طور پر حیات اجتماعی و تمدنی قرار دی گئی ہے، اور اس کی خیر و بہبود فلاح عام سے وابستہ ہے۔ خیر حقیقی یہ ہے کہ اپنے فائدے کو دوسروں کے مفاد سے الگ نہ قرار دیا جائے، اور یہ مسابقت اور دوڑ دھوپ ایسے طریقے پر ہونا چاہئے کہ اس سے دوسروں کا حق تلف نہ ہو، بلکہ ان کو فائدہ پہنچے ہر شخص کے لئے ہر قسم کی جائز ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہو اور ہر آدمی اپنے محنت و ثمرات کا مالک و متصرف ہے۔ ایسا کوئی طبقہ نہیں پیدا ہو جائے جو دوسروں کی محنت لے پل کھائے جبکہ وہ معمولی ضروریات زندگی کیلئے بھی محتاج ہوں۔

نظام اسلامی کے اساسی نظریات

نظام اسلامی مندرجہ ذیل اصول پر قائم ہے:

(۱) اصنعوا المعروف الی کل احد فان کان اہلہ و الافانت اہلہ۔
ہر آدمی کے ساتھ ایک اچھا سلوک کرو اگر وہ اسکا مستحق ہو تو خیر و نہ تم اسکے مستحق ہو
(کہ نیکی کرو) (الکافی: ج ۴، ص ۶۵)

(۲) خیار کم سمحاء کم و شرار کم بخلاء کم: تم میں بھلے وہ لوگ ہیں جو سخی ہیں اور برے وہ ہیں جو بخیل ہیں۔ (تحف العقول: ص ۷۷)

(۳) ما یعبد اللہ بمثل نقل الاقدام الی برالاخوان۔

اللہ کی عبادت میں بھائیوں کیساتھ حسن سلوک میں قدم اٹھانے کی ایسی کوئی عبادت

اور نہی۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۴۲۲)

(۴) المومنون فی تبارہم و تراحمہم و تعاطفہم کمثل الجسد اذا

اشتکی تداعی لہ سائرہ بالسھر والحمی۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۴۲۲)

مومنین باہمی حسن سلوک اور مہربانی کے برتاؤ میں مثل بدن کے ہیں کہ جب ایک عضو بدن کو کوئی بیماری عارض ہوتی ہے۔ تو تمام اعضاء کو اسکی تکلیف سے نیند نہیں آتی۔

(۵) ان اللہ فی عون العبد ما دام العبد فع عون اخیه۔

خدا بندے کا مددگار ہوتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کا مددگار ہوتا ہے۔

(مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۴۳۰)

(۶) راس العقل بعد الايمان التودد الى الناس وصطناع الخير الى

کل بر و فاجر۔

اصل عقل بعد دینداری کے لوگوں کی دوستی و محبت حاصل کرنا ہے اور ہر آدمی کے

ساتھ نیکی کرنا ہے خواہ وہ نیکو کار ہو یا بدکار۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۲۹۶)

اسلام کسی انسان کو

ایسی اقتصادی مسابقت کی اجازت نہیں دیتا

جو دوسروں کیلئے باعث ضرر ہو

فطری صلاحیتوں اور قوتوں کی کمی کی وجہ سے معاشی دوڑ و دھوپ اور اقتصادی

مسابقت میں پیچھے رہ جانا اور بات ہے، اور کسی انسان کا دوسرے انسانوں کی غیر معتدل اور

غیر منصفانہ مسابقت کی وجہ سے در ماندہ و ضرر رسیدہ ہو جانا دوسرا امر ہے اسلام دوسری صورت کو گواہ نہیں کرتا، کسی انسان کو ایسے طریقوں سے کسب معاش کی اجازت نہیں جس میں دوسروں کا ضرر ہو۔

رہ گئی پہلی صورت جس کا تعلق کارخانہ تلوین و تقدیر سے ہے تو اس کے متعلق اسلام کی تعلیمات غیر معمولی ہمدردی انسان پر مبنی ہے اور وہ فطری صلاحیت کی کمی یا قدرتی موانع کی وجہ سے معاشی دوڑ و دھوپ میں ناکام رہ جانے والوں کو ان کی جانب بیچارگی و در ماندگی میں نہیں چھوڑتا۔ بلکہ حکومت اسلامی ان کے تکفل کا بار اپنے ذمہ لیتی ہے نیز کامیاب افراد کو اپنے مکسوبہ سامان معیشت میں انھیں باعزت شریک قرار دینے پر معمور کرتی ہے۔

جناب امیر علیہ السلام نے مالک اشتر والی مصر کو اپنے ایک طویل فرمان میں ہدایت فرمائی:

ثم الله الله في طبقة السفلى من الذين لا حيلة لهم والمساكين
و المحتاجين و اهل البوسى و الزمنى، فان هذه الطبقة قانعا و معترا، و احفظ
لله ما استحفظك من حقه فيهم، و اجعل بيت مالک و قسما من غلات
صوافى الاسلام فى كل بلد، فان للاقصى منهم مثل الذى للادنى، و كل لك
استرعى حقه، فلا يشغلنك عنهم بطر..... فاعذر الى الله تعالى فى
تادية حقه اليه، و تعهد اهل اليتيم و ذوى الرقة فى السن ممن لا حيلة و لا
ينصب للمسئلة نفسه و ذلك على الولاة ثقيل و الحق كل ثقيل و قد يخففه
الله على اقوام طلبوا العاقبة فصبروا على انفسهم. (نہج البلاغہ: خ: ۵۳)

پھر خدا سے ڈرو اس ادنیٰ طبقے کے بارے میں جو بے چارہ غریبوں، مسکینوں محتاجوں

اور آفت رسیدہ لوگوں پر مشتمل ہے کیونکہ اس طبقے میں قناعت پیشہ فقیر اور مانگنے والے محتاج (دونوں ہی طرح کے) لوگ ہیں، اور اس کے بارے میں خدا کا وہ حق محفوظ رکھو جس کی نگہداشت کا اس نے تم کو حکم دیا ہے اور اس کیلئے بیت المال اور نوع اسلام کی ان زمینوں کی غلات میں سے جو غنیمت میں حاصل ہوئی ہیں ہر شہر کا ایک حصہ معین کرو کیونکہ ان میں سے دور کے مقامات میں بسنے والوں کا بھی ویسا ہی حق ہے جیسا قریب رہنے والوں کا ہے اور تم ہر ایک کے حق کے نگران بنائے گئے ہو۔ پس تمہیں (دولت و حکومت کا) گھمنڈ ان سے غافلانہ کرنے پائے، اور تم ہر ایک کا حق اس تک پہنچا کر خدا کے سامنے (پیش کرنے) کیلئے عذر سہیا کر لو۔ ان یتیموں اور بوڑھوں کی خبر گیری کرو۔ جو نہ خود اپنی مجبوری کا کوئی چارہ کار رکھتے ہیں، اور نہ سائل بنکر دوسروں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، یہ بات عام طور سے حاکموں پر گراں ہوتی ہے، اور اللہ عاقبت کا اندیشہ رکھنے والوں کو آسان بنا دیتا ہے۔

فقراء اور افلاس مٹانا اسلام کا عظیم ترین مقصد ہے

اسلام کا نظام معاشی اگرچہ مدارج معیشت میں تفاوت جائز رکھا ہے کیونکہ وہ فطرت کا تقاضہ ہے اور اس سے اختلاف فطرت سے بغاوت ہے۔ مگر اس نے اس کا مکمل بندوبست کر دیا ہے کہ نظام اسلامی کے تحت کوئی انسان تنگدست اور ضروریات زندگی کیلئے محتاج نہ رہے، دنیا سے فقر و فاقہ غربت و افلاس کو مٹانا اور خوشحالی و فارغ البالی کو عام کرنا اس کا عظیم ترین مقصد اور نصب العین ہے۔

حاجتمندوں کی قسمیں اور انکی امداد کا مکمل بندوبست

ان الله لا يترك شيئا من صنوف الاموال الا و قد قسمه و اعطى

كل ذى حق حقه الخاصة والعامة و الفقراء و المساكين و كل ضرب من

صنوف. (تہذیب الاحکام: ج ۴، ص ۱۳۹)

حدیث میں ہے: خدا نے کسی قسم کے مال کو تقسیم کے بغیر نہیں چھوڑا ہے خواص و عام

فقراء و مساکین اور ہر طبقے کے لوگوں میں سے جسکا جو حق تھا وہ اسے عطا کر دیا، ایک دوسری

حدیث میں ہے:

لان فقراء الناس جعل ارضا قهم فى اموال الناس على ثمانية و لم يبق

منهم احد و جعل لفقراء قرابات النبى نصف الخمس فاغناهم به عن صدقات

الناس سم يبق فقير من فقراء الناس و لم يبق فقير من فقراء قرابات النبى الا

و قد استمرى و ه تعير. الخ (تہذیب الاحکام: ج ۴، ص ۱۳۱)

عام حاجت مندوں کی آٹھ قسمیں قرار دیں اور لوگوں سے (بمذکوٰۃ) حاصل شدہ

مالوں میں ان سے رزق مقرر کئے ان حاجتمندوں میں کوئی باقی نہ رہا جسکا حصہ معین نہ کر دیا ہو اور

جناب رسالت مآب کے قرابتداروں کیلئے مال خمس کا آدھا حصہ قرار دیا ہے، اور اس طریقے سے

ان کو عوام الناس کے صدقات سے بے نیاز کر دیا ہے، لہذا نہ عام فقیروں میں سے کوئی ایسا فقیر

رہ جائے اور نہ قرابتداران رسول میں سے کوئی محتاج ایسا باقی رہا جسکو مستغنی نہ کر دیا ہو۔

معلوم ہوا کہ اگر نظام اسلامی پر دنیا میں صحیح عمل درآمد ہو تو فقراء و افلاس کی کلفتیں باقی

نہیں رہ سکتیں، اور درجات کا یہ قابل نفرت تفاوت قائم نہیں رہ سکتا کہ ایک محدود طبقے کے خلاف

انسانیت ہوس پرستی اور حریرصانہ دولت طلبی کی بدولت عام بندگان خدا ننگے بھوکے بے خاندان و بے سروسامان ہیں۔

فطری طور پر ضرورت اس بات کی نہیں ہے کہ درجات معیشت کو برابر کر کے سب کو امیر، یا غریب بنا دیا جائے، بلکہ ضروری کام یہ ہے کہ تمام بندگان خدا کو غذا و لباس و مسکن حسب ضرورت نصیب ہو، فکر معاش میں کسی کی زندگی و بال نہ ہو، ہر فرد انسان کو ضروریات زندگی با فراغت میسر آئیں، نظام اسلامی اس بات کا کفیل اور ذمہ دار ہے، اس کے ماتحت عالم انسانیت معاشی کشمکش سے نجات پاسکتا ہے، نظام اسلامی کا گہرا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ تقسیم دولت اس کا نہایت ضروری اور عظیم الشان مقصد ہے جسے وہ فطری اصول کے ذریعہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے نہ کہ غیر فطری طریقوں سے اور زمانہ حاضرہ کے نظام اشتراکیت کے مقابلے میں یہ اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔

سرمایہ داری و اشتراکیت کا اسلام سے موازنہ

نظام سرمایہ داری جس کے زمانہ حاضرہ میں ”جمہوریت“ کی پر فریب اصطلاح قرار دی گئی ہے انسان کی خود غرضی، ہوا پرستی حرص آزاد رطل کی غیر محدود جولانگاہ اور بے پایاں میدان عمل ہے سرمایہ دارانہ ذہنیت صرف زمین اور اصل سرمایہ کی قیمت قرار دیتی ہے، انسان کی محنت و عمل کی اس کی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں، اس دنیا میں شخصی خیر اور ذاتی منفعت کو عام اجتماعی بہبود سے متوافق بنانے کی پروا نہیں کی جاتی ہے، ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے اور ہر شے کا ایک انجام ہوا کرتا ہے سرمایہ داروں کی چیرہ دستی خواہش قہر و غلبہ اور انسانی ہمدردی سے بے گانگی حقوق عوام سے بے پروائی کا رد عمل شروع ہوا، عوام کے سینے آتشکدہ جذبات انتقام

بن گئے نظام اشتراکیت مرتب ہوا، اور نظام سرمایہ داری سے اسکی جنگ کا آغاز کر دیا ہو گیا، اور آج ہماری دنیا پر اس جنگ کے ہولناک خطرات چھائے ہوئے ہیں۔

اس نظام جدید یعنی اشتراکیت کا غیر جانب مطالعہ کرنے والے اس کا اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ اس کی بنیاد نوع انسانی کی خیر طلبی سے زیادہ سراسر غیر معتدل جذبہ انتقام پر قائم کی گئی ہے، اس نے اس شعلہ فشاں جذبہ کے ماتحت، زمین، اور اصل سرمایہ۔ کو بحیثیت عامل پیدائش سامان معیشت درجہ اعتبار سے بالکل ساقط کر دیا، صرف محنت اشیاء کی قدر و قیمت کی بنیاد قرار دی گئی، اسکی نظر میں قدر و قیمت فقط محنت ہی سے پیدا ہوتی ہے اس نظریہ پر بھی بے اعتدالی کا سایہ پڑا، یعنی محنت بھی اصول اشتراکیت کی نظر میں ناگزیر زندگی ہی کا ایک ہلکا سا حق پیدا کرتی ہے جس کو حق ملکیت نہیں کہہ سکتے، جذبہ انتقام کی افراط شعلہ فشانی نے نہ صرف سرمایہ داری کے خلاف جنگ کا آغاز نہیں کیا۔ بلکہ شخصی ملکیت کے حق کا استیصال کر کے وہ فطرت کے خلاف بھی برسرِ پیکار ہے اگر اشتعال جذبہ انتقام نے عقل کو فکر صحیح سے عاجز نہ کر دیا ہوتا تو یہ بات چھپی نہ رہ جاتی۔ کہ سی بیمار عضو کے بہتر تدبیر علاج یہ نہیں ہیکہ اسکو کاٹ دیا جائے بلکہ مناسب فطرت علان یہ ہیملہ اسلو برقرار رکھتے ہوئے صحت مند بنایا جائے، دراصل انفرادی و شخصی حقوق ملکیت باعث سادھام عیشت نہیں بلکہ انکی لا انتہائی فراوانی، طغیانی، اور اعتدال و توازن کا فقدان تمام مفسد کا اصل سبب ہے حقوق ملکیت کا استیصال کرنا انسان کے افکار و ہم اور قوائے عمل کو دعوت جمود و تعطل دیتا ہے اور فطرت کے خلاف جنگ مول لینا ہے، (معلوم ہوا ہیکہ حق تصنیف میں ملکیت بلکہ وراثت کو اب تسلیم کر لیا گیا ہے ممکن ہیکہ مستقبل اور ترقی کرے۔

ضرورت اس بات کی ہیکہ حقوق ملکیت شخصی و انفرادی و منفعت عمومی و اجتماعی میں اعتدال و توازن برقرار رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ اسی صورت سے صلاح خاص و عام ممکن ہے

مگر اس قسم کا عادلانہ نظام قائم کرنا بت حرص و ہوا کے پرستار اور جذبہ انتقام کے طوفانی جہازوں میں سوار انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔

اسلام، الہی نظام ہے وہ سرمایہ دارانہ مفسد اور اشتراکیت کے مخالف فطری رجحانات، دونوں کا سد باب کرتا ہے، گہری نظر سے اسکا مشاہدہ کرنے والے یہ محسوس کر لیں گے کہ وہ نظامات عالم کی کی خوبیوں کا حامل اور انکی جملہ فساد انگیز بے اعتدالیوں سے پاک ہے، وہ جہاں شخصی ملکیت کا حق دیتا ہے وہاں اس سے پیدا ہونے والی فساد کی راہ بھی بند کرتا ہے اور جہاں اشتراکی مساوات کا نظریہ قائم کرتا ہے وہاں اس کا بندوبست بھی کرتا ہے کہ فطرت سے بغاوت اور قدرت سے جنگ لازم نہ آئے قرآن مجید، احادیث، اور فقہ اسلام لی کتابیں موجود ہیں، ان سے اس نظام کی جامعیت و اعتدال پسندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اس مختصر مضمون میں عام وسائل معیشت کے متعلق صرف چند عام اصول کا تذکرہ ممکن ہے۔

قرآن مجید اور معاشیات

اما ما جاء في القرآن من ذكر معاشي الخلق و اسبابها فقد اعلمنا سبحانه ذلك من خمسة اوجه وجه الامارة ووجه العماراة ووجه الاجارة ووجه التجارة ووجه الصدقات. (وسائل الشیعة ج ۹ ص ۴۹۰)

اگرچہ قرآن مجید میں معاشیات کے موضوع پر تفصیل بحث نہیں ہے، اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ وہ معاشیات کی مستقل کتاب نہیں ہے پھر بھی انسان کیلئے جتنے وسائل معاش ہو سکتے ہیں ان سب کو پانچ قسموں میں جمع کر دیا ہے، اور ہر ایک کی جانب سراجۃ یا اشارۃ انسان کو توجہ دلائی ہے حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: قرآن مجید میں معاش خلق کے وسائل و اسباب کا تذکرہ جو کچھ آیا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے ان اسباب و وسائل کے پانچ وجوہ قرار دیئے ہیں

(۱) وجہ امارہ (۲) وجہ عمارہ (۳) وجہ اجارہ (۴) وجہ تجارت (۵) وجہ صدقات۔

وجہ امارت و وسیلہ حکومت

وجہ الامارۃ سے حضرت کا مقصد یہ ہے کہ حکومت و سلطنت کا نظم و نسق اور خدمت ملک و ملت بھی معاش کا ایک ذریعہ ہے اس مطلب کی پوری توضیح تو اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ اسلامی نظریہ حکومت و امارت کو زیر بحث لائیں، جو اس مضمون کے موضوع سے خارج ہے، تاہم صرف دو آیتیں پیش کرتا ہوں جن سے ظاہر ہو جائیگا کہ اسلام دنیا میں کس قسم کی حکومت پسند کرتا ہے، اور کس طرح کی حکومت سے اس کو نفرت ہے۔

طرز حکومت کے متعلق اسلام کا عام نظریہ۔ اسلام کی پسندیدہ حکومت

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا
بِالْمَعْرُوبِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (الحج: ۴۱)
بہ لو ایسے ہیں کہ ہم انھیں زمین میں طاقت دیدے تو وہ نماز قائم کریں گے۔
زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم دیں گے۔ اور بری باتوں سے روکیں گے۔ اور سب کاموں
کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اسلام کی نظر میں قابل نفرت حکومت کے

اوصاف

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ (۲۰۵) وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ
جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (البقرہ: ۲۰۶)

اور جب حاکم بنتا ہے تو زمین میں اس کی ادھر ادھر دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلے، اور کھیتی اور نسل انسانی و حیوانی کو ہلاک کر ڈالے اور خدا فساد کو پسند نہیں کرتا، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کرو تو اسکو عزت (کا جھوٹا فخر و غرور) پکڑ کر گناہ میں لگا دیتا ہے، تو اس کیلئے دوزخ ہی کافی ہے اور یقیناً وہ بری جگہ ہے۔

اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول تعاون علی البر والتقویٰ

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوا
وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ (المائدہ: ۲)

ایک عام قرآنی اصول جو تمام وسائل معیشت کے اندر جاری و ساری ہے یہ ہے، کسی قوم کی یہ دشمنی کہ ان لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام (میں جانے) سے روکا تمکو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس پر) زیادتی کرنے لگو، ورنہ (تمہارا تو یہ طریقہ ہونا چاہئے) کہ نیکی اور پرہیزگاری ہر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ و زیادتی پر ایک دوسرے کی امداد نہ کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو، بیشک خدا (بدی کی) سخت سزا دینے والا ہے۔

وجہ عمارۃ

یعنی زمین کی آبادی کے ذریعہ سے معاش حاصل کرنا

وجہ عمارۃ کے متعلق حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

واما وجه العمارۃ فقولہ هو انشا کم من الارض واستمر کم فیہا
فاعلمنا سبحانہ قد اصولہم بالعمارۃ لیکون ذالک سببا لمعاشہم بما ینخرج
من الارض، من الحب والثمرات وما شاکل ذلک مما جعلہ اللہ تعالیٰ

معایش للخذ (بحار)

وجہ عمارۃ“ یعنی آباد کاری کے ذریعہ کے بارے میں خدا کا یہ ارشاد ہے۔

انشاکم من الارض واستعمرکم فیہا۔ (ہود: ۶۱)

(اسی خدا) نے تم کو زمین پر پیدا کیا اور تم کو اس میں بسایا۔ (خداوند عالم نے اس

آیت یہ بتایا ہیکہ انسانوں کو اس کا یہ حکم ہے کہ زمین کو آباد کریں۔ تاکہ زمین سے پیدا ہونے والے غلے اور پھل اور اسی طرح کی دوسری چیزیں خلق کیلئے اسباب معیشت بنیں۔

حاصل کلام امامؑ یہ ہے کہ زمین معاش انسانی کا مخزن ہے۔ خداوند عالم نے کھیتی

کرنے باغ لگانے اور شریف طریقوں سے معاش حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور کلام ربانی ”هو انشاءکم من الارض واستعمرکم فیہا“ میں منشاء

خداوندی کا اظہار اور اسی امر ربانی کا اعلان ہے۔

زمین اور زراعت

زمین کے متعلق اسلام کے معاشی نظام کا نصب العین اشتراکی ہے اور وہ مندرجہ ذیل

اصول پر قائم لیا لیا ہے۔

اول . الارض لله . دوم ، الخلق عیال الله فاحب الخلق الى الله من

نفع عیال الله۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۳۸۹)

اول۔ زمین خدا کی ہے، دوم۔ خلق عیال خدا کا ہے اور خلق اللہ میں خدا کو سب سے

زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جو عیال خدا کو نفع پہونچائے، سوم۔ بندگان خدا کو ضرر پہونچانے سے بڑا کوئی شر نہیں ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے، سوم ، خصلتان لیس فوقہما شر الشریک بالله والاضرار

بعباد الله . (مستدرک الوسائل: ج ۱۱ ص ۱۲۵)

دو بری باتیں ایسی ہیں جنسے بالاتو کوئی اور شرنہیں (۱) شرک باللہ (۲) بندگان خدا کو ضرر پہونچانا۔

چہارم۔ انسان کی محنت اور اس کا عمل قابل احترام ہے اور اس کو اپنی محنت کے پھل سے صرف انتفاع ہی کا مجاز نہ کیا جائے، بلکہ اس پر مالکانہ حیثیت سے ہر طرح کے تصرف کا حق ملنا چاہئے اشتراکیت کی سبب سے بڑی پست نظری یہ ہے کہ وہ دنیا کو انسان کے لئے جنت آدم بنانا چاہتی ہے جہاں اجازت انتفاع تو ہو مگر حق ملکیت و تصرف مالکانہ شجرہ ممنوعہ ہو اس کے برعکس اسلام انسان کو یہ بتاتا ہے کہ تم آخرت کی طرح دنیا کے بھی مالک ہو دنیا میدان عمل ہے، بقدر حوصلہ حد و مقررہ کے اندر سعی و محنت کرو گے، تو اسکے ثمرات کے ممالک ہو گے۔

دوسروں کے ثمرات محنت پر دست درازی کا سد باب کرنے والے اصول

دنیا کے میدان عمل میں دوسروں کی ثمرات محنت پر دست درازی کا سد باب کرنے کیلئے دو اصول بتائے۔

اول۔ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم: ۳۹)

انسان کے لئے بس وہی ہے جس وہ کوشش کرتا ہے۔

دوم۔ مَنْ سَبَقَ إِلَىٰ مَا لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ الْمُسْلِمُ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ.

جو آدمی اس چیز کی طرف سبقت کر جائے جس پر اس سے پہلے کوئی مرد مسلم سابق نہ ہوا ہو تو وہ

اس چیز کا زیادہ حق دار قرار پائے گا۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱ ص ۱۱۲)

زمین کے اقسام اور ان کے احکام پہلی قسم

”موات بالاصالة“

شریعت اسلام میں باعتبار حالات زمین کی کئی قسمیں قرار دیکر ہر ایک کے احکام جداگانہ بیان کئے گئے کتاب مکاسب میں ہے۔

الارض اما موات واما عامرة فكل منهما اما اصيلة او عرض لها
ذلك فالاقسام اربعة لا خامس لها.

زمین بنجر (غیر آباد ہوتی) ہے یا آباد ہے اور یہ دونوں وصف اسکے اصل ہیں یا عارض ہوئے ہیں لہذا زمین کی چار قسمیں ہوتی ہیں پانچویں کوئی قسم نہیں۔
پھر ہر قسم کی تعریف اور اسکا حکم شرعی بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:-

الاو ما كان موات بالاصالة بان تكن مسبقة بالعمارة و لا اشكال ولا
خلاف ما ف كونها للامام نعم البيع التصرف فيها بالاحياء بلا عوض.

پہلی قسم وہ زمین ہے جو اصالة بنجر ہو، اور وہ آباد ہونے کے بعد مردہ نہ ہوتی ہو، اس میں کوئی عارضہ نہ ہے نہ اختلاف کہ اس طرح کی زمین امام کی ملکیت ہوگی۔ ہاں اس میں بغیر کسی عوض کے تصرف آباد کاری کے ذریعہ مباح ہے۔

اس کلام سے دو باتیں ظاہر ہوئیں:

(۱) موات بالاصالة۔ وہ زمین ہے جو ابتدا سے بنجر اور ویران ہو اور کسی کی مملوکہ و

مقبوضہ نہ ہو۔

(۲) اس طرح کی زمین قانونی طور پر خدا کے حکم سے نمائندہ حکومت الہیہ یعنی رسول ﷺ اور آپ کے جانشین امام کی ملکیت ہوگی۔ مگر اس کو آباد کرنے اور مزرعہ بنانے

اور اس سے منفع ہونے کی بغیر کسی معاوضہ کے اجازت عام ہے اور اس پر احادیث نبویہ شاہد ہیں۔

غیر آباد یعنی بنجر زمین کے معاملہ میں اسلام کا نظریہ اشتراکی

موتات الارض لله ورسوله ثم هی لکم منی ایہا المسلمون
بنجر زمین دراصل خدا ورسول کی ملکیت ہے۔ پھر اے مسلمانو! وہ تمہارے لئے ہے۔

اسلام کا کمال وسعت نظر۔ ہر قوم کے لئے تصرف مالکانہ کا اذن عام

اگرچہ اس حدیث میں خطاب اہل اسلام سے ہے، مگر دوسری حدیثوں سے ظاہر ہوتا

ہے کہ بنجر زمینوں کی آباد کاری اور ملکیت کے متعلق شریعت اسلام کا نظریہ مذہب وملت کی
تفریق سے بالاتر ہے۔ وہ ہر انسان کو بلا تفریق مذہب وملت اس قسم کی آراضی کو آباد کرنے اور
مالکانہ حق انتفاع پیدا کرنے کا اذن عام دیتا ہے۔ وہ احادیث یہ ہیں:

(۱) ایما قوم احووا شیئا من الارض و عمروها فہم احق بہا و ہی لہم

جس قوم نے کسی زمین کو آباد کیا اور بسایا تو وہ لوگ اس کے زیادہ حقدار ہوں گے

اور وہ (زمین) انہیں کا حق ہوگی۔ (الکافی: ج ۵، ص ۲۷۹)

(۲) من احیی ارضاً مواتاً فہی لہ۔ (تہذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۵۲)

جس نے کسی بنجر زمین کو آباد کیا تو وہ اس کے ہوگی۔

(۳) من غرس شجراً او حفر وادیا بداء لم یسبقہ الیہ احد، و احیی

ارضاً میتة فہی لہ قضاء من اللہ ورسولہ۔ (الکافی: ج ۵، ص ۲۸۰)

جس نے درخت لگایا (زمین) کھود کر پانی کا راستہ بنایا اور اس کام میں اس نے

پہل کی۔ اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا، اور مردہ زمین کو زندہ کیا تو بحکم خدا ورسولؐ یہ چیزیں اسی

کی ملکیت ہوں گی۔

(۴) سألت ابا عبد الله عليه السلام عن شراء الارضين من اهل الذمة فقال لا بأس بأن يشتري منهم اذا عمروها و احيوها فهي لهم و قد كان رسول الله ﷺ حين ظهر على خيبر و فيها اليهود خارجهم على امر و ترك الارضين في ايدهم يعملونها و يعمرونها. (تهذيب الاحكام: ج ۷، ص ۱۴۸)

میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اہل ذمہ (یہود و نصاریٰ) سے زمین خریدنے کا حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان سے خریدنے میں کوئی مزا لقمہ نہیں، جب انھوں نے اس کو بسایا آباد کیا تو وہ ان کی ملک ہو گئی۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمین کا معاملہ یہود سے کر لیا تھا اور انکو انھیں کے قبضے میں چھوڑ دیا تھا کہ ان سے وزی کمائیں اور انکو آباد رکھیں۔

معاشیات میں مسلمان و کافر کا فرق نہیں

علامہ مجلسیؒ نے شرح حدیث میں فرمایا ہے، تفصیل القول فی ذلک ما ذکرہ الشہید الثانیؒ حیث قال من احيى ارضا قصد تمكله فى غيبة الامام يملكه فى ذلک المسلم والكافر لعموم من احيها.

تفصیل قول اس بارے میں وہ ہے جس کا ذکر شہید ثانیؒ نے کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ زمانہ غیبت امامؑ میں جس نے کوئی زمین آباد کی اور اسکو اپنی ملکیت میں لینے کا ارادہ کیا تو وہ اسکا مالک ہو جائے گا اس بارے میں مسلمان اور کافر دونوں برابر ہیں، کیونکہ حدیث میں لفظ، من احيها، عموم دلالت کرتا ہے۔

ولا يقدح فى ذلک كونها للامام يكون سائر حقوقه كذالك فى

ایدی الناس علی جهة الملك. (شرح فروع کافی جلد ۳ ص ۴۲۹)
 اس زمانہ کا مملوکہء امام ہونا اس بارے میں (یعنی دوسروں کی ملک بننے میں) مانع نہ
 ہوگا کیونکہ امام کے سارے حقوق ہی اسی طرح بعنوان ملکیت لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

زمین کی دوسری قسم

الثانی ما كانت عامرة بالاصالة ای لا من معمر والظاهر انه ایضا
 للامام... وهو ظاهر اطلاق قولهم و کل ارض لم یجر علیها ملک مسلم
 فهو للامام هل یملک هذه بالحیازة؟ وجهان: من کونه مال الامام ر من عدم
 منافاته للتملک بالحیازة کما یملک الاموات بالاحیاء مع کونه مال الامام
 فدخل فی عموم النبوی من سبق الی ما لم یسبق الیه مسلم فهو احق به.

(دوسری قسم) وہ زمین ہے جو بالاصالہ بغیر کسی کے آباد کئے ہوئے قدرتی طور پر
 آباد ہو، ظاہر ہے کہ اس قسم کی زمین بھی امام ہی کی ملکیت ہوگی۔، اس حدیث (ہر وہ زمین جس
 پر کسی مسلم کی ملکیت نہ جاری ہوئی ہو وہ مملوکہء امام ہوگی) کے اطلاق سے یہی ظاہر ہوتا ہے، اب
 رہ گیا یہ امر کہ وہ بغرض نہنگداشت قبضہ کر لینے سے کسی کی ملکیت بن جاتی ہے یا نہیں تو اس کے
 متعلق دو وجہیں ہیں (۱) اسکا مال امام ہونا اور (۲) اس بات کا بوجہ، حیازة، کسی کی ملکیت بن
 جانے کیلئے منافی نہ ہونا (یعنی مال امام ہوتے ہوئے وہ زمین اس شخص کی ملکیت میں
 آجائے گی۔ جو اس پر تصرف کریگا اور وہ اس حدیث بنوی کے عموم میں داخل ہو جائے گا کہ
 جو آدمی کسی ایسی شے کی طرف سابق ہوگا، جس پر کسی مسلم نے پہلے سے قبضہ نہ کیا ہو وہ

اسکا زیادہ مستحق ہوگا۔

اس کلام سے بھی دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں:

- (۱) عامر بالا صالہ“ وہ زمین ہے جو قدرتی طور پر آباد اور بغیر کسی آباد کرنے والے کی محنت و سعی کے پیداوار سے مالا مال ہو اس قسم کی زمین بھی نمائندہ حکومت الہیہ امام کی ملکیت ہوگی۔
- (۲) اس پر قبضہ کرنے اور اپنی نگرانی و حیا زہ میں لے لینے کا اذن عام ہو، ہر شخص حق ”حیا زہ“ کی بنا پر اسکا مالک قرار پاسکتا ہے، اور اس بارے میں زمین کا رسول و امام کی ملکیت ہونا مانع نہ ہوگا، جس طرح بنجر و افتادہ زمین بنا برحق آباد کاری مال امام ہونے کے باوجود آباد کرنے والے کی مملو کہ بن جاتی ہے، وہی صورت اس زمین کی بھی ہوگی۔ جو عامر بالا صالہ ہے، اور وہ اس قانون عام کے اندر داخل ہوگی جو اس حدیث نبوی میں مذکور ہے کہ:

س سبق الی ما لم یسبق الیہ مسلم فهو احق به .

زمین کی تیسری قسم

الثالث: ما عرض له الحیات بعد الموت . هو للمحیی فیصیر ملکا

له اما بسروط المذكورة فی باب الاحیاء. (المکاسب: ج ۴ ص ۱۷)

وہ زمین جو بنجر رہنے کے بعد آباد ہوئی ہو اس قسم کی زمین کا حکم یہ ہے:- وہ اس شخص کی ملک ہوگی جس نے اسے آباد کیا مگر ان شرائط کے ساتھ جو احیاء موات (مردہ زمینوں کی آباد کاری) کے باب میں مذکور ہے۔

زمین کی چوتھی قسم

الرابع: ما عرض له الموت بعد العمارة. (المکاسب: ج ۴ ص ۱۷)

جو آباد رہنے کے بعد بنجر ہو گئی ہو اس زمین کا حکم یہ ہے:

فان كانت العمارة الاصلية فهي مال الامام و ان كانت العمارة من
معمر ففي بقائها على ملك معمرها او خروجها عنه و صيرورتها ملكا لمن
عمرها ثانيا خلاف معروف في كتاب احياء الاموات.

اگر اس زمین کی آبادی اصلی ہے وہ مال امام ہوگی، اور اگر کسی دوسرے آباد کرنے والوں کی محنت
سے آباد کی گئی ہوگی تو زمین کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ پہلے آباد کرنے والے کی ملکیت پر
باقی رہے گی یا اس کی ملکیت سے نکال کر دوسرے آباد کرنے والے کی ملکیت ہو جائے گی۔

ممالک مفتوحہ کی آراضی کے متعلق نظریہ اشتراک، ارض خراج کا حکم

ممالک مفتوحہ کی آبادی و مزرعہ آراضی کا حکم بھی نظریہ اشتراک و مساوات پر مبنی ہے
۔ یعنی وہ تمام اہل اسلام کے مشترک ملکیت ہوگی، اس قسم کی زمین کو اصطلاح فقہ اسلامی میں
ارض الخراج کہتے ہیں شرایع اسلام اور اسکی شرح جو اہر الکلام میں ہے۔

كيف كان فلا خلاف اجدہ فی ان عامر الارض المفتوحة عنوة و
قهر اوقت الفتح للمسلمين قاطبة بلا خوف... فلا يملك احد منهم
بالخصوص رقبته فلا يصح لاحد منهم بخصوصه منهم فضلا عن غيرهم
بيعها ولا رهنها ولا هبتها ولا غير ذلك مما يتوقف صحته على
الملك... فلو مات لم يصح احياءها على وجه يترتب عليه الملك
للمحي لان المالك لها بغير احياء معروف وهو المسلمون قاطبة.

میں نے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا کہ وہ زمینیں عام مسلمانوں کی ملکیت ہوگی جو طاقت و غلبہ سے فتح کی گئیں اور بوقت فتح آباد تھیں، کوئی خاص مسلمان ان کا مالک نہ ہوگا (اور وہ کسی کی شخصی ملکیت نہ ہوگی) لہذا مسلمانوں میں سے کسی ایک کیلئے اس کو فروخت کرنا یا رہن رکھنا یا ہبہ کرنا اور اس طرح دوسرے تصرفات جس کی صحت ملکیت ہونے پر موقوف ہے صحیح نہ ہوگے اور اسی قسم کی زمین اگر بنجر ہو جائے تو اسی طریقے پر سے آباد کرنا صحیح نہ ہوگا، کہ آباد کرنے والے کی ملکیت قرار پائے کیونکہ اس کے مالک تو معلوم ہیں، اور جملہ اہل اسلام ہیں۔ (شرائع الاسلام: ج ۳۸ ص ۱۸)

ارض خراج کی ملکیت کی خاص نوعیت

یہ بات واضح ہے کہ بلاد مفتوحہ کی آبادی و مزرعہ آراضی عام مسلمانوں کی ملکیت ہوگی، مگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اس ملک کی حیثیت دوسری املاک سے جداگانہ ہے۔ صاحب مکاسب فرماتے ہیں،

نہا غیر مملوكة لملاکھا علی نحو سائر الاملاک فہذہ المملکیۃ
نحو مستقل من المملکیۃ قد دل علیہ الدلیل ومعناها صرف حاصل الملک
فی مصالح الملاک. (المکاسب: ج ۴ ص ۱۱)

وہ زمینیں اپنے مالکوں کی ملکیت دوسرے املاک کی طرح نہیں ہوگی بلکہ یہ ملکیت کا ایک مستقل عنوان جداگانہ ہوگا جس پر دلیل شاہد ہے۔ کیونکہ اس قسم کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ۔ املاک کی آمدنی مالکوں کی مصلحتوں میں صرف کی جائے (وہ زمین اس معنی سے تمام مسلمانوں

کی ملکیت ہوگی کہ ان کی آمدنی ان لوگوں کی مصالح عام میں صرف کی جائے۔

معلوم ہوا کہ ارض خراج اس معنی سے عامہ مسلمین کی ملکیت ہے کہ اس کی آمدنی زیر نگرانی اسلامیہ تقویت دین و استحکام مملکت اور مصالح عامہ ورفاہ عام کے دوسرے کاموں میں خرچ کی جائیگی، اور نظام مصالح عامہ سے جو فاضل رقم بچ جائیگی، نمائندہ حکومت الہیہ یعنی امام کا اسمیں کوئی حق نہ ہوگا۔

صاحب مکاسب لکھتے ہیں: ليس لنفسه من ذلك و قليل ولا كثير.

امام کے لئے اس میں کچھ بھی نہ ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔

آراضی مفتوحہ سابق کاشتکاروں کے قبضے میں رکھی جائیگی،

مقدار خراج کی بابت

اسلام کا منصفانہ نظریہ

اراضی الخرج یعنی ممالک مفتوحہ کی زمینوں کے متعلق اسلامی نظریہ ہیکہ وہ

سابق کاشتکاروں اور آباد کرنے والوں ہی کے ہاتھوں میں چھوڑ دی جائے گی، ایک

حدیث میں ہے۔

والارض التي اخذت عنوه بخيل و رجل فهي موقوفة متروكة

فی ید من یعمرها ویحییها و یقوم علیها علی ما یصالحهم الوالی علی

قدر طاقتهم من الحق النصف او الثلث او الثلثین علی قدر ما یکون لهم

صلاحاً ولا یضربهم. (الکافی: ج ۱، ص ۵۴۱)

وہ زمین جو فوجی طاقت سے حاصل کی جائے گی وہ وقف عام ہے، اور اسکے آباد کرنے

والوں ہی کے قبضے میں چھوڑ دی جائے گی اور حاکم اسلام انکی طاقت پر نظر کر کے یا نصف یا ایک ثلث یا دو ثلث غرض خراج کی وہ مقدار طے کریں گے جو ان کاشتکاروں کے لئے مناسب حال ہے، اور اس سے ان کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم اسلامی اراضی مفتوحہ کا بندوبست انہیں لوگوں کے ساتھ کریں جن کے ہاتھوں میں وہ پہلے سے ہوگی، اور اس بندوبست میں اس بات کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ کہ خراج ان لوگوں کی طاقت برداشت سے باہر نہ ہونے پائے ایسی مقدار خراج نہ ہو جو ان کے واسطے باعث ضرر بن جائے۔

غیر مسلم کاشتکاروں کے ساتھ رعایت

شریعت اسلام آراضی مفتوحہ کو سابق کاشتکاروں کے ہاتھوں ہی میں رکھے جانے کا حکم نہیں دیتی۔ بلکہ وہ ان کاشتکاروں کیلئے بھی حق تصرف مالکانہ تجویز کرتی ہے۔

یعنی انکو ان زمینوں کی خرید و فروخت کا بھی اختیار دیتی ہے۔ اس طرح آراضی مفتوحہ کے مالک دو ہو جائے ہیں، (۱) مالک اعلیٰ یعنی تمام مسلمین (۲) مالک ادنیٰ یعنی کاشتکار جن کے ہاتھوں میں وہ فتح سے پہلے تھیں اور بعد میں رہیں گی، کسی مسلم کو انھیں انکے حق ملکیت سے محروم کرنا جائز نہیں ہے البتہ ان سے ان زمینوں کو خرید سکتا ہے، مگر جو لگان وہ لوگ ادا کرتے تھے۔ وہ خریدنے والے کے ذمہ بھی واجب الادا ہوگا۔

سألت ابا عبد الله عن شراء الارض من ارض الخراج فكرهه قال

انما ارض الخراج للمسلمين فقالوا اليه يشتريها الرجل و عليه خراجها فقال

لا باس الآن يستحيى من عيب ذلك. (تهذيب الاحكام: ج ۷، ص ۱۲۸)

میں نے جب عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ خراج کی زمین کا خریدنا کیسا ہے؟ تو حضرت نے اس کی کراہت ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ زمین خراج تو جملہ مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے لوگوں نے عرض کی کہ مشتری اس شرط پر خریدے گا کہ اس زمین کس خراج (سابق غیر مسلم کاشتکار کی طرح) اسکے ذمہ بھی واجب الادا ہوگا، تو فرمایا اس صورت سے خریدنے میں مضائقہ نہیں۔ اگر اس کو خراج کے عیب سے شرم نہ آتی ہو۔

صاحب مکاسب لکھتے ہیں:

و ظاهره كما ترى عدم جواز بيعها حتى بيع الاثار المملوكة فيه
على ان تكون جزء من المبيع فيدخل في ملك المشتري نعم يحون
للمشتري على وجه كان للبايع اعنى مجرد الاولوية و عدم جواز مزاحمة.
جیسا کہ تم دیکھتے ہو ظاہر حدیث یہ ہے کہ اس زمین کا بیع کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اگر اسمیں
کچھ ایسے آثار (مثلاً درخت مکان وغیرہ) ہیں جو کسی کی ملکیت ہیں تو ان کے مالک کو ان آثار
کے ساتھ اس زمین کے فروخت کا اختیار نہ ہوگا۔ کہ وہ بھی ان کو ساتھ خریدنے والے کی ملکیت
بجائے۔ البتہ خریدار کا اس زمین پر وہی حق ہوگا جو بیچنے والے کا تھا۔ یعنی اولیہ (بہ نسبت
دوسرے کے ان کو حق انتفاع زیادہ ہونا) اور منفعت حاصل کرنے میں اس کی مزاحمت و ممانعت
جائز نہ ہوتا۔ (کتاب مکاسب: ج ۲ ص ۲۲)

لگان و مالگداری زمین کی اجرت ہے
اس کی تعیین کاشتکار کی رضا مندی پر موقوف ہے

ليس للخراج قدر معين ميل المناط فيه ما تراضى فيه السلطان و
مستعمل الارض لان الخراج هي اجرة الارض فينوط برضى المجر و

المستاجر.. (کتاب مکاسب: ۷۷)

خراج یعنی زمین کی لگان کی کوئی معین مقدار نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات سلطان اسلام اور زمین کے عالموں کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے۔ اس لئے کے خراج زمین کی اجرت ہے اور اجرت کا معاملہ موجر اور مستاجر (مالک اور کرایہ دار) کی باہمی رضامندی پر موقوف ہوا کرتا ہے۔ یہ حکم ظاہر کرتا ہے کہ شریعت اسلام حکومت اسلامیہ اور اہل خراج یعنی کاشتکاروں کے درمیان تعیین خراج کا معاملہ دو برابر کے شریکوں کی طرح طے کرنا چاہتی ہے حکومت خود اپنی طرف سے کوئی مقدار خراج مقرر کر کے انکو ادا کرنے پر مجبور نہیں کرے گی۔ بلکہ اسکا تعیین فریقین کی باہمی رضامندی سے ہوگا معمول دنیا یہ رہا کہ حکومتیں خود زمینوں کی حیثیت اور انکی مقدار لگان و مالگداری مشخص و معین کرتی ہے زمینداروں اور کاشتکاروں کی رضامندی اسمیں شرط نہیں ہے۔ انکے معاملات موجر و مستاجر کی مساوی حیثیت کے اصول پر قائم نہیں ہوتے، بلکہ عالم اور عالم کی حیثیت سے طے کئے جاتے ہیں، دنیا میں امت اسلامیہ کی یہ واحد مثال ہے کہ وہ کاشتکاروں کے برابر شریک کی حیثیت دے کر انکے رضامندی کے بغیر تشخیص مذار و خراج کا معاملہ خود حاکمانہ طریقے پر طے نہیں کرنا چاہتی بلکہ تراضی طرفین اس معاملہ کی بنیادی شرط قرار دیتی ہے، اس طرز عمل سے ظاہر ہے کہ نظام اسلامی کاشتکاروں کو کتنی اہمیت دیتا ہے، اور اس کی نظر میں اس طبقے کی کتنی عظمت ہے، اسکا طریقہ کار جاگیرانہ نظام سے کتنا مختلف ہے۔

ایک ضروری امر کی توضیح

احادیث منقولہ بالا یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ زمین کے بعض اقسام کا رسول و امام کی ملکیت ہونا اور ریاست کا حق قرار پانا عامۃ الناس کے حق انتفاع میں مزاحم و خلل انداز

نہیں ہوتا، ان زمینوں کی نوعیت شاہی جاگیر اور سلاطین کی زیادتی املاک اور صرف خاص کی جائیدادوں کی نہیں ہوتی، جن میں رعایہ کا کوئی حق نہیں ہوتا، وروہ محض ان کے شاہانہ و امیرانی جاہ و جلال کے برقرار رکھنے کا ذریعہ ہوں اور محض ذاتی عیش و عشرت کا سامان مہیا کرتی ہوں، بلکہ وہ بھی ریاست اسلامیہ ہی کی ملکیت ہوتی ہے اور ان کا تعلق بھی مفاد عامہ خلأق سے ہوا کرتا ہے، چونکہ شریعت اسلامیہ نے بعض اقسام آراضی کو ملک عامہ مسلمین قرار دیا ہے اور ان کو سلطنت اور رعایہ کے عام مصالح کیلئے مخصوص کر دیا ہے اور مملکتی ضرورتی سے فاضل رقم میں ”تقسیم بالسویہ“ کا اصول تجویز کیا ہے جس کی رد سے وہ ہر خاص و عام، ہر امیر و غریب بر مساوی تقسیم کی جائے گی، لہذا امیر حکومت اسلامیہ کی قانونی حیثیت ان زمینوں کے بارے میں محض متولی و نگرانی کی قرار دی گئی ہے۔ جس کا کام خراج اصول کرنا اور مصالح عامہ میں خرچ کرنا اور فاضل رقم کو عام مسلمین پر بالسویہ تقسیم کر دینا ہے۔

یہ ظاہر ہیکہ عام ملکی ضرورتوں کے علاوہ رعایا کی کچھ خاص ضرورتیں بھی ہوتی ہے۔ جو والی ریاست و حکومت سے متعلق ہوتی ہے اور ان میں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے اختیار از روئے قانون وسیع رکھے جائیں تاکہ حسب ضرورت و مصلحت مناسب عملدرآمد کر سکے۔ اس واسطے زمین کے بعض اقسام کو والی حکومت یعنی رسول و امام کی خاص ملکیت قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اس پر اور ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی ہے۔

امیر ریاست اسلامی کے مخصوص

فرائض اور ذمہ داریاں

یتیموں کی پرورش بیواؤں کی امداد اور قرضوں کا ادا کرنا، النبی اولیٰ بالمومنین

من انفسہم (سورہ احزاب) کی تفسیر میں منقول ہے۔ (تفسیر صافی):

فلما جعل الله النبی ابالمومنین الزمه مؤنتهم و تربیة ایتامهم فصد

ذلك صعد رسول الله المنیر من ترك مالا فلورثته و من ترك دینا او

ضیاعا فعلى و الى فالزم الله ینیه ما يلزم الوالد للولد و كذلك الزم امیر

المومنین و الزم رسول الله من بعد ذلك و بعد الائمة واحدا واحدا .

جب خدا نے رسول ﷺ کو مومنین کا باپ قرار دیا تو ان کی کفالت اور ان کے

یتیموں کی پرورش بھی ان پر لازم کر دی جب ایسا ہوا تو جناب رسالتمآب منبر پر تشریف لے

گئے اور فرمایا جو شخص کوئی مال چھوڑے گا وہ اس کے وارثوں کا ہوگا۔ جو آدمی قرض یا تباہ حال عیال

چھوڑ جائے گا تو وہ میرے ذمہ ہے اور میری طرف (یعنی اداء قرض اور تربیت عیال کا میں ذمہ

دار ہوں) تو خدا نے اپنے رسولؐ پر وہ بات فرض کی جو باپ پر بیٹے کے حق میں فرض ہوتی ہے

اسی طرح امیر المومنینؑ نے اپنے بعد کے امامؑ پر وہ امر لازم کیا جو رسولؐ خدا آپ پر فرض کر گئے

تھے اور یہی آئمہؑ میں یکے بعد دیگرے جاری رہا۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۲)

کس قسم کے دیون کا ادا کرنا

حاکم شرح کا فرض ہے؟

حضرت امام صادقؑ کا ارشاد ہے: من كان له على رجل مال اخذه ولم

ينفقه في اسراف او في معصية فعسر عليه ان يقضيه فعلى من له المال ان

ينظره حتى يرزقه الله فيقضيه واذا كان الامام العادل قائما فعليه ان يقضى عنه

دينه لقول رسول الله من ترك مالا فلورثته و من ترك دینا او ضیاعا فعلى و

على الامام ما ضمنه الرسولؐ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۱۰)

جس شخص کا کسی پر قرض ہو جس کو قرض دار نے فضول خرچی اور خدا کے گناہ میں صرف نہ کیا ہو اور

اس کا ادا کرنا تنگدستی کی وجہ سے دشوار ہو جائے تو صاحب مال کو اسے مہلت دینا اور اس وقت

ایک انتظار کرنا لازم ہے کہ خدا اس کو وسعت رزق دے۔ اور وہ قرض ادا کر کے اور امام عادل اگر برسر حکومت ہوں تو ان کا فرض ہوگا کہ اس شخص کا قرض ادا کرے کیونکہ جناب رسول خدا کی حدیث ہے، من ترک مالا . الخ۔ جو شخص مال چھوڑے گا تو وہ اس کے ورثہ کا ہوگا اور اگر قرض یا تباہ حال عیال چھوڑ جائے گا تو وہ میرے ذمہ ہے اور امام پر وہ ذمہ داری ہوگی جو رسول نے ان پر عائد کی ہیں۔

نیز مروی ہے، الامام یقضی عن المومنین الدیون امام مومنین کے قرضے ادا کریں گے

خود کاشت کرنے کی ہدایت

اسلامی نظام معیشت ہر آدمی کو یہ حکم دیتا ہے کہ مملوکہ اور مقبوضہ آراضی میں خود کاشت کرے، اور خود باغ لگائے۔ حدیث میں ہیکہ جناب رسالت مآب زمین کے مالکوں سے سرمایہ کرتے تھے ازرع فی ارضک، خود کاشت کرو۔ کان یعمل بیدہ، حضرت اپنے ہاتھ سے کام کاج کیا کرتے تھے۔

قانون مزارعت

لیکن خود کاشت نہ کرنے کی صورت میں لگان یا بٹائی پر دوسرے شخص کا معاملہ کر لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور اس کو اصطلاح فقہ اسلام میں مزارعہ کہتے ہیں:-

حدیث نبویؐ ہے: لا باس بالمزارعة بالثلث والرابع والخمس و اقل و اکثر مما یخرج اذا کان صاحب الارض لا یأخذ المزارع الا بما اخرجت. مزارعہ (بٹائی) کا معاملہ پیداوار کے تیسری چوتھے پانچویں حصے یا اس کے کم یا زیادہ پر بھی طے کرنے میں مضائقہ نہیں۔ مگر مالک زمین کو کاشتکار سے اپنی زمین کی پیداوار ہی سے وصول کرنے کا حق ہوگا۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۴۶۵)

مالک زمین کا مطالبہ صرف اس کی زمین کے پیداوار سے متعلق ہوگا

جناب صدوق ابن بابویہ نے فرمایا: لا باس ان تستاجر الارض بدرهم (و) بدرهم و تزارع الناس علی الثلث والربع او اقل او اکثر اذا كنت لا تأخذ الرجل الا بما اخرجت ارضک. (تہذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۹۴)

اس میں مضائقہ نہیں کہ تم زمین نقدی لگان پر اٹھا دو، یا مزارعہ (بٹائی) کا معاملہ تہائی چوتھائی یا اور اس سے کم و پیش غلے پر کرلو، جبکہ تم اس آدمی سے جس سے معاملہ کیا ہے اپنی زمین کی پیداوار ہی میں سے وصول کرو۔

اسلام کا قانون مزارعت نظام جاگیرداری نہیں

یہ کاشتکاروں کا حامی

اور نظام عدل و مساوات ہے

اسلامی، مزارعت، کو اس قسم کی جاگیرانہ و ظالمانہ معاملہ پر قیاس نہ کرنا چاہئے جو ہندوستان یا دوسرے ممالک میں عام طور سے زمین دار و کاشتکار کے درمیان ہوتا ہے بلکہ وہ ایسا معاملہ ہے جس میں جانبین کے حقوق از روئے انصاف معین اور محفوظ ہوتے ہیں مالک زمین اور کاشتکار دونوں کا اشتراک و مساوات کا درجہ اس معاملہ کی روح سے ہے، اس کے شرائط و احکام جو فقہ اسلامی کی کتابوں میں مذکور ہیں میرے اس بیان پر شاہد ہیں، اس مختصر سے مضمون میں ان کو نقل کرنا مناسب نہ ہوگا، البتہ چند شواہد یہاں پیش کئے جاتے ہیں، جو یہ ثابت کر دینے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام کا عادلانہ نظام کاشتکاروں کا جتنا حامی و ہمدرد ہے اس کی مثال عالم کے جاگیرانہ و زمیندارانہ نظامات میں نہیں مل سکتی۔

کسانوں کے حقوق کا تحفظ، وقت وفات شارع اسلام کی وصیت
کاشتکاروں پر ظلم نہ ہونے پائے، مقررہ لگان سے زیادہ رقم
وصول نہ کی جائے بیگار کی ممانعت

علی الا زرق راوی ہیں: سمعت ابا عبد الله يقول وصی رسول الله علیا
عند وفاته فقال يا علی لا یظلم الفلاحون بحضرتکم ولا یزاد علی الارض و
صنعت علیها ولا سخرت علی مسلم یعنی الاجیر۔ (الکافی: ج ۵، ص ۲۸۴)
میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ جناب رسالت آئے
حضرت علیؑ کو بوقت وفات وصیت فرمائی کہ اے علیؑ، کسانوں پر تمہارے روبرو کوئی ظلم نہ
ہونے پائے اور نہ زمین کا مقررہ لگان بڑھایا جائے اور نہ کسی مسلم اجیر سے بیگار کی جائے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان
کاشتکاروں کی حمایت میں بیگار اور
نذرانہ کی ممانعت

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کان الامیر المومنین ۱؎ یکتب
الیٰ عماله لا تسخروا المسلمین و ما سألکم غیر الفریضه فقد اعتدی فلا تعطوه
و کان یکتب یوصی بالفلاحین خیرا۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۶۲)
حضرت امیر المومنینؑ اپنے عمال کو یہ فرمان بھیجا کرتے تھے کہ مسلمانوں سے بیگار نہ
لیا جائے (پھر کاشتکاروں سے خطاب فرماتے تھے کہ) جو کچھ واجب الادا لگان کے ماسوا تم سے
مانگا جائے وہ زیادتی و ظلم ہے، تم وہ مانگنے والے کو نہ دینا، اور آپؑ اپنے فرمانوں میں کاشتکاروں
کے حق میں لکھا کرتے ہیں، کہ عمدہ سلوک کیا جائے۔

اسلام ممالک مفتوحہ کے غیر مسلم کاشتکاروں کے ساتھ بھی ان نا انصافیوں کو ناروا سمجھتا ہے جو دنیا کے جاگیردارانہ نظامات میں عموماً کی جاتی ہے۔ وہ انکی مرضی کے خلاف بیگار یعنی بدون معاوضہ خدمت لینایا کوئی اور منفعت حاصل کرنا ممنوع قرار دیتا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہے۔

(۱) ان رسول اللہ اعطیٰ یہود خیبر علی الشطر فکان یبعث علیہم من یغرض علیہم و یامرہم ان یریقیٰ لہم ما یا کلون۔
جناب رسالتماآب نے اراضی مفتوحہ نصف بٹائی پر خیبر کے یہودیوں کو دیدی۔
اور آپ کسی کو پیداوار اور حصہ کا تخمینہ کرنے لئے بھیجتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ یہودیوں کے پاس اتنا باقی رکھیں جو ان کے کھانے کے واسطے کافی ہو۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۱ ص ۱۲۵)

(۲) سألت ابا عبد اللہ عن سخرة فی القرى و ما یؤخذ من العلوج والا کراہ فی القرى فقال اشترط علیہم فما اشترطت علیہم من الدرہم و السخرة و ما سوی ذلک فهو لک و لیس لک ان تاخذ منهم شیئاً حتی ینشارطہم و ان کان کالمستیقن ان کان من نزل تلک القرية اخذ ذلک منه۔

(وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۶۲)

گاؤں میں جو بے گار طریقہ ہے۔ اور غیر معمولی اور کسانوں سے گاؤں میں جو کچھ (نذرانہ وغیرہ) لیا جاتا ہے، اور اسکی بابت میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا، کہ فرمایا کہ تم ان سے بطور شرط کے طے کر لیا کرو، نقد درہم (روپیہ) خدمت یا اس

کے علاوہ جو کچھ بھی تم کاشتکار سے طے کر لو گے وہ تمہارا حق ہے اور تمہیں بغیر معاملہ طے کئے ہوئے ان سے کچھ لینا کا حق نہیں، اگرچہ انکو (بنا بر رواج عام کے) اسکا یقین ہی کیوں نہ ہو کہ گاؤں میں جو شخص بھی (زمیندار کی حیثیت سے) آئے گا وہ ان سے وہ چیزیں لیگا۔

خراج کی وصولیابی میں جابرانہ طریقوں کی ممانعت

خراج کی وصولیابی طریقوں کا انسداد کیا ہے، زد و کوب اور جبر و تشدد کے دوسرے طریقے اختیار کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ مطالبہ خراج میں آلات زراعت، ہل، بیل، ضروری لباس سرما و گرما، سامان خوراک روز مرہ کے ضروریات زندگی کو فروخت یا نیلام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اگر معاشی مجبوریوں کی وجہ سے کاشتکار خراج ادا کرنے سے عاجز رہے ہوں تو ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کا حکم دیا ہے، اس پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فرمانوں کے مندر ذیل اقتباس شاہد ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان

عمال خراج کے نام

عام کسانوں کے حق میں لاثانی ہمدردی

(۱) ولا تیعین للناس فی خراج کسوة ستاع صیف ولا دابة

یعملون علیہا ولا عبدا ولا تضربن احدا سوطا لمکان درهم ولا تمسس

مال احد من الناس مصل ولا معاهد.. (نهج البلاغہ: خ ۵۱)

اورد یکھنا خراج (لگان) مطالبہ میں لوگوں کے سردی و گرمی کے لباس کھانے کی

چیزیں جو ان کا رزق ہیں وہ جانور جن سے وہ کاشت کرتے ہیں، اور غلام کو ہرگز فروخت نہ کرنا اور نہ انکو درہم (خراج) کیلئے مارنا، اور کسی مال کو ہرگز ہاتھ نہ لگانا خواہ وہ مسلم ہو یا ذمی یا یہودی و نصاریٰ وغیرہ۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان مالک اشتر کے نام

(۲) تفقد امر الخراج بما يصلح اهله فان صلاحه و صلاحهم لمن سواهم الابهام لان الناس كلهم عيال على الخراج و اهله و لیکن نظرک فی عمارة الارض ابلغ من نظرک فی استجلاب المخرج لان ذلک لا یدرک الا بالعمارة و من طلب الخراج بغير عمارة اخرج البلاد و اهلك العباد و لم يستعم امره الا قليلا فان شکورا ثقلا او علة او انقطاع شرب او بالة او احالة ارض اعتمرها غرق او اجحف بها عطش خفت عنهم بما ترجوان يصلح به امرهم ولا يتقلن عليك شئ خفت به المؤنة عنهم فانه ذخريعودون به عليك فی عمارة بلادک و تزئین و لا یتک مع استجلابک حسن ثنائهم و تبجحک باستفاضة العدل فیهم معتمد افضل قوتهم بما ذخرت عندهم من اجماعک لهم و الثقة منهم بما عودتهم من عدلک علیهم فی رفقک بهم فر بما حدث من الامور ما اذا عولت فيه علیهم من بعد احتملوه طيبة انفسهم به فان العمران متحمل ما حملته و انما یوتی خراب الارض من اعواز اهلها لا

شرف انفس الولاية على الجميع وسوء ظنهم بالبقاء و قلة انتفاعهم بالعبر .
(نہج البلاغۃ: خ ۵۳)

معیشت (سامان زندگی) کا دار و مدار خراج و اہل خراج ہی پر ہے اور خراج وصول کرنے سے زیادہ تمہاری نگاہ زمین کی آبادی پر رہنی چاہئے اس لئے کے خراج بغیر زمین کی آبادی کے حاصل نہیں ہو سکتا اور جس نے زمین کو آباد رکھے بغیر خراج وصول کرنا چاہا اس نے ملک کو خراب اور بندگان خدا کو تباہ کر دیا اور اس کی حکومت تھوڑے دنوں کے سوا درست نہ رہ سکی، پس اگر (کاشتکار) مقدار خراج (لگان کے بھاری ہونے اور کسی ناگہانی آفت مانہر سے سیرابی کے بند ہو جانے یا مینہ نہ برسنے یا زمین کے غرقاب رہنے یا بخوبی سیراب نہ ہو سکنے — پیداوار کی خرابی کی شکایت کریں تو ان سے اتنی مقدار کم کر دو جتنی میں تم کو امید ہو کہ انکی حالت درست ہو جائے گی، اور اس مقدار کا کم کرنا تم پر گراں نہ گزرے کیونکہ وہ ان کے پاس جمع رہے گی۔ اور شہروں کے آباد ہو جانے اور ملک کی حالت سدھرنے کے بعد تمہاری طرف پلٹ آئیگی ساتھ ہی اسکے تمکو انکی مدح ثناء بھی حاصل ہوگی اور ان کے درمیان عدل و انصاف جاری کر سکو گے ان کو راحت دیکر جو کچھ ان کے پاس ذخیرہ کر دو گے اسکو (خوشحالی کے وقت میں) انکی فاضل آمدنی پر (بوقت ضرورت) بھروسہ کر سکو گے اور اپنی نرمی و انصاف کی عادت دلا کر انکا اعتماد بھی حاصل کر لو گے، اسکے بعد ناگہانی ضرورتوں میں جب ان پر بھروسہ کرو گے تو وہ بخوشی اس بوجھ کو اٹھالیں گے، کیونکہ ملک کی آبادی و خوشحالی وہ سب بار اٹھا سکتی ہے جو تم اس پر ڈالو گے، اور کسانوں کا محتاج رہنا ہی زمین کی خرابی کا باعث ہوتا ہے، اور زمیندار مفلس اسی

وقت ہوتے ہیں جب حاکموں کے نفس مال و دولت سمٹنے پر مائل ہو جاتے ہیں، بقاء منصب امارت

کی طرف سے بدگمان ہو جاتے ہیں، اور زمانہ کی عبرتوں سے نفع حاصل نہیں کرتے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان
ان غیر مسلم زمینداروں کے نام جنگی زمینوں پر سے
اسلامی افواج گزرنے والی تھیں

اما بعد فانی سیرت جنوداھی مادة بکم انشاء اللہ و قد اوصیتهم بما
يجب الله عليهم من كف الذی و صرف الشذی و انابرع الیکم والی ذمتکم
من معرفة الجيش الاجوعة الضطرا لا يجد عنها مذهباً الی شيعه فنکلوا منهم
ظلماً عن ظلمهم و کفوا ایدی سفهائکم عن مضاداتهم و التعرض لهم فيما
استثنیاه منهم وان بین اظهر الجيش فارفعوا الی مظالمکم وما عراکم مما
یغلبکم س س رسم و لا تطیقون دفعه الا بالله و بی، اغیره بمعونة الله انشاء الله.

اما بعد میں نے فوجوں کو روانہ کیا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے قریب سے گزریں
گی، میں نے وہ باتیں سمجھا دی ہیں جو خدا کی طرف سے ان پر فرض ہیں یعنی وہ اذیت رسانی
شرانگیزی سے باز رہیں اب اگر ان فوجوں سے کوئی ضرر تمہیں پہونچے تو میں تم سے ان کی
بابت اپنی برائت چاہتا ہوں، مگر یہ کہ کوئی شخص بھوک سے مضطر ہو کر بغیر کچھ نقصان پہونچائے
سیر ہو سکنے کی کوئی راہ نہ پائے پس جو شخص ان میں سے (بغیر ضرورت) کسی شئی کو ہاتھ لگائے تو
اس کو ظلم کی سزا دو، مگر ہم نے جو کچھ مستثنیٰ کر دیا ہے (یعنی بوقت ضرورت بقدر احتیاج) لے
لینا اسکی بابت اپنی قوم کے بے عقلوں کی مزاحمت اور چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز رکھنا (اور یہ

جان لو کہ گویا) میں لشکر ہی میں موجود ہوں، پس جو مظالم تم پر ہوں اور فوجوں کہ طرف سے جو زبردستی تم پر واقع ہو۔ جس کے دفع کرنے پر تم خود قادر نہ ہو سکو تو وہ مجھ تک پہنچاؤ، میں خدا کی مدد سے اسکو دفع کر دوں گا۔ (نہج البلاغہ: خ ۶۰)

معادن کے اقسام و احکام

جس طرح زمین کی بعض قسمیں اصلاً غیر مملوک قرار دی گئی ہیں۔ اور وہ شخص ان میں سے کسی کاروبار کی غرض سے پہلے قبضہ کر لے گا۔ وہ اسکا حقدار بن جائیگا۔ اس طرح کا حکم مورتیات کی بس اقسام کا بھی ہے اسکی تفصیل معلوم کرنے کیلئے شرایع اسلام کی مندرجہ ذیل عبارت پر نظر رنی چاہئے

معادن ظاہرہ

الطرف الرابع فی المعادن فالظاهر منها لا تفتقر الی اظهار کالمح والنفط والقار لا تملک فلا یختص بها المحجر و فی جواز اقطاع السلطان المعادن المیاہ تردد۔ (شرائع الاسلام: ج ۳ ص ۲۷۸)

طرف چھارم معادن کے بیان میں: ظاہری معادن یعنی جو نکالنے کے محتاج نہ ہوں (ان تک بغیر کسی محنت و مشقت کے رسائی ہو سکتی ہو) مثلاً نمک اور نفط (مٹی کا تیل اور قیرے تار کول) اس قسم کے معادن کا کوئی مالک نہیں ہوتا اور نہ وہ تحجر (کسی چیز سے روک دینے) کی وجہ سے حجر (روکنے والے) کیلئے مخصوص ہوتے ہیں، اور آیا حکومت کیلئے ایسے معادن اور (دریاؤں اور ندیوں) پانی کو کسی کی جاگیر قرار دینا جائز ہے، تو اس بارے میں تردد ہے، جو شخص ایسے معادن اور پانی تک پہنچے گا اسکو بقدر اپنی حاجت کے اس میں سے لینا جائز ہے۔

معادن باطنہ

من سبق اليها فله اخذ حاجته اما المعادن الباطنة هي التي لا تظهر الا بالعمل كمدان الذهب الفضة النحاس فهي تملك بالاصياء.

معادن باطن سے مراد وہ ہیں جو بغیر عمل و محنت کے ظاہر نہ ہوتے ہوں جیسے سونے چاندی تانبے کی کانیں اس قسم کے معادن بوجہ احیاء (آبادی کرنے کھودے نکالنے کے) ملک بن جاتے ہیں۔ (شرائع الاسلام: ج ۴ ص ۶۹۷)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ معادن کی دو قسمیں ہیں، اور ایک کا حکم جدا گانہ ہے (اول) معادن ظاہرہ۔ یعنی جن تک رسائی آسان سے نفع اٹھانا بغیر کسی محنت و مشقت کے ممکن ہو چونکہ ایسے معادن کی چیز خود بخود باہر آ جانے کی وجہ سے بغیر محنت اور عملی جدوجہد کے قابل انتفاع ہوتی ہیں۔ لہذا وہ بندگان خدا کی مشترکہ ملکیت رہیں گی اور ان کا شمار منافع مشترکہ میں ہوگا۔

۱۔ دن باطنی۔ یعنی وہ معادن جن کے کھدنے میں اور نکالنے میں محنت و مشقت اور عملی جدوجہد درکار ہوتی ہے، وہ محنت و عمل کی بنا پر انفرادی ملکیت بن سکتی ہیں، اور ان کا حکم ان بنجر زمینوں کا ہوگا جن کا ذکر اوپر گذرا۔

چند ضروریات زندگی

جن کو اسلام نے اشتراکی سرمایہ قرار دیا ہے

چند اہم ضروریات زندگی کو اسلام نے عامہ خلاق کا اشتراکی سرمایہ قرار دیا ہے۔ اور وہ اس حدیث میں مذکور ہے: قال رسول الله خمس لا يحل منعهن الماء والملح والكلاء والنار والعلم. (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۴۳۵)

پانچ چیزوں کی روک ٹوک جائز نہیں۔ پانی۔ نمک۔ آگ۔ چوپایوں کا چارہ۔
 (سبزہ گھاس وغیرہ) اور علم (جس مذہب میں علم کو مخصوص طبقہ کا حق قرار دیا گیا ہے وہ سردر
 گریبان ہو کر پیغمبر اسلام کی اس حدیث پر غور کرے)
 ان کی تفصیل احکام کتب فقہ اسلام سے معلوم کئے جاتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں
 ان کی گنجائش نہیں ہے۔

تجارت کی اہمیت و ضرورت اور اسکے شرعی احکام

حدیث منقولہ بالا ”وجه التجارة“ کے متعلق جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔
 اما وجه التجارة فقولہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا إذا تداینتم بدینِ الی
 أجل مسمى فاكتبوه ولیکتب بینکم كاتب بالعدل الخ۔ (البقرہ: ۲۸۲)
 فعرفہم سبحانہ کیف یشترون المتاع فی السفر والحضر و کیف یتجرون۔
 کسب معاش کا طریقہ تجارت کی طرف خدا نے اس آیہ مبارکہ میں ہدایت فرمائی ہے
 ، خدا نے اس آیت میں انسانوں کو بتایا ہیکہ سفر و حضر میں کس طرح متاع تجارت خریدیں اور
 کیونکر بیع و ثراء کے معاملات کریں۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۱۱)
 سورہ بقرہ کی چند آیتوں میں خداوند عالم نے نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ سفر
 و حضر میں نقد و قرض کے معاملات کس طرح کئے جائیں۔ حضرت امیرؑ نے انہیں کی طرف توجہ
 دلائی ہے۔

زمانہ حاضرہ کے مشاہدات نے اب اس حقیقت کو محتاج بحث نہیں رکھا ہے کہ قوم
 کے معاشی فلاح و بہبود کا راز وسائل معاش میں سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے۔ اور

یہی مبارک پیشہ معاشی نظام کی ترقی و برتری کا کفیل اعظم بنتا ہے، جس قوم کو تجارت کی برکات میسر نہیں وہ دوسرے قوموں کی دست نگری اور غلام ضرور ہونگی، اگر سیاسی نہیں تو کم از کم اقتصادی و معاشی حیثیت سے اسکا غلام بن جانا ناگزیر ہے، اسی بات کی جانب جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے لا تدعوا التجارة فتھونوا اتجروا ایبارک اللہ لکم،، تجارتی کاروبار نہ چھوڑو کہ اس سے تم ذلیل ہو گے تجارت کرو خدا تمہیں برکت دے۔ (تہذیب الاحکام: ج ۷، ص ۳)

نیز اسی وجہ سے ترک تجارت کو حدیث میں بے عقلی سے تعبیر کیا ہے، اور اسکو سبب زوال عقل بتایا ہے:

من ترک التجارة ذهب ثلثا عقله لا تتركها فان تركها مذهباً للعقل اسع علیٰ عیالک وایاک ام یكونوا هم السعاة علیک. (وسائل الشیعة: ج ۱۲ ص ۶)

جو شخص تجارت کو چھوڑ دیتا ہے اسکی دو تہائی عقل چلی جاتی ہے۔ تجارت ترک نہ کرو، کہ اس سے عقل زائل ہو جاتی ہے اپنے اہل و عیال کی معیشت کے لئے تم دوڑ دھوپ کرو، اور اب اس نے دولہ وہ تمہارے لئے محنت و سعی کریں، فقہ اسلام میں احکام تجارت کو خاص ہے، ان کے حق بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہو سکے گا کہ فقہ اسلام نے تجارت کو ایک مستقل فن کا مرتبہ دیا ہے، اور ساتھ ہی تجارت کو ہدایت کی ہیکہ کاروبار تجارت شروع کرنے سے پہلے اس کے مسائل پر عبور حاصل کر لیں، جناب شیخ مفید۔

ارشاد خداوندی:

لا تاكلوا اموالکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض (نساء: ۲۹)

اور قول الہی انفقوا من طیبات ما کسبتم (بقرہ: ۲۶۷) کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے

ہیں: فندب الی الاتفاق من طیب الاکتساب و نہی عن طلب الخبیث
للمعیشة فمن لم يعرف فرقا ما بین الحلال من المكتب والحرام لم یکن
مجتنباً للخبیث من الاعمال ولا کان عن ثقة فی تفقة من طیب الاکتساب.

خدا نے پاک کمائی سے راہ خدا میں خرچ کرنے کی دعوت دی ہے اور ناپاک روزی سے منع کیا
ہے جو آدمی یہ نہ جانتا ہوگا کہ حلال و حرام کمائی میں کیا فرق ہے وہ خبیث و (ناپاک) کاروبار
سے پرہیز نہ کر سکے گا، اور نہ قابل اعتماد علم اس بات کا اسے حاصل ہوگا کہ کمانے کا عمدہ اور پاک
طریقہ کیا ہے۔ (المقنع: ص ۵۹۱)

نیز خدا کا ارشاد ہے:

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (بقرہ: ۲۷۵)
ذَلِكَ بَانَهُمْ يَه اس وجہ سے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ جیسا کاروبار ویسا ہی سود کا معاملہ، حالانکہ
کاروبار کو خدا نے حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے، لہذا ہر آدمی کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ بیع جو ربوا
کے خلاف ہے (اور جو حلال قرار دی گئی ہے) کیا ہے تاکہ اسے یہ علم ہو جائے کہ خدا نے تجارت
اور اکتساب معاش کے وسائل و ذرائع میں سے کس کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور مروی ہیکہ جناب
امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: من اتجر بغير علم فقد ارتطم فی الربا ثم ارتطم: کہ جو
شخص بغير علم کے تجارتی کاروبار کرے وہ ربوا کے دلدل میں گرے گا اور پھر گرے گا۔

من اراد التجاره فليتفق في دينه: قال الصادق عليه السلام: ليعلم
بذلك ما يحل له و يحرم عليه و من لم يتفق في دينه ثم اتجر تورط في
شبهات. (وسائل الشيعه: ج ۱ ص ۳۸۲)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو تجارت کرنا چاہتا ہے اس کو دینی

مسائل کا علم ضرور حاصل کر لینا چاہئے، تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے، اور جو بغیر علم حاصل کئے تجارت کریگا وہ شبہات میں مبتلا ہوگا: (حلال و حرام کی تمیز نہ کر سکے گا)۔

تجارت سے متعلق اس مختصر مضمون میں صرف چند بنیادی اصول اور اساسی احکام و ہدایت کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔

معاملہ تجارت کی بنیاد تراضی ترفین پر ہونی چاہئے

فرمان خداوندی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ** (نساء: ۲۹)
اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ باہم تجارتی معاملات ایک دوسرے کی رضامندی سے ہوں۔

ارشاد مبارکہ میں معاملات تجارت کے متعلق فقہ اسلام کے احکام و ہدایات کی بنیاد واضح کر دی ہے۔ یعنی خرید و فروخت میں کسی طرح کی بد معاملگی نہ ہونی چاہئے اور معاملہ تابراور گاہک کی باہمی رضامندی اور خوش دلی پر مشتمل ہونی چاہئے صاحب کنز العرفان نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:

ههنا فروع (۱) شرط التجارة كونها عن تراض ای صادرة عن تراض من المتعاقدين فيخرج مالهم يكن كذلك عن الاباحة. (ب) قال الشافعي المراد التفرق عن تراض فلهما الخيار قبل التفرق وهو مذهب الاصحاب لقوله البيعان بالخيار ما لم يفترقا. (وسائل الشيعه: ج ۱۸ ص ۵)
تجارت میں یہ شرط ہے کہ وہ تاجر اور دونوں کی باہمی رضامندی سے واقع ہو معاملہ

تجارت ایسا نہ ہوگا اباحت سے خارج ہوگا (جائز و حلال نہ ہوگا) شافعی کا قول ہے کہ تراضی کے ساتھ طرفین کا ایک دوسرے سے جدا ہونا مراد ہے لہذا جب تک صاحب مال اور خریدار متفرق نہیں ہوئے ہیں معاملہ کی فسخ کر دینے کا انہیں حق حاصل رہے گا اور یہی مذہب ہمارے اصحاب (علماء امامیہ) کا بھی ہے کیونکہ آن حضرت کا ارشاد ہے، بایع و مشتری کو اختیار حاصل ہے (یعنی انہیں معاملات کے فسخ کر دینے کا حق ہے) جب تک متفرق نہ ہو جائیں۔

(ج) عقد المکرہ باطل نعم لو اجاز فیما بعد صح لحصول الرضاء:
مجبور کا معاملہ خرید و فروخت باطل ہے ہاں اگر بعد حصول اختیار اجازت دے تو صحیح رہیگا کیونکہ رضا (جو شرط صحت معاملہ ہے) حاصل ہوگی۔

(۲) الرضاء يراد به المعتبر شرعا فلا ارعبار برضاء الصبی
والمجنون والسكران والسفيه والمفلس فلا يصح عقودهم ولو اجازوا بعد
زوال المانع. (کنز العرفان)۔

رضا سے وہ رضا مراد ہے۔ جو شرعا معتبر ہے، لہذا بچے دیوانے، نشہ میں سرشار بے عقل و مفلس (قاضی شریعت کی طرف سے جس کو دیوانہ و مفلس قرار دیا گیا ہو) کا معاملہ صحیح نہ ہوگا اگرچہ بعد زوال مانع اسکی اجازت دیں۔

حق کی لین دین شرط تجارت ہے

حدیث نبوی ہے:

التاجر فاجر والفاجر فی النار الا من اخذ الحق واعطى الحق۔

تاجر فاجر (بدکار) ہے اور فاجر جہنمی ہے مگر جو حق لے اور حق دے۔

(وسائل الشیعہ: ج ۱۷ ص ۳۸۴)

تجارت میں بدمعاملگی نہ ہونے پائے

نیز حدیث نبوی ہے: افضل الکسب بیع مبرور عمل الرجل بیدہ سب سے اچھی کمائی بیع مبرور ہے اور دستکاری،۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۴)
بیع مبرور، ایسا تجارتی کاروبار مراد ہے جس میں دھوکا! فریب، خیانت بدمعاملگی، ضرر و نقصان، خدا کی نافرمانی مردم آزاری نہ ہو۔

آداب تجارت کی بابت

تجار کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ہدایتیں

مروی ہیکہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام بنفس نفیس کوفہ کے بازاروں میں تشریف لے جاتے تھے اور تاجروں کے مجمع میں یوں خطاب فرماتے تھے:

قدموا لاستخارة وتبرکوا بالسهولة واقتربوا من المتباعين وتزینوا
بالحلم وتناہوا عن اليمين و جانبوا الكذب وتجافوا عن الظلم وانصفوا
من ولا تقربوا الربوا و اوفوا بالكيل والميزان ولا بخسوا الناس اشياء هم
الا يصوا حتى لا تص معسدين. (الکافی: ج ۵، ص ۱۵۱)

سب سے پہلے خدا سے خیر کے طالب ہوں اور سہولت و نرمی سے برکت حاصل کرو
خریداروں سے قریب رہو (یعنی بدخلقی نہ کرو کہ وہ تم سے دور ہو جائیں) اور حلم سے آراستہ بنو
قسموں سے باز رہو جھوٹ سے بچو ظلم سے دور بھاگو مظلوموں کے ساتھ انصاف کرو، ربا، سود
کے قریب نہ جاؤ ناپ تول پوری کیا کرو لوگوں کی (خریدی ہوئی) چیز کم نہ دیا کرو اور زمین میں
فساد نہ پھیلاؤ۔

ارشاد نبوی: تاجر کو پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے

حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ نے فرمایا: قال رسول اللہؐ من باع واشتری
فلیحفظ خمس خصال والا فلا یشتیرین ولا یبیعن الربوا والحلف وکتمان
العیب والحمد اذا باع والذم اذا اشتری۔ (الکافی: ج ۵، ص ۱۵۰)
جو آدمی خرید و فروخت کرے اس کو پانچ باتوں کی نگہداشت ضروری ہے اگر نہ کر سکتا ہو تو ہرگز
خرید و فروش کا کاروبار نہ کرے سود لینا قسم کھانا مال کا عیب چھپانا بیچنے کے وقت اپنے مال کی
تعریف کرنا اور خریدنے کے وقت دوسروں کے مال کی برائی کرنا۔

چند آداب تجارت ارشاد نبویؐ میں:

ابو امامہ راوی ہیں: سمعت رسول اللہ یقول اربع من کن فیہ طاب
مکسبہ اذا اشتری لم یعب واذا باع لم یحمد ولا یدلس وفیما بین ذلک لا
یحلف۔ (الکافی: ج ۵، ص ۱۵۳)

میں نے جناب رسالت مآب کو یہ فرماتے سنا کہ جس آدمی میں چار باتیں ہوں گی اس
کی کمائی پاک ہے جب خریدے تو عیب نہ لگائے جب بیچے تو تعریف نہ کرے تدلیس سے کام
نہ لے (یعنی خریدار سے مال کا عیب نہ چھپائے) اور قسمیں نہ کھائے۔

آداب تجارت کے متعلق امام جعفر صادقؑ کی ہدایات

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک صحابی کو جو سفر تجارت کا قصد کر کے حاضر
خدمت ہوئے اور آپ سے مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا:

علیک بصدق اللسان فی حدیثک ولا تکتُم عیبا یكون فی

تجارتک ولا تغبن المسترسل فان غبنه لا يحل ولا ترض للناس الا ما ترضی
 لنفسک واعط الحق وخذه ولا تخف ولا تخن فان التاجر الصدوق مع
 سفرۃ الکرام البورۃ يوم القيامة واجتنب الحلف فان اليمين الفاجرة تورث
 صاحبها النار والتاجر فاجر الا من اعطى الحق واخذه و اذا عزمتم على
 السفر او حاجة مهمة فاكثر الدعاء والاستخارة فان ابی حدثنی عن ابیه عن
 جدہ ان رسول اللہ کان یعلم اصحابہ الاستخارة کما یعلمہم السورۃ.

اپنی زبان گفتگو میں سچی رکھو اور مال میں جو عیب ہے اسے نہ چھپاؤ جو تم پر معاملہ میں
 بھروسہ کرے اس کو نقصان نہ پہنچاؤ اس کا نقصان کرنا حلال نہیں اس کا مقصد یہ نہیں کہ
 ،سروں کو کم دینا جائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یوں تو عام خریداروں کو نقصان پہونچانا یا کم دینا
 جیسا کہ پہلے معلوم ہوا جائز نہیں ہے لیکن اس آدمی کے ساتھ یہ برتاؤ جو تمہاری ایمانداری و
 یانت پر بھروسہ کرتا ہو اور بھی برا ہے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی بات پسند کرو جو اپنی
 ذات لیلیٰ پسند کرتے ہو حق دو، اور حق لو، نہ ڈرو اور نہ خیانت کرو بیشک سچا تاجر قیامت کے
 روز فرسوں کے ساتھ ہوگا۔ کیوں کہ جھوٹی قسم کھانے والے کو جہنم کا مستحق بناتی ہیں۔ تاجر
 فاجر (بدکار) ہے مگر وہی اس مستثنیٰ ہے جو حق دے اور حق لے۔ اور جب سفر تجارت کا قصد کرو
 یا کسی اہم ضرورت میں گھر سے نکلو تو خدا سے دعا اور طلب خیر زیادہ کرو۔ میرے والد اپنے
 پدر عالیقدر سے اور انھوں نے اپنے جد امیر المومنین سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا
 ﷺ اپنے اصحاب کو طلب خیر کے طریقے اور دعائیں سورہ قرآن کی طرح سکھایا کرتے

تھے۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۴۸۵)

کم تولنے کی مذمت

(۱) والسماء رفعها ووضع الميزان الا تطغوا في الميزان و اقيموا

الوزن بالقسط و لا تفسروا الميزان. (الرحمن: ۹.۷)

اور خدا نے انصاف کو قائم کیا تاکہ تم لوگ ترازو (سے تولنے) میں نا انصافی نہ

کرو۔ اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو۔ اور تول کم نہ کرو۔

ناپ تول میں کمی کرنے والے کے لئے تباہی ہے

(۲) ويل للمطففين الذين اذا كتالوا على الناس يستوفون ادا

كالوهم او وزنوهم يخسرون الا يظن اولئك انهم مبعوثون ليوم عظيم يوم

يقوم الناس لرب العالمين. (المطففين: ۵.۱)

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی (تباہی) ہے۔ جو اوروں سے جب

ناپ تول کرتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

کیا وہ ایک بڑے (سخت) دن کے لئے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن تمام لوگ سارے

جہانوں کے پروردگار کے سامنے ٹھہرے ہوں گے۔

(۳) و اوفوا اكيل اذا كلتم وزنوا بالقسطاس المستقيم ذلك

خير و احسن تاويلا. (الاسراء: ۳۲)

جب ناپ کر دینا ہو تو پیمانہ کو پورا بھر دیا کرو۔ اور (جب تول کر دینا ہو تو) ٹھیک

ترازو سے تولا کرو۔ یہی اچھا طریقہ ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے۔

(۴) و اوفوا اكيل ولا تكونوا من الخسرين. وزنوا بالقسطاس

المستقیم۔ ولا تبخسوا الناس اشیاءهم ولا تعثوا فی الارض مفسدین۔

واتقوا الذی خلقکم والجبلة الاولین۔ (الشعراء: ۱۸۱۔ ۱۸۴)

پیمانہ پورا کر دیا کرو۔ اور کم دینے والوں سے نہ ہو جاؤ۔ اور لوگوں کی (خریدی

ہوئی) چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد نہ پھلاتے نہ پھرو۔ اور اس (پیدا کرنے

والے) سے ڈرو جس نے تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔

**ناپ تول میں کمی کرنے سے
قو میں مبتلائے عذاب ہو چکیں ہیں**

صفوان راوی ہیں:

بن المسترسل قال ابو عبد الله عليه السلام ان فيكم خصلتين

هلك بهما لك قبلكم من الامم! قالوا: وما هما يا بن رسول الله؟ قال:

المكياں و يميزان۔ (وسائل الشيعه: ج ۱ ص ۳۹۵)

جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: تم میں دو چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے امتیں

ہلاک ہو چکی ہیں! اصحاب نے پوچھا اے فرزند رسولؐ وہ چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: پیمانہ اور ترازو۔

وزن کب پورا ہوگا

جناب امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: لا يكون الوفاء حتى يميل الميزان

وزن پورا نہیں ہوتا جب تک ترازو جھک نہ جائے۔ (الکافی: ج ۵ ص ۱۵۹)

غبن حرام ہے

(۱) غبن المسترسل سحت (۲) غبن المومن حرام (۱) بھروسہ کرنے

والوں کو کم دینا حرام ہے (۲) اور مومن کو کم دینا حرام ہے۔ (الکافی: ج ۵ ص ۱۵۳)

شرط بیع یہ ہے کہ مقدار شی معلوم و معین ہو

شرائع الاسلام میں ہے:

وان یكون المبیع معلوما فلا یجوز بیع ما یکال و یوزن او یعد جزافا ولو کان مشاهدا کاصبرة ولا بکیان مجهول. (شرائع الاسلام: ج ۲ ص ۱۰)

شرط بیع یہ بھی ہے کہ مقدار بیع معلوم ہو، پس جو چیز کہ پیمانے سے فروخت کی جاتی ہے اور جوشی وزن سے فروخت کی جاتی ہے اور جوشی شمار کر کے نیچی جاتی ہے اس کو تخمین اور خیالی انداز سے فروخت کرنا ناجائز ہے اگرچہ وہ شی آنکھوں کے سامنے ہو جیسے کہ علی ڈھیری اسی طرح چیزوں کا ایسے پیمانہ سے بیچنا بھی ناجائز ہے جس کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تاجروں کیلئے قسمیں

اور دستکاروں کے لئے آج کل کے جھوٹے وعدے تباہی کے باعث ہیں

حدیث نبویؐ میں ہے کہ:

ویل لتجار امتی من لا والله و بلیٰ والله و ویل لصناع امتی من الیوم وغدا. (من لا یحضرہ الفقیہ: ج ۳ ص ۱۶۰)

میری امت کے تجارت کی تباہی ہے ”لا والله“ اور۔ بے اللہ۔ جھوٹی قسموں

سے اور دستکاروں کی تباہی ہے، آج و کل، کے جھوٹے وعدوں سے۔

حد سے سوا نفع خوری کی شدید مذمت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص کو جس کا نام مصارف تھا ایک ہزار اشرفیاں دیں اور فرمایا کہ مال تجارت خرید کر مصر جانے والے تجارتی قافلہ کے ساتھ جائے اور فروخت کرے۔ اس نے سامان تجارت خرید لیا اور روانہ ہوا، وہ اور اس کے رفقاء سفر مصر کے قریب پہونچے تو ادھر سے ایک قافلہ واپس آتا ہوا ان سے ملا، ان لوگوں نے اپنے مال تجارت

کی بابت میں پوچھا تو معلوم ہوا کی وہ چیزیں وہاں نایاب ہیں اور وہ ایسی چیزیں تھیں جن کی ضرورت عام طور سے ہوا کرتی ہے ان لوگوں نے یہ خبر پاتے ہی آپس میں عہد و پیمان کر لیا کہ ایک اشرفی کے مال پر ایک اشرفی نفع لیں گے، جب وہ اس قرارداد پر سب مال فروخت کر کے واپس ہوئے۔ اور مصارف نے حضرتؑ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا کہ کس طرح ان لوگوں نے عہد و پیمان کیا اور کیوں کر سامان تجارت گراں قیمت پر بیچا تو آپؐ نے فرمایا:

سبحان الله تخلفون على قوم مسلمين ان لا تبيعوهم الا بربح
الدينار دينار اثم اخذ الكيين وقال هذا راس مالي ولا حاجة لنا هذا الربح ثم
قال يا مصارف مجالدة السيوف اهون من طلب الحلال. (الکافی: ج ۵، ص ۱۶۲)
سبحان اللہ تم کیسے لوگ ہو کہ مسلمانوں کے بارے میں آپس میں یہ عہد و قسم کھاتے ہو
کہ ان کے ہاتھ ایک اشرفی سے ایک اشرفی نفع لئے بغیر نہ بیچو گے۔ پھر حضرت نے دونوں
سیبیں لیں اور فرمایا کہ یہ ایک میرا راس المال ہے اور (دوسری تھیلی کی طرف اشارہ کر کے
فرمایا: مجھے اس نفع کی حاجت نہیں ہے پھر فرمایا: اے مصارف تلواروں سے لڑنا طلب حلال کی
بہ نسبت آسان ہے۔

خبر غیب کا ایک آئینہ

جس میں ہمارے زمانہ کے حالات کی تصویریں نظر آتی ہیں

نہج البلاغہ میں ہیکہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: یاتی علی الناس

زمان عضو ضمیر المومر فیہ علی ما فی یدیه ولم یومر بذلك قال الله

عزوجل ولا تنسوا الفضل بینکم تنهد فیہ الاشرار و تستذل الاخیار و یباع

المضطرون وقد نہی رسول الله عن بیع المضطرين. (نہج البلاغہ: قصار: ۴۶۸)

لوگوں پر ایک نہایت سخت زمانہ آنے والا ہے، جس میں خوشحال لوگ اپنے مال و دولت کو دانتوں سے پکڑ لگے حالانکہ حکم خدا یہ نہیں ہے، اسکا فرمان تو یہ ہے کہ آپس میں نیک سلوک کرنا نہ بھولو، اسی زمانہ میں اشرار (شورش و فساد پر) اٹھ کھڑے ہونگے اور نیک لوگ ذلیل کئے جائیں گے اور مضطرب لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کی جائیگی حالانکہ جناب رسولؐ نے ربیع المضطربین سے منع فرمایا ہے۔ (نہج البلاغہ: القصار ۴۶۸)

یاتی علی الناس زمان عضو یعض الفضل کل امرء ما فی یدیه و
یسنی الفضل بینکم ثم یزى فی ذلک الزمان اقوام یبایعون الصصتین
اولئک ہم شرار الناس (وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۴۴۹)
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لوگوں پر ایک نہایت سخت زمانہ آنے والا ہے جس میں ہر آدمی اپنے مال و دولت کو دانتوں سے پکڑ لے گا، اور بزرگانہ کردار کو جلا دیگا، حالانکہ خدا کا حکم یہ ہے کہ تم لوگ باہم حسن سلوک نہ بھولو، پھر اس زمانہ میں ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو مضطرب لوگوں سے خرید و فروخت کریں گے وہ بدترین انسان ہوں گے۔

مضطرب سے وہ شخص مراد ہے جو ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے مال و متاع کو فروخت کر دینا چاہتا ہے ایسے موقع سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اور صاحب حاجت کی ضرورت اور مجبوری کو غنیمت سمجھ کر اسکے مال و متاع کو کم سے کم قیمت پر خرید لینا چاہتے ہیں، شریعت اسلام نے اس فعل کو خلاف دین و مروت قرار دیا ہے، اور مقصد یہ ہے کہ مضطرب کے ذخیرہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، اس کے مال و متاع کی واجبی قیمت ادا کی جائے، یا اس کو بقدر ضرورت روپیہ دیدیا جائے، اور اس طرح اسکو اپنا مال و متاع نقصان پر فروخت کرنے سے بچالیا جائے، اس

صورت میں بیع کے معنی شراء یعنی خریدنے کے ہوں گے یا قبول بیع مراد ہوگا، لیکن جس طرح انسان شدید ضرورت سے اپنے مال و متاع کو کم سے کم قیمت پر نقصان اٹھا کر بیچ دینے پر مجبور ہوتا ہے، اسی طرح ضروریات زندگی کو ہر قیمت پر خریدنے کی مجبوری بھی پیش آتی ہے، جبکہ سرمایہ دار اور مالکان متاع جنس ذخیرہ اندوزی و نفع بازی کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اشیاء ضرورت ان کے قبضے میں ہوتی ہے، اور حاجتمند مضطر ہوتے ہیں کہ ان کی من مانی قیمت ادا کر کے ضروریات زندگی خریدیں، جیسا کہ ہمارے زمانے میں عام طور سے ہو رہا ہے، کہ ضروری اشیاء پر سرمایہ داروں اور ذخیرہ اندوزوں کا قبضہ ہے اور ہر شخص ان کی مطلوبہ قیمت خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو ادا کرنے پر مجبور ہے، لہذا اس طرح بیچنا اضطرار سے ہو سکتا ہے، اسی طرح نردنہ میں بھی اضطرار کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، لہذا یہ حدیث اضطرار کی دونوں صورتوں سے تعلق رکھتی ہے، بلکہ الفاظ حدیث سے اضطراری خریداری کا احتمال زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب کے ساتھ

یکساں معاملہ ہونا چاہئے

حدائق ناضرہ میں ہے:

يستحب ان يساوى بين المبتاعين و الباعين، فالصغير عنده

بمنزلة الكبير والغنى كالفقير والمجادل كغيره والمراد ان لا يفاوت

بينهما فى الانصاف بالممساكة و عدمها والظاهر انه لو فاءت بينهما

بسبب الدين والفضل فلا باس. قيل: و لكن يكره للاخذ قبول ذلك حتى

نقل ان السلف كانوا يوكلون فى الشراء من لم يعرف هربا من ذلك.

(حدائق الناضرہ: ج ۱۸ ص ۳۲)

مستحب ہے کہ تمام خریداروں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے (اور مال سب کو برابر قیمت پر دے) اسکے نزدیک چھوٹا بمنزلہ بڑے کے اور غنی بمنزلہ فقیر کے ہو۔ اور قیمت طے کرنے میں جھگڑنے والا نہ جھگڑنے والے کے برابر ہو۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ قیمت کم کرانے اور نہ کرانے دونوں صورتوں میں الفاظ کوئی فرق نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ قیمت کم کرانے والے کے لئے قیمت گھٹا دے اور جس نے قیمت میں بحث نہ کی اس سے زیادہ وصول کر لے۔

کسی کو دوسرے کے معاملے میں دخل نہیں دینا چاہئے

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: نہی رسول اللہ ان یدخ

الرجل فی سوم اخیه المسلم. (وسائل الشیعہ: ج ۱۷ ص ۴۵۹)

جناب رسول نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے برادر مومن کے مسودے میں دخل نہ دے یعنی جس چیز کو کوئی مومن خرید رہا ہو اس کی قیمت کم یا زیادہ کر کے خود نہ خریدے، مقصد یہ ہے کہ جس چیز کو کوئی مرد مسلم خریدتا ہو اس کے معاملہ میں دخل دینا اور قیمت کم یا زیادہ کر کے خود لینا برا اور ممنوع ہے۔

نجش حرام ہے

ارشاد نبویؐ ہے۔ والناجش والمنجوش ملعونون،

ناجش و منجوش سب کے سب ملعون ہیں۔ (الکافی: ج ۵، ص ۵۶۰)

تعریف ”نجش“

تعریف نجش کے بارے میں حدائق ناضرہ میں ہے:

فالظاهر ان المراد به هو ان يوطئ البائع رجلا اذا اراد بيعا ان يساومه
بشمن كثير ليقع فيه غيره. والمشهور في كلام الاصحاب تحريمه.

(حدائق الناضرہ: ج ۱۸ ص ۳۲)

نجش“ کے معنی یہ ہیں کہ تاجر خریدار کو پھانسنے کی تدبیر کرے کہ کسی شخص کو اس طرح اپنے
موافق بنالے کہ جب وہ مال بیچنا چاہے تو وہ شخص زیادہ قیمت پر اس سے سودا ٹھرانے کی بات چیت
کرے تاکہ ناواقف خریدار اس کے فریب میں آجائے۔ مشہور یہ ہے کہ نجش حرام ہے۔

دھوکے۔ فریب۔ ملاوٹ کا حکم

حدائق ناضرہ میں ہے:

الاول في الغش بالخفي كشوب اللبن بالماء ولا خلاف لتحريمه
كما حكا في المنتهى. اما لو غش بما لا يخفي كالتراب يجعله في الحنطة
والردى منها بالجيد: فالظاهر الاصحاب عدم التحريم. وان كان
مكروها لظهور العيب المذكور للمشتري فهو انما اشترى راضيا به. ولعل
وجه الكراه — هم انه تدليس في الجملة و انه ربما يغفل عنه المشتري
لا سيما مع كثرة الجيد اذا خلط بالردى. (حدائق الناضرہ: ج ۱۸ ص ۱۸۹)

اول یہ کہ کسی ایسی چیز میں ملاوٹ جو ظاہر نہ ہو۔ جیسے دودھ میں پانی ملانا اس فعل کے
حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسی چیز ملائی جائے جو چھپ نہ سکتی ہو مثلاً
گیہوں میں مٹی اور عمدہ گیہوں میں خراب ملا دینا تو علماء کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت
حرام نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ اور وجہ حرام نہ ہونے کی یہ ہے کہ خریدار پر عیب ظاہر رہتا ہے۔
اور جب اس نے اس عیب کو دیکھتے ہوئے خرید تو اس پر راضی تھا۔ اور وجہ کراہت شاید یہ ہو کہ

تدلیس ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خریدار اس عیب سے غافل رہ جاتا ہے خصوصاً جبکہ اچھے گیہوں (یا کسی اور غلے) کی کثیر مقدار مقدار میں تھوڑی ملائی ہو۔

غش۔ کی ممانعت میں جس قدر اہتمام پیش نظر شریعت ہے وہ احادیث ذیل سے ظاہر ہے:

لیس من المسلمین من غشہم۔ وہ شخص مسلمانوں کے زمرہ سے خارج ہے جو ان کے ہاتھ ملاوٹ کا مال بیچتا ہے۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۳ ص ۲۰۸)

خرید و فروخت اجالے میں ہونی چاہئے نہ کہ اندھیرے میں

ان البیع فی الظلال غش والغش لا یحل۔

ایسے اندھیرے مقام میں بیچنا جہاں مال کا عیب ظاہر نہ ہو سکتا ہو غش یعنی دھوکا ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ (الکافی: ج ۵، ص ۱۶۹)

دودھ میں پانی ملانے کی ممانعت

نہی النبیؐ ان یشاب اللبن بالماء للبیع۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جناب رسول اللہ ﷺ نے دودھ

میں پانی ملانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (تہذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۳)

تلقی الركبان کی مذمت

اکثر سرمایہ دار تاجروں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ دیہات سے آنے والے سامان تجارت

کو شہر سے باہر ہی سستے داموں خرید لیتے ہیں۔ تاکہ شہر میں من مانی قیمتوں پر فروخت کریں۔

تاجروں کو اس کا موقع نہیں دیتے کہ بازار شہر تک پہنچیں اور نرخ سے واقف ہو جائیں۔ اس کو

اصطلاح میں۔ تلقی الركبان۔ کہتے ہیں۔ اس کو بعض فقہاء حرام قرار دیتے ہیں اور اس کے فعل مکروہ ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق فروع و جزئیات پر اطلاع کتب فقہ اسلام سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہاں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ خرید و فروخت کا یہ طریقہ بے جانف خوری کے علاوہ ناواقف دیہاتی بیوپاری اور عامہ خلایق کے ضرر عظیم کا احتمال بھی رکھتا ہے اس وجہ سے شرع اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اور منشاء شریعت یہ ہے کہ مال تجارت بازاروں میں آجائے، اور لانے والوں کو نرخ بازار معلوم ہو جائے، اور عامۃ الناس اس سے براہ راست معاملہ خرید و فروخت کریں اور یہ سرمایہ داروں کی من مانی قیمتوں کی گرانباری سے محفوظ رہیں اسی غرض سے یہ حکم بھی دیا ہے کہ کوئی شہری تاجر ان دیہاتی بیوپاری کسانوں کا وکیل نہ بنے، جو مال کی قیمت نرخ بازار کے مطابق نہ جانتا ہو، یہ دونوں حکم اس حدیث نبویؐ میں مذکور ہے:

لا یتلقى احدکم تجارة خادجا من المصر ولا بیع حاضر الباد

المسدمون یرزق اللہ بعضهم من بعض۔ (تہذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۵۸)

’سے کوئی شخص سامان تجارت کو شہر سے باہر نکل کر نہ خرید لیا کرے اور کوئی شہری

گاؤں والے کی طرف نہ بیچے۔ خدا مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق پہونچاتا ہے‘

مکاسب شیخ مرتضیٰؒ میں ہے:

فیحتمل ان تكون العلة فی کراهته التلقى مسامحة الركب فی

المیزان بما لا يتسامح به المتلقى او مظنة حبس المتلقين مما اشتروه او

ادخاره عن اعین الناس و بیعه تدریجا بخلاف ما اذا اتی الركب و طرحوا

امتعتهم فی الخانات والاسواق فان له اثرا بلینا فی امتلاع اعین الناس

خصوصاً الفقراء وقت الغلاء اذا اتى بالطعام. (المکاسب: ج ۲ ص ۳۵۳)
 احتمال ہے کہ ”تلقی الركبان“ کے مکروہ ہونے کی علت یہ ہو کہ دیہات کے آنے والے بیوپاری تول میں سیر چشمی و نرمی و تساہل کا وہ برتاؤ کرتے ہوں جو متلقی (شہر سے باہر نکل کر خرید لینے والا) نہ کرتا ہو یا اس کا احتمال ہو کہ ”تلقی کرنے والے“ خریدی ہوئی جنس و متاع کو اپنے پاس روک لیں، اور لوگوں کی نگاہوں سے غائب کر کے رفتہ رفتہ نکال کر چور بازاری کے طریقہ پر مہنگے داموں فروخت کریں بخلاف اس کے جب باہر کے بیوپاری بازار اور منڈیوں میں آئیں گے اور متاع و جنس دوکانوں میں لا کر ڈالیں گے تو عامہ خلایق کے اندر سیر چشمی کی کیفیت پیدا ہونے میں اس کا نمایاں اثر ہوگا خصوصاً محتاجوں کے اندر جبکہ لحظے زمانہ میں سامان خوراک دیا جائے گا۔

سامان غذا کی ذخیرہ اندوزی ”احتکار“ کی حرمت و کراہت

غرض مقصود شریعت تجارتی کاروبار کے ایسے تمام طریقہ کو ممنوع قرار دینا جن سے بے جانفع خوری کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور عامہ خلایق کی ضروریات زندگی کے مہیا ہونے میں تنگی و دشواری پیدا ہوتی ہے ان میں ایک بدترین طریقہ احتکار ہے، اور اس سے مراد سامان غذا کی اس غرض سے ذخیرہ اندوزی ہے کہ قیمتوں کے گراں ہو جانے کے وقت مہنگے داموں پر فروخت کیا جائے۔ فقہاء نے اس کی تعریف میں کہا ہے، هو جمع الطعام و حبسه یتربص به الغلاء، غذائی اشیاء کو گرانی کے انتظار میں جمع رکھنا احتکار ہے۔

کنز العرفان میں ہے:

قل الاحتکار مکروہ لقول الصادقؑ مکروہ ان تحتکر الطعام و

تذرا الناس لا شئ لهم. وقيل حرام وهو الاصح لقوله الجالب مرحوم و في
محتلكر ملعون. وانما يكون حراما بشرطين : احدهما: حبس القوت الذي
هو الحنطة واشعير والتمر والزبيب والسمن والملح طلبا للزيادة في الثمن .
و ثانيهما ان لا يوجد باذل سواه فيجبر حينئذ على البيع. و هل يسعر عليه؟
قيل: نعم والا لانتفت فائدة الجبر. وقيل: لا وهو الاصح لقوله الناس
مسلطون على اموالهم. وقوله ايضا الاسعار الى الله اللهم الا ان يطلب شططا
فيسعر عليه. (كنز العرفان: ج ۲ ص ۲۹)

”کہا گیا ہے“ ”اختکار مکروہ ہے کیونکہ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا ہے
کہ یہ بات مکروہ ہے کہ تم سامان خوراک کے ذخیرے بند کر کے رکھو اور لوگوں کو ایسے حالات
میں چھوڑ دو کہ ان کے پاس کھانے کا سامان کچھ نہ ہو۔ یہ قول بھی ہے کہ اختکار حرام ہے، اور یہی
قول صحیح ترین ہے کیونکہ رسالت مآب نے فرمایا ہے ضروریات زندگی (سامان خوراک وغیرہ)
ادسرا دسر سے لالے والے تاجر پر خدا کی رحمت ہے اور اختکار کرنے والے (بغرض نفع خوری
ذخیرہ اندوزی کرنے والے) پر خدا کی لعنت۔ اور اختکار کے حرام ہونے کی دو شرطیں ہیں:
ایک شرط یہ ہے کہ من چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کی ہے وہ اشیاء خوردنی ہوں۔ یعنی گیہوں، جو،
خرما، سمتس، روغن، نمک، (پس انہیں غذا کی چیزوں میں اختکار ہوگا) جبکہ مقصد زیادہ قیمت
حاصل کرنا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص ان اشیاء خوراک کا بیچنے والا نہ ہو، اس
صورت میں اسکو بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔ آیا حکومت کی طرف سے اس کا نرخ بھی معین کیا
جائے گا؟ تو بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ ہاں یہ ضروری بات ہے ورنہ بیچنے پر مجبور کرنے کا فائدہ
ہی کچھ نہ ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قیمت مقرر کرنے کا خود مالک مال کو اختیار حاصل ہوگا،
یہی قول صحت سے قریب تر ہے، کیونکہ حدیث نبویؐ ہے کہ ”لوگ اپنے مال پر تسلط رکھتے ہیں“

(مال ان کا ہے اُن کو ہر طرح فروخت کرنے کا حق ہے) نیز حضرت کا ارشاد ہے کہ نرخ کا تقرر خدا کے ذمہ ہے، مگر جب کہ مال کا مالک حق سے بہت زیادہ قیمت مانگتا ہو تو اُس سے اس کے ظلم و جور کی وجہ سے نرخ مقرر کر دیا جائے گا۔

احتکار کی مذمت

حدیث نبویؐ میں ہے: ”انما رجل اشتری طعاما فحبسه اربعین صباحا یزید به الغلاء للمسلمین ثم باعه و تصدق بثمانہ لم یکن کفارة لما صنع۔“

(وسائل الشیعہ: ج ۱۷ ص ۴۲۵)

”جس آدمی نے کھانے کا سامان خریدا اور اس کو چالیس دن تک اس لئے روک رکھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ گراں قیمت پر فروخت کرے پھر اس نے اُس کو فروخت کیا اور اس کی قیمت محتاجوں پر تصدق کر دی تو یہ تصدق اس کے برے کرتوت کا کفارہ نہ ہوگا۔“

احتکار کی مدت کا تعین

ارزانی کے زمانے میں چالیس دن اور گرانی کے زمانے میں تین دن سے زیادہ سامان غذا کی ذخیرہ اندوزی احتکار ہے، حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

الحکرة فی الخصب اربعون یوما و فی شدة و البلاء ثلاثة ايام فما زاد

على الاربعین یوما فی الخصب فصاحبه ملعون وما زاد فی العسرة فوق ثلاثة ايام فصاحبه ملعون۔

احتکار کی مدت ارزانی اور خوشحالی کے زمانے میں چالیس دن اور سختی و قحط کے ایام میں تین دن ہے۔ جو شخص ارزانی و خوشحالی کے زمانے میں چالیس دن سے زیادہ غذا کی چیزوں کو روک رکھے گا تو وہ ملعون ہوگا، اور جو آدمی تنگی کے دنوں میں تین روز سے زیادہ روک رکھے گا وہ ملعون ہوگا۔

حضرت امیر کا فرمان ”احتکار“

کی ممانعت، ذخیرہ اندوزوں کو سزا دو

حضرت امیر المومنینؑ نے مالک اشتر والی مصر کو حکومت کا مبسوط دستور العمل لکھ کر بھیجا تھا اس

میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا:

فامنع من الاحتکار فان رسول الله منع منه وليكن البيع بيعا سمحا بموازين

عدل لا يححف بالفریقین من البائع والمتباع فمن قارف حكره بعد نهيك اياه فنكل

وعاقب في غير اسراف. (نهج البلاغه: خ ۵۳)

، تم تاجروں کو ”احتکار“ سے باز رکھو کیونکہ جناب رسول خداؐ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور لازم ہے کہ

وخت سہل (اور سیر چشتی سے) پورے پورے اوزان پر ہو، اور ایسے نرخ پر ہو جس سے فریقین (بائع و

مشتري) میں سے کسی کو خسارہ نہ ہونے پائے، جو شخص تمہارے حکم امتناعی کے بعد بھی ”احتکار“ (ذخیرہ

اندوزی) کا مرتب ہو اس کو بغیر ظلم و زیادتی کے سزا دو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام راوی ہیں:

انه مربالمحتكرين فامر بحكرتهم ان تخرج الى بطون الاسواق و حيث

نظر الابصار اليها. (وسائل الشيعه: ج ۱۷ ص ۴۳۰)

”جناب رسالتما ب ذخیرہ اندوزی کرنے والے تاجروں کے پاس گزرے تو حکم صادر فرمایا

کہ ذخیرہ کئے ہوئے مال کو وہ بازاروں میں منظر عام پر لائیں۔

اس حدیث میں جو حکم مذکور ہے اس کی مصلحت مکاسب کی مذکورہ بالا عبارت میں بیان

کی گئی ہے بازاروں اور منڈیوں میں سامان خوراک کا بکثرت آنکھوں کے سامنے ہونا ایک نفسیاتی

اثر رکھتا ہے، آسودگئی خاطر و اطمینان قلب میں اس کو خاص دخل ہوا کرتا ہے، جس سے آج کل ہماری

دنیا بالکل محروم ہے۔

سال بھر خوراک جمع کر لینا پسندیدہ کام ہے

اگرچہ شریعت اسلام سال بھر کی خوراک کا فراہم کر لینا فعل حسن و کار پسندیدہ قرار دیتی ہے، ارشاد نبوی ہے: ان النفس اذا احرزت قوتها استقرت ”نفس جب اپنی خوراک پوری حاصل کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے“۔ (الکافی: ج ۵، ص ۹۰)

اسی بنا پر آئمہ دین و اکابر اسلام کی سیرت یہی رہی ہے کہ سال بھر کے لئے سامان خوراک ذخیرہ کر لیا کرتے تھے ایک طویل روایت میں منقول ہے:

قال ثم من قد علم بعدہ فی فضلہ و زہدہ سلمان و ابوذر (رحمہما اللہ) فاما سلمان فکان اذا اخذ عطاءہ رفع منہ قوتہ لسنۃ حق یحضر عطاوہ من قابل فقیل لہ: یا ابا عبد اللہ انت فی زہدک تصنع هذا و انت لا تدری لعلک تموت الیوم او غدا فکانہ جوابہ ان قال: مالکم لا ترجون لی البقاء کما خفتم علی الفناء اما علمتم یا جہلہ ان النفس قد تلتاث علی صاحبہا اذالم یکن لہا من العیش ما یعتمد علیہ فاذا ہی احرزت معیشتها اطمانت۔ (الکافی: ج ۵، ص ۶۹)۔

حضرتؑ نے فرمایا: سلمان و ابوذر (رحمہما) جن کے فضل و زہد کا حال تم کو معلوم ہے۔ ان کا بھی طریقہ یہی تھا کہ سامان خوراک اپنے پاس مہیا کر لیتے تھے۔ کسی نے عرض کیا یا ابا عبد اللہ! آپ کا باوجود زہد یہ طریقہ عمل ہے، حالانکہ یہ خبر نہیں رکھتے ہیں کہ آج موت آجائے گی یا کل، تو آپ نے جواب دیا کہ تم کو جس طرح میرے لئے فنا و موت کا ڈر ہے اسی طرح

میری بقا کی امید بھی ہے (جس طرح یہ احتمال ہے کہ آج یا کل مر جاؤں گا اُسی طرح یہ بھی امید ہے کہ زندہ رہ جاؤں) اے جاہلو! جب سامان معیشت جس پر بھروسہ ہو فراہم نہیں رہتا تو نفس پریشانی میں گرفتار رہتا ہے اور جب اپنی روزی جمع کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔

زمانہ قحط میں ذخیرہ خوراک فروخت کر دینا مستحب ہے راشتنگ کے طریقہ کی رضا کارانہ ترغیب

لیکن قحط و گرائی کے زمانہ کے لئے مستحب ہے کہ انسان اپنا ذخیرہ خوراک فروخت کر دے اور ہر دن بقدر ضرورت خرید لیا کرے۔ اور اس طرح راشٹنگ کا جو طریقہ حکومتیں جبر و تشدد سے جاری کرتی ہیں اس کو شریعت اسلام اخلاقی بنیادوں پر رضا کارانہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

معتب معتبر روای ہیں روایت کرتے ہیں: قال لی ابو عبد اللہ ؑ و قد یزید السعر بالمدينة کم عندنا من طعام؟ قال: قلت عندنا ما یکفینا اشہرا کثیرہ قال: اخرجہ و بعہ ص. طلت لہ و لیس بالمدينة طعام؟ قال: بعہ فلما بعته قال: اشتر مع الناس یوماً بیوم و حال: یا معتب اجعل قوت عیالی نصفاً شعیراً و نصفاً حنطۃ فان اللہ یعلم انی واجد ان اطعمہم الحنطۃ علی وجہہا و لکنی احب ان یرنی اللہ قد احسنت تقدیر المعیشۃ. (تہذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۹۴)

”مدینہ میں غذا کا نرخ چڑھ گیا تو حضرت امام جعفر صادقؑ نے پوچھا کہ سامان خوراک ہمارے پاس کتنا ہے؟ میں نے کہا، اتنا سامان ہے جو کئی مہینے کے واسطے کافی ہو سکتا ہے تو فرمایا کہ اس کو نکالو اور بیچ ڈالو، معتب کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ مدینہ میں غذا کا سامان نہیں ہے، آپؑ نے فرمایا: تم اپنا ذخیرہ بیچ ڈالو۔ جب میں نے فروخت کر دیا تو فرمایا کہ لوگوں کے

ساتھ روز کی غذا کا سامان روز خریدو، اور فرمایا: اے معتب! میرے عیال کی خوراک میں آدھا جو رکھو اور آدھا گیہوں، خدا کو یہ معلوم ہے کہ میں ان کو صرف گیہوں کھلانے پر دسترس رکھتا ہوں مگر مجھے یہ بات پسند ہے کہ خداوند عالم یہ دیکھے کہ میں نے انداز معیشت اچھا مقرر کیا ہے۔

اسی مضمون کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نے فرمایا:

سیرت آئمہ اسلام

فانا نكره ان ناكل جيداً وياكل الناس ردياً. مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں عمدہ غذا کھاؤں، اور لوگ بری غذا کھائیں۔ (فروع الکافی: ج ۱ ص ۳۷۵)

دوسری روایت میں ہے: کان ابو الحسن یامرنا اذا ادركت الثمره ان نخرجها فنبیعها و نشترى مع المسلمین یوما بیوم. امام علی رضا کا ہم کو یہ حکم تھا کہ جب خرما کے پھل پختہ ہو جائیں تو ان کو فروخت کر ڈالیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہر روز کی خوراک ہر روز خریدیں۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱ ص ۴۳۷)

شراب اور قمار کی حرمت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۹۰) إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (۹۱) (المائدہ)

”اے ایماندارو! شراب اور جو اور بت اور پاسے ناپاک اور شیطانی ہی کام ہیں تو تم لوگ اس سے بچے رہو، تاکہ فلاح پاؤ، شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوے کی وجہ سے عداوت اور دشمنی ڈال دے۔ اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا

تم اس سے باز آنے والے ہو۔

اس آیت کے متعلق چند باتیں مجملًا قابل ذکر ہیں:

(اوّل) شراب و قمار کو شریعت اسلام نے جرم قرار دیا ہے اور اس کی وجہیں بھی بتائی ہیں۔

کنز العرفان میں ہے: انما حض العداوة والبغضاء بالخمر والميسر موجب لزوال المال وزوال العقل والمال موجب للعداوة والبغضاء بخلاف الانصاب والازلام فانهما يوجبان يسخط الله والنار لا العداوة بين العابدین۔

”عداوت و دشمنی کو خدا نے شراب اور جوئے کے ساتھ مخصوص کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ شراب عقل کے زوال کا باعث ہوتی ہے اور، جوا، مال کے زوال کا سبب ہوتا ہے اور عقل و مال کے زوال سے عداوت و دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے بت اور پا سے خدا کی ناراضی و جہنم کی سزا کے موجب ہوتے ہیں، مگر پوجنے والوں کے درمیان عداوت کا باعث نہیں ہوا۔“ (کنز العرفان: ج ۲ ص ۲۱)

تجارت مسکرات کی ممانعت

(دوم) سراب اور تمام مسکرات کی تجارت اور ان کے ذریعہ سے روپیہ پیدا کرے کی تمام سوریں بھی حرام قرار دی گئی ہیں اور اس کے متعلق عام اصول اس حدیث نبوی میں مذکور ہے: ان حرم الله شيئاً حرم ثمنه، ”جب خدا نے کسی چیز کو حرام کیا تو اس کی قیمت بھی حرام کر دی“

نیز جابر صحابی راوی ہیں: ان رسول الله لعن الخمر وشاربها وعاصرها

وساقیها وبائعها واکل ثمنها فقام اليه اعرابی فقال يا رسول الله انی كنت

رجلا هذه تجارتي فحصل لي من بيع من بيع الخمر مال فهل ينفعني المال ان

علمت به طاعة؟ فقال لو انفقته في حج او جهاد لم يعدل عند الله جناح بعوضة ان الله لا يقبل الا طيب فترك قل لا يستوى الخبيث والطيب.
(مستدرک الوسائل: ج ۱۶ ص ۵۵)

”جناب رسولؐ نے شراب اور اس کے پینے والے اس کے بنانے والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور اسکی قیمت کھانے والے سب ہی پر لعنت کی۔ تو ایک مرد اعرابی اٹھ کھڑا ہوا، اور عرض کی یا رسول اللہؐ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کی یہی تجارت رہی ہے اور مجھے شراب فروشی کے ذریعہ مال حاصل ہوا، اب اگر اس کو طاعت خدا میں صرف کروں تو مجھے نفع دیگا؟ حضرتؐ نے فرمایا اگر تو اس کو حج یا جہاد میں صرف کریگا تو وہ پرپشہ کے برابر بھی نہ ٹھہرے گا، خدا تو فقط پاک چیز کو قبول کرتا ہے، اس وقت یہ آیت اتری۔ قل لا يستوى الخبيث والطيب

جوئے کی تمام قسمیں حرام ہیں

(سوم) کنز العرفان میں ہے: الميسر هو القمار بسائر النواعه كالنرد والشطرنج قاله جل المفسرين هو المروى عن اهل البيت عليهم السلام قالوا: حتى ان لعب الصبيان بالجوز من لا قمار في حرم التكب به وعمل الآلة وبيعها والجلوس على مجلس يكون فيه قال رسول الله ﷺ باللاعب بالنردشير كمن غمس يده لا في لحم الخنزير ودمه وقال الصادق عليه السلام اللعب بالشطرنج شرك والسلام على الالهى به معصية.

جوئے کی تمام اقسام و انواع، میسر، ہیں مثلاً، نرد و شطرنج وغیرہ تمام مفسرین اسی کے قائل ہیں اور یہی آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے بھی مروی ہے یہاں تک کہ یہ بھی کہا ہے کہ بچوں کا جوز

سے کھیلنا بھی، قمار، میں داخل ہے لہذا قمار کے ذریعہ روپیہ کمانا اس کے آلات بنانا اور بیچنا اور اس جگہ بیٹھنا جہاں قمار ہو رہا ہو، یہ تمام امور حرام ہیں، حضرت رسالت مآب کا ارشاد ہے نزد کھیلنے والا مثل اس آدمی کے ہے جس کے ہاتھ سور کے گوشت اور خون میں آلودہ ہوں اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہیکہ شطرنج کھیلنا شرک ہے اور شطرنج کھیلنے میں جو شخص مشغول ہو اس پر سلام کرنا گناہ ہے۔ (کنز العرفان: ج ۲ ص ۴۰)

تحریم اشیاء کا عام اصول، ضرر و نفع کے تناسب حکیمانہ نظر

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (۲۱۹) (بقرہ)

اے رسول! تم سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو تم ان سے کہو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور (کچھ) فائدے (بھی) ہیں۔ مگر ان کی برائی ان کے نفع سے بڑھ کر ہے

شراب، قمار، جوئے کی حرمت پر تو پہلی ہی آیت سے پوری روشنی پڑ چکی تھی لہذا یہ آیت محض اس عرص سے یہاں پیش نہیں کی ہے کہ ان محرمات کی حرمت واضح کی جائے بلکہ ان میں سے ان اشیاء کی حرمت کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے جو تحریم اشیاء کے متعلق شریعت اسلام کا عام بنیادی اصول قرار پاتی ہے، اشیاء مذکورہ کے متعلق یہ بھی فرمایا ہیکہ ان میں افراد انسان کے لئے منافع بھی ہے، مگر ان کا ضرر بہ نسبت ان کے نفع کے بہت بڑا ہے اور ان کی وجہ تحریم یہی ہے۔ اس بیان قرآنی سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نگاہ شریعت اسلام اشیاء کے منافع ہی پر نہیں پڑتی۔ بلکہ وہ یہ بھی دیکھتی ہیکہ منافع کے مقابلہ میں ضرر و نقصان کا

تناسب کیا ہے، مگر کسی چیز میں ضرر کا پہلہ منافع سے بھاری نظر آتا ہے اور نفع کم و نقصان زیادہ دکھائی دیتا ہے تو اسکو حرام قرار دیتی ہے۔

سود کی تحریم بھی اسی بنیادی نظریہ کے ماتحت ہے

اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نفع و ضرر کے تناسب کا یہ اصول صرف تحریم شراب و قمار ہی پر حاوی نہیں ہے بلکہ، تحریم ربوا۔ یعنی سودی کاروبار کی حرمت بنیادی بنیادی اصول پر قائم کی گئی ہے

بے قید زندگی اور آزاد زندگی کی خواہش دنیا کے کسی مخصوص دور مادیت کا حصہ نہیں ہے، بلکہ ہر زمانہ میں اہل دولت و ثروت کے دلوں میں مچلتی رہی ہے

حضرت شعیبؑ سے اکابر قوم کا یہ خطاب اسی بی چین خواہش کا نتیجہ تھا۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصْلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ (ہود: ۸۷)

کیا تمہاری نماز کا تم کو یہ حکم ہیکہ جن (بتوں) کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں انہیں چھوڑ بیٹھیں یا ہم اپنے اموال میں جو کچھ چاہیں نہ کریں، اس عصر فروغ مادیت میں، سود کی حرمت، کا وعظ سننے والے بہت کم ہونگے کیونکہ یورپ و امریکہ کی بیش از پیش مادی ترقیوں نے عام نگاہوں کو محصور کر رکھا ہے اگر ان کو سودی کاروبار کے بغیر تجارت و صنعت و حرفت میں تمدن ارتقا کا مکان مفقود نظر آئے تو یہ امر حیرت انگیز نہ ہوگا، اور اس میں شبہ بھی نہیں کہ جن ممالک میں سرمایہ داری کا طاغوتی نظام چلایا جا رہا ہے وہاں کی ترقیوں کا راز سود ہی کے

اندر مضمر ہے، اور سودی کاروبار ہی کی بدولت سرمایہ داروں کو بام عروج پر پہونچنا نصیب ہوا ہے، مگر دیدہ عبرت کے سامنے ان کی ان کی تمدنی ترقیوں کو کوئی قابل رشک مرتبہ حاصل نہیں ہے، بلکہ وہ قابل رشک ہونے سے زیادہ قابل عبرت ہیں، بعض چیزوں کی اچھائی اور برائی کے نتائج فوراً نہیں کھلتے بلکہ اس کے لئے طویل عرصہ تک انتظار درکار ہوتا ہے، اور بار بار کثرت سے اعادہ کی احتیاج ہوتی ہے، سود خواری کے نتائج کو عاجلانہ نہیں بلکہ صبر آزما انتظار کر کے دیکھا جائے تو روزمرہ کے واقعات شاہد بن جاتے ہیں کہ اخلاق انسانی کیلئے زہر قاتل اور عامہ ناس کی آسائش و بہبود کیلئے بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

زمانہ حاضرہ عام معاشی تشویش و بے چینی و پریشانی کا دور ہے، سود، دشمن انسانیت سرمایہ داری کا پشت پناہ ہو رہا ہے، دولت و ثروت رفتہ رفتہ سمٹ کر ایک مخصوص طبقے کا حصہ بن گئی ہے، اور کروڑوں عامہ خلایق فقر و فاقہ کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں، جنکی معاشی تباہ کاریوں کا حل نکالنا اہل عقول و مدبر کیلئے جوئے شیر لانے کے برابر ہو رہا ہے، ایسے زمانہ میں سودی کاروبار کی سرت رسائی پر کاوس استدلال و اشتہاد کی ضرورت باقی نہیں ہے، عیاں راچہ بیاں۔؟

صوریات زندگی کیلئے محتاج عوام کا حال خراب یہ بتا دینے کیلئے کافی ہے کہ وہ نظام معیشت جس کی بنیاد سود خواری پر قائم ہے وہ باطل اور شیطانی نظام ہے اور جس نظام کا یہ انجام ہو کہ دنیا و حصوں میں تقسیم ہو جائے، ایک طرف دنیا کی بے انتہا دولت و ثروت کے مالک سرمایہ دار ہوں اور دوسری طرف بے شمار مفلس و نادار ننگے بھوکے بندگان خدا، وہ بے شبہ ایسا نظام ہے جس کے گناہ اس کی منفعتوں سے بہت زیادہ ہیں زمانہ حاضر کے سودی کاروبار کے بڑے بڑے ادارے جھنیں بینک کہتے ہیں کیسے ہی عظیم الشان فوائد کے باعث ہیں، مگر وہ محض چند

سرمایہ داروں۔ ساہوکاروں اور پیشہ ور سود خواروں ہی کے لئے ہیں۔ عوام و غربا کے لئے نہیں۔ لہذا ان کی خوبیوں سے ان کے عیوب و مفاسد عظیم تر ہیں اسی وجہ سے اسلام ہر قسم کے، سود، خواہ وہ قرض کے لین دین میں ہو یا تجارتی کاروبار میں، بدترین جرم اور کسب معاش کا خبیث ترین طریقہ قرار دیتا ہے، اور اس کا کلی انسداد اسلام کے نظام معیشت کا عظیم ترین نصب العین ہے، آیات قرآنی و احادیث اس پر شاہد ہیں:-

سود خوری کی شدید مذمت

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ
مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا
فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ
فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۲۷۵) يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي
الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ (۲۷۶) (بقرہ)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) کھڑے نہ ہو سکیں گے، مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے لپٹ کر مجنوں الحواس بنا دیا ہو یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ جیسا خرید و فروخت کا کاروبار ویسا ہی سود کا معاملہ، حالانکہ خدا نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے تو جس کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت (ممانعت) آگئی اور باز آیا پس اس سے پہلے جو وہ لے چکا تو وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے، اور جو پھر لینے گئے (اور تجارت و سود کے معاملہ کو یکساں بتایگا) تو ایسے لوگ جہنمی ہیں، (اور) وہ ہمیشہ جہنم میں

رہیں گے۔ خدا سود کو (بے برکت کر کے) مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور خدا ناشکر گزاروں۔ گنہگاروں کو دوست نہیں رکھتا۔

باقی ماندہ سود چھوڑ دو ورنہ خدا اور رسول سے جنگ مول لو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ
(۲۷۸) فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ
أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (۲۷۹) (بقرہ)

اے ایمان دارو! خدا سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا خدا اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے لئے خبردار
سو جاؤ، اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لئے اصل مال ہیں، نہ تم نقصان پہونچاؤ نہ تمہیں نقصان
پہونچایا جائے۔

سود در سود کی ممانعت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ . (آل عمران: ۱۳۰)

اے ایمان والو! سود بڑھا بڑھا کر (سود در سود) نہ کھاؤ، اور خدا سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ

سود کی لین دین کی مذمت

وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبًّا لِّيَرْبُو فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم
مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ (روم: ۳۹)

اور اگر تم لوگ جو سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں ترقی ہو تو وہ خدا کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور تم جو زکوٰۃ خدا کی رضا مندی کے ارادے سے دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ (بارگاہ خداوندی سے صلہ) دوچند لینے والے ہو۔

(۵) عن ابی جعفر علیہ السلام اخبث مکاسب کسب الربوا۔
 ”امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ذرائع کسب معاش میں خبیث ترین ذریعہ سود ہے۔“
 (الکافی: ج ۵ ص ۵۰)

عن علیؑ قال: لعن رسول اللہؐ الربوا واکلہ و بایعہ و مشتہ یہ و کاتبہ
 و شاہدیہ۔ ”حضرت امیر المومنینؑ راوی ہیں کہ جناب رسولؐ نے سود، سود حوار، ریدے
 والے بیچنے والے، معاملہ سود کے لکھنے والے اور گواہوں سب پر لعنت کی ہے۔“
 (من لا یحضرہ الفقیہ: ج ۳ ص ۲۷۵)

سود کی تحریم کی معاشی حکمتیں اور مصلحتیں

احادیث میں ان اغراض و مصالح کو بھی بصراحت بیان کیا گیا ہے، جن کے پیش نظر
 سودی کاروبار کی ممانعت و تحریم واقع ہوئی ہے، قرآن مجید کی آیات منقولہ بالا میں جو باتیں
 اشارۃً کہی گئی ہیں وہ احادیث میں تصریحاً مذکور ہیں۔

سماعہ راوی ہیں: (۱) قلت لابی عبد اللہؑ انی قد رائت اللہ تعالیٰ قد ذکر
 الربا فی غیر آیۃ و کررۃ مال او تدری لم ذلک قلت لا قال لئلا یمتنع الناس
 من اصطناع المعروف۔ (الکافی: ج ۵ ص ۱۴۶)

میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کی کہ میں نے یہ دیکھا کہ خدا نے سود

کا تذکرہ کئی آیتوں میں مکمل فرمایا ہے حضرت نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہے؟ میں نے کہا نہیں؟ فرمایا اس غرض سے کہ لوگ باہم نیکی کرنے سے باز نہ رہنے لگیں۔

اگر سود کا لینا حلال ہوتا تو لوگ تجارت کا کاروبار چھوڑ دیتے جس کی عام احتیاج ہے

(۲) عن هشام بن الحكم انه سأل ابا عبد الله عن علة تحريم الربوا فقال انه لو كان الربوا حلالا لترك الناس التجارات وما يحتاجون اليه فحرم الله الربوا لتنفر الناس من الحرام الى الحلال والى التجارات من البيع والشراء. (وسائل الشيعة: ج ۱۸ ص ۱۲۱)

ہشام بن الحكم راوی ہیں کہ انھوں نے حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے سود کے حرام کئے جانے کی علت پوچھی تو حضرت نے فرمایا اگر سود حلال ہوتا تو لوگ تجارت چھوڑ بیٹھتے، کاروبار جس کی انھیں احتیاج ہے اس واسطے خدا نے سود کو حرام کر دیا تاکہ، لوگ حرام سے حلال کی جانب اور کرید و فروخت کے کاروبار کی طرف توجہ کریں۔

وجوہ تحریم ربا کے متعلق
امام رضا علیہ السلام کا مفصل ارشاد

محمد بن سنان راوی ہیں: ان بن موسی الرضا کتب الیہ فیما کتب من جواب مسائلہ و علة تحريم الربا لما نهی الله عز وجل عنه ولما فيه من فساد الاموال لان الانسان اذا اشترى الدرهم بدرهمين كان ثمن الدرهم درهما و ثمن الآخر باطلا فليبع الربا و شرائه و كس على كل حال على المشتري و على البائع فحرم الله عز وجل على العباد الربا بالعلة فساد الاموال .. و علة

تحريم الربا بالنیة لعله ذهاب المعروف وتلف الاموال ورغبة الناس فی الربح ووترکهم القرض والقرض صنائع المعروف ولما فی ذلك من الفساد والظلم وفناء الاموال. (وسائل الشیعه: ج ۱۸ ص ۱۲۱)

امام رضا علیہ السلام میرے سوالات کے جوابات تحریر فرمائے منجملہ ان کی تحریر کیا کہ سود کی حرمت کی علت یہ ہے کہ خدا نے اس کی ممانعت کی ہے اور یہ وجہ ہے کہ اس میں مال کی خرابی و بربادی ہے اس لئے کہ جب انسان نے دو درہم کے عوض ایک درہم خریدا تو ایک درہم تو ایک کی قیمت قرار پایا مگر دوسرا درہم ضائع ہوا، (اسکا کوئی عوض اس کو نہ ملا) اس لئے کہ سود کی خرید و فروخت بہر حال باعث نقصان ہے اور اس وجہ سے سود مال کے ضائع ہونے کا سبب ہے۔ خدا نے اسے حرام قرار دیا، اور قرض کے معاملات میں سود کے حرام کئے جانے کی علت یہ ہے، یہ اس سے نیکی و احسان کرنے کا جذبہ جاتا رہتا ہے مال تلف اور ضائع ہوتا ہے، بغیر محنت و نفع خوری کی رغبت پیدا ہوتی ہے قرض جسکا شمار نیکیوں میں ہے سود کی لالچ میں لوگ اس کو چھوڑ دیتے ہیں (کوئی کسی حاجت مند کو قرض حسنہ دینے پر تیار نہیں ہوتا، اور اس طرح انسانی ہمدردی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے) اور سود اس لئے بھی حرام کیا ہے کہ اس میں فساد و ظلم ہے اور مال کی ناحق بربادی ہے۔

مندرجہ بالا آیات و احادیث کا خلاصہ

ان آیات و احادیث میں جو باتیں مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(الف) محبت و مروت و ہمدردی و انسانوں کی مستحکم بنیادوں پر انسانی معاشرت کی تعمیر دین اسلام کا عظیم ترین نصب العین ہے اور اسکا تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد انسان دوسرے کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے، حاجتمندوں کی حالت زار پر انسانی احساسات ابھریں اور وہ ان کی حاجت روائی

کی طرف ہاتھ بڑھائے سود خواری کی ذہنیت اس کے برعکس حاجتمندوں کی مجبوری سے اپنا اپنا مفاد حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے، اور بالآخر انسانی مروت و ہمدردی و احسان کے جذبات مردہ ہو جاتے ہیں۔ سود کی تحریم سے مقصد شریعت اسی قسم کے بدترین جرائم کا سد باب کرنا ہے۔

(ب) عادت سود خواری کے ساتھ محبت مال و طمع بھی ترقی کرتی ہے، اور اسکی ترقی کی نسبت سے اصول اخلاق و ہمدردی انسانی کے احساسات ختم ہوتے جاتے ہیں، اور آخر کار انسان اخلاق فاضلہ اور انسانیت اعلیٰ اوصاف سے محروم اور مال و دولت کے خمار بد مست ہو جاتا ہے، اور شرف انسانیت کھودیتا ہے، اور اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص مجنون و مغبوط ہو جائے، ممکن ہے کہ وہ اپنی اس حالت کو عقلمندی کا ثمرہ تصور کرتا ہے، مگر دراصل وہ پاگل پن ہے، مال و دولت کی محبت میں شرف انسانیت کو بیچ دینا خبط و جنون نہیں تو اور کیا ہے، چونکہ اکثر نفساتی ملکات پختہ اور ناقابل زوال ہو جایا کرتے ہیں، اس لئے ان کا اثر آخرت کی زندگی میں بھی نماں اہو تو محل تعجب نہ ہونا چاہیے ممکن ہے کہ قرآنی تمثیل،، کما یقول الذین یتخطب الشیطان من اسس (سورۃ بقرہ) اسی بات کی جانب اشارہ ہو۔ اور اسی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہو جو اس کی بد اعمالی و بد سرداری کے نتیجہ کے طور پر اخروی زندگی میں پیدا ہوگی۔

(تفسیر زبدۃ البیان میں ہے صفحہ ۲۴۱)

والحاصل انہم لا یقومون من قبورہم مالی المحشر بسبب الربوا ووزرہ و ثقلہ علیہم قیاما مثل قیام صحیح العقل بل مثل قیام المعجabin فیسقطون تارۃ و یمشون علی غیر الاستقامۃ اخری ولا یقدرون علی القیام اخری۔

حاصل یہ کہ وہ لوگ محشر میں اپنی قبروں سے سود کے وبال اور بوجھ کی بدولت اس

طرح نہیں اٹھیں گے جس طرح درست ہوش و عقل والے اٹھتے ہیں۔ بلکہ پاگلوں کی طرح اٹھیں گے گڑ پڑیں گے اور کبھی لڑکھڑاتے چلیں گے اور کبھی اٹھ بھی نہ سلیں گے۔

(ج) جو انسان ایک درہم (یا ایک روپیہ) تو ایک درہم (یا ایک روپیہ) کی قیمت ہوتا ہے اور دوسرے کی قیمت ضائع ہو جاتی ہے، اس کو اس کے عوض میں کچھ نہیں ملتا اور بائع کو ایک درہم (یا ایک روپیہ) مفت ہاتھ آتا ہے، اس میں نہ اس کے اصل درہم (روپیہ) کوئی دخل ہوتا ہے، اور نہ محنت کا کوئی اثر۔

(د) یہ ایک حقیقت ثانیہ ہیکہ تجارت و صنعت کو معاشی نظام کے رکن اعظم کی حیثیت حاصل ہے، اور انھیں پیسوں کی بدولت عامہ خلأق کی رفاہیت کے سامان اور معاشی خوشحالی کے وسائل ہو یا ہو سکتے ہیں اور تمدن کی ترقی اس سے وابستہ ہے، اور ان ذرائع سے مواش حاصل کرنے میں آدمی کو محنت اور مشقت کی حاجت ہوتی ہے، برعکس اس کے سودی کاروبار میں بے محنت روپیہ ملتا ہے، اب اگر معاشی نظر میں معاملہ سود کے ذریعہ کسب معاش کی اجازت دیدی جائے۔ تجارتی کاروبار کی مشقت و صنعت و مفت کی محنت و تکلیف برداشت کرنے کی طرف رجحان باقی نہ رہے گا، مفت نفع خوری اور آسان طریقہ سے روزی کمانے کی ترغیب ہوگی، اور اس طرح دنیا کا معاشی نظام ابتر ہو جائے گا، کیونکہ منافع خلق اللہ تجارت و صنعت و حرفت سے وابستہ ہیں، دنیوی کاروبار بغیر ان کے چل نہیں سکتے۔

(ه) خلق و مروت و ہمدردی انسانی کے شریفانہ احساسات کا جہاں یہ تقاضا ہیکہ قرض کے ذریعہ سے حاجتمندوں کی امداد روائی کی ترغیب دی جائے، وہاں یہ بھی ضروری ہیکہ قرض کی لین دین کو پر منفعت کاروبار اور ذریعہ کسب معاش بننے نہ دیا جائے، کیونکہ اس کے دو بدترین نتیجے ظلم و فناء اموال، یقینی ہیں، (جنکی جانب حدیث مندرج بالا میں توجہ دلائی ہے) سودی کاروبار کے رواج کی صورت میں ایک طرف غریب حاجتمند کو قرض لینا دشوار ہو جاتا ہے، اور

جو لوگ قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، وہ آخر کار ظالم سا ہو کاروں کی ہوس نفع خوری اور حریصانہ مظالم کا شکار ہو جاتے ہیں، دوسری طرف ہوا پرست مسرفین کی عادت فضول خرچی کو سہارا ملتا ہے بے جا عیش و عشرت اور فضول نام و نمود پر اڑانے کے لئے روپیہ بے سہولت حاصل ہونے لگتا ہے، پیشہ ور سود خوار سا ہو کار املاک و جائیداد کے مالکوں کو روپیہ بحسب طلب بآسانی قرض دیدتے ہیں، اور آخر کار صرف وہی روپیہ فضول مسارف میں ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ امیروں کی ذاتی املاک و جائیداد کو بھی اپنے ساتھ کھینچ لے جاتا ہے، بالخصوص مسلمان زمیندار، جاگیرداروں اور صاحب دولت و ثروت گھرانوں کے سودی قرضوں کی بدولت تباہی و بربادی کی عبرت خیز و حسرتناک مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔

اسلامی نظام نے سودی کاروبار کی روک تھام کے لئے اس قسم کے مظالم اور فناء اموال کے تباہ کن واقعات کا کلیہ سد باب کر دیا۔ اور قرض کے معاملات کو باہمی ہمدردی اور حسن سلوک، مواساة و احسان کے اعلیٰ اخلاق احساسات کی حدود تک محدود کر دیا۔ اور بغیر معاوضہ فرس دینے کو سیم الشان کاریہ و ردار شریفانہ قرار دیکر اس کی جانب ترغیب و تعریف میں بڑا اہتمام فرمایا۔ اور حُرصاروں کے ساتھ قرض خواہوں کی طرف سے واقع ہونے والی ہر خلاف مروت و انسانیت بدسلوکی کا انسداد کر دیا۔

قرض سے اعانت کرنیکی ترغیب

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً ویضاعفہ لہ اضعافاً کثیرۃ واللہ

یقبض ویبسط وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ. (بقرہ: ۲۴۵)

(۲) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضَاعِفْهُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ (۱۷)

وہ کون ہے جو خدا کو قرضِ حسنہ دے تاکہ خدا اس کے مال کو اس کے واسطے کئی گناہ بڑھا دے اور خدا ہی تنگدست کرتا ہے اور وہی رزق کی کشائش عطا کرتا ہے، اگر تم خدا کو قرضہ حسنہ دو گے تو وہ اسکو تمہارے واسطے دگنا کر دیگا، اور تم کو بخش دیگا۔ (سورہ تغابن: ۱۷)

حدیث بنوی ہے، (۳) من شکى الىه اخره المسلم فلم يقرضه حرم الله عز وجل عليه الجنة يوم يجزى المحسنين (وسائل الشيعه: ج ۱۶ ص ۳۹۰) جس کے پاس اسکا برادر مسلم اپنی تنگدستی کی شکایت لایا اور اس نے اسے قرض نہ دیا تو خدا اس کو جنت سے اس دن محروم رکھے گا جس میں نیکو کاروں کو جزا دیگا۔

**تنگدست و نادار قرضدار کو مہلت دینا چاہئے
اور قرض کو معاف کر دینا بہتر ہے۔**

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ. (بقرہ: ۲۸۰)

اگر (تمہارا قرضدار) تنگدست ہو تو اس کو خاشحالی تک مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ بہتر ہے کہ اصل بھی بخش دو۔

**قانون شرع اسلام میں
تنگدستی و ناداری کے حدود۔ قرض میں سامانِ خوراک، لباس۔ مسکن
خادم صرف نہ کیا جائے**

کنز العرفان میں ہے: والمراد بالمعسر عندنا من يعجز عن اداء ما عليه من الدين ولا يحسب عليه قوت يومه ودست ثوبه ودار سكناه وخادمة المعتاد فان ذلك لا يجب صرفه في الدين فاذا تحقق العجز عما عدا ذلك

وجب الانظار و حرم المطالبة و الحبس و مع القدرة تحل المطالبة
و يجوز الحبس قال لی الواحد يحل عقوبته و التي المطل و العقوبته الحبس .

(کنز العرفان: ج ۲ ص ۸۰)

معسر سے مراد ہمارے نزدیک وہ آدمی ہے جو اپنا قرض ادا کرنے سے عاجز ہو روز کا
خوراک، کپڑے، مکان، اور خادم جس کی عادیہ احتیاج ہوتی ہے یہ چیزیں محسوب نہ ہوگی اور ان
کو موجود ہوتے ہوئے ”معسر“ یعنی نادار و تنگ دست قرار دیا جائے گا۔ ان چیزوں کا قرض میں
صرف کرنا واجب نہیں جبکہ ان چیزوں کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ ہونے سے اس کا عجز
ثابت ہو تو اس کو مہلت دینا واجب ہوگا، اور مطالبہ قرض اور اسے قید کرنا حرام ہوگا، اور جبکہ وہ
ادا قرض پر قدرت رکھتا ہو تو مطالبہ حلال اور قید کرنا جائز ہوگا، جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا
ہیکہ اداء قرض کی قدرت رکھنے والا ٹال مٹول کرے تو اس کو سزا قید کرنا حلال ہوگا۔

قرض دینا تصدق کرنے سے بہتر ہے

عن ابی عبد اللہ قال النبی الف درهم اقترضها مرتین احب الی من ان
اتصدق بها امره و کما لا یحل لعزیمک ان یمطلک و هو معسر فکذا لک لا
یحل لک ان تعسره اذا علمت انه معسر۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۸ ص ۳۳۴)

حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میں
ایک ہزار درہم کو اگر دو دفع کر کے قرض دوں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ یکبارگی
تصدق کر دوں اور جس طرح تمہارے قرضدار کیلئے جائز نہیں ہیکہ خوشحال ہوتے ہوئے اداء
قرض میں ٹال مٹول کرے اسی طرح تمہارے لئے بھی حلال نہیں ہیکہ اس کی تنگ دستی کا حال

معلوم ہوتے ہوئے اس پر سختی کرو۔

حاجتمندوں کیلئے قرض لینا جائز ہے اور
بے ضرورت قرض لینا مکروہ ہے
بعض صورتوں میں حرام بھی ہے

جہاں حاجتمندوں کیلئے قرض کی لین دین کو حسن سلوک و کرم اخلاق کا بلند ترین مرتبہ قرار دیا ہے وہاں بے ضرورت قرض لینے کی ممانعت بھی کی ہے اور بعض حالات میں قرض لینا حرام بھی قرار دیا ہے۔

کنز العرفان میں ہے، اباحۃ الاسد انه لانها مما قد يضطر الانسان اليه في معاشه فتكون سايغة ولان النبي اسند ان وكذا على عليه السلام وجماعه من الائمة عليهم السلام نعم هو من غير ضرورة مكروه لقوله صلى الله آله وسلم اياكم والدين فانه مذلة بالنهار و مهمة بالليل و قد يحرم اذالم يكن له ما يقضيه به فانه خديعة ويقوى عندى اذالم يكن البائن مطلقا على حاله والافالكره شديدة و قبول الصدقة له اولى من الاستدانة .

قرض لینا اس لئے مباح ہے کہ انسان اپنے معاش کے بارے میں کبھی اس کا محتاج ہوتا ہے لہذا اسکو جائز ہونا چاہئے۔ اور اس لئے کہ خود جناب رسولؐ نے قرض کیا اور اسی طرح حضرت علیؑ اور ائمہ علیہم السلام بھی قرض لیتے تھے، البتہ بے ضرورت قرض لینا مکروہ ہے کیونکہ جناب رسالتؐ نے فرمایا ہیکہ تم قرض سے بچو کیونکہ وہ دن میں باعث ذلت و رات کو باعث فکر مندی ہوا کرتا ہے اور جب ادا کرنے کا ذریعہ اپنے پاس نہ ہو تو ایسی صورت میں قرض لینا حرام ہے اس لئے کہ وہ فریب ہے، اور میرے (یعنی صاحب کتاب فاضل مقدار کے)

نزدیک قول قوی یہ ہیکہ ایسے نادار و مفلس کا قرض لینا حرام اس وقت ہوگا جبکہ قرض دینے والا اسکی ناداری و بے مانگی کے حال سے ناواقف ہو، ورنہ مکروہ ہوگا، اور کراہت شدید ہوگی ایسے آدمی کے لئے صدقہ قبول کرنا قرض لینے سے بہتر ہے۔

قرض کی مذمت، کفر و قرض بے ضرورت دونوں برابر ہیں

حدیث نبویؐ میں ہے: اعوذ باللہ من الکفر الدین قیل یا رسول اللہ أیعدل الدین بالكفر قال نعم؟ (بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۱۴۱)

آنحضرتؐ نے فرمایا، میں کفر و قرض سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس پر کسی نے کہا یا رسول اللہ آپ کو قرض کو کفر کے برابر ٹھہراتے ہیں تو فرمایا، ہاں ایسا ہی ہے۔

راہ خدا میں شہید ہو جانا ہر گناہ کا کفارہ ہے سوا قرض کے

جعفر علیہ السلام قال کل ذنب یکفرہ القتل فی سبیل اللہ

اللہ سببہ ہر گناہ کا کفارہ ہے سوا قرض کے

حضرت محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہیکہ آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں شہید ہونا ہر گناہ سے پاک کر دیتا ہے سوا قرض کے کہ اس کا کفارہ صرف اس کا ادا کرنا ہی ہے یا تو شہید ہونے والے کی طرف سے اسکا کوئی ساتھی (یا وارث) ادا کرے یا جس کا حق ہے وہ معاف کر دے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ: ج ۳: ص ۳۷۸)

ادانہ کرنے کی نیت سے قرض لینے والا چور ہے

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: من استدان دینا فلم ینوی قضائه کان بمنزلة السارق. (تہذیب الاحکام: ج ۶، ص ۱۹۱)

جس نے قرض لیا اور ادا کرنے کا ارادہ نہ تھا تو وہ شخص گویا چور ہے۔

غنی کی ٹال مٹول ظلم ہے

حدیث نبویؐ ہے، مطل الغی ظلم۔ ادائے قرض میں غنی کی ٹال مٹول ظلم ہے۔

ناداروں کے جائز قرضے کا ادا کرنا حکومت اسلام کے ذمہ ہے

اس کیلئے خاص انتظام

جن قرضداروں کیلئے قرض ادا کرنا ممکن نہیں ان کی گلو خلاصی و سبکدوشی کیلئے مدات خیر میں مخصوص حصہ قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ

عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ

فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبہ: ۶)

مال صدقات تو بس فقیروں اور ناداروں کا حق ہے، اور ان لوگوں کا جو (زکوٰۃ وغیرہ

کی وصول کے) کارندے ہیں اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلب کی گئی ہے اور غلاموں کی

(غلام کے پھندے سے) گلو خلاصی میں اور قرضداروں کا جو خود ادا نہیں کر سکتے یہ حقوق) خدا

کی طرف سے فرض قرار دئے گئے ہیں، اور خدا بڑا صاحب علم اور حکمت والا ہے۔

ارشاد الہی میں، غارمین، سے

کون لوگ مراد ہیں

کنز العرفان میں ہے۔ الغارمون و هم الذين ركبتهم الديون في غير معصية بل في نفقة واجبة او معاش مباح.

غارمین سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر بار قرض ہوگا مگر خدا کی معصیت میں نہیں بلکہ نفق واجبہ یعنی ان لوگوں کی ضرورتوں میں جن کا نفقہ ان پر واجب ہے یا یا نفقہ مستحب یعنی ان جوگوں کے متعلق جن کی مالی امداد مستحب ہے یا معاشر مباح یعنی ان اسباب معیشت میں جو شرعاً مباح قرار دیئے گئے ہیں۔

اس سے پہلے اس بات کا تذکرہ گذرا کہ مفلس قرضداروں کے جائز قرضوں کا ادا کرنا خدا کی طرف سے رسول و امام کی ذمہ داریوں میں داخل کیا گیا ہے،
نادر کا قرض ادا کرنا فریضہ امام ہے

حدائق ناضرہ میں ہے: المفهوم من جملته من الاجار انه متى لم يتمكن سيئون من اداء الدين و وجب على امام ان يودي عنه من سهم الغارمين
انما انما اشد انه في طاعة او في مباح فلو انفقة في معصية لم يكره ذلك

حدیث سے یہ بات سمجھی گئی ہے کہ جب قرضدار اپنا قرض ادا نہ کر سکے گا تو امام پر واجب ہوگا ”سہم غارمین“ (وہ حصہ جو بنا بر حکم قرآنی قرضداروں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے) سے ادا کریں بشرطہ کہ قرضداروں نے روپیہ طاعت خدا و مباح کاموں میں خرچ کیا ہو۔ پس اگر خدا کی نافرمانی میں خرچ کیا گیا ہوگا تو اس کا ادا کرنا امام پر واجب نہ ہوگا۔

نظام اسلامی کی طرف مشترک
کاروبار کی رہنمائی

قرآن و حدیث کے منقولہ بالا شواہد سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ تمدن کی ترقی درمنفعت اور خوشحالی کو عام بنانے کے لئے زراعت و تجارت و صنعت و حرفت کو فروغ دینا اسلامی نظام کا عظیم الشان نصب العین ہے اب صرف یہ بتا دینا رہ گیا ہے کہ نظام اسلامی صرف انفرادی کاروبار ہی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اجتماعی کاروبار کی راہیں بھی کھولتا ہے اس کے ماتحت زمانہ حاضرہ کے بینکوں اور کوآپریٹو سوسائٹیوں کے ایسے سودی کاروبار کے ادارے تو قائم نہیں کئے جاسکتے مگر وہ تعاون ”علی البر والتقویٰ“ کے قرآنی اصول پر مشترک کاروبار کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور امداد باہمی کے سچے جذبے کے پیش نظر ایسے اجتماعی ادارات و مجالس (سوسائٹیوں) کے قیام کی راہیں کھلی رکھیں جو سرمایہ دار اور غریب ر، دونوں کے واسطے یکساں مفید ہو سکتے ہیں، فقہ اسلامی کے ابواب عقود و معاملات میں اس طرح لے ن وسائل معاش کی تفصیلات مذکور ہیں، اس مختصر مضمون میں انکی گنجائش نہیں نکل سکتی، لہذا بعض کی طرف اشارہ کر دینے پر قناعت کر لینا مناسب ہے۔

شرکت عنان یا شرکت اموال

انما تصح بالاموال و يتساوى الشريكان فى الربح والخسران مع تساويه ولو كان لاحد هما زيادة كان له من الربح بقدر راس ماله ولذا عليه من الخسارة ولو شرا لاحد هما زدة فى الربح مع تساوى المالىن او التساوى فى الربح والخسران مع تفاوت المالىن قيل تبطل الشركة اعنى الشروط التصرف الموقوف عليه وقول تصح الشركة والشرط والاول اظهر.

(شرائع الاسلام: ج ۶ ص ۳۷۵)

ہمارے نزدیک صرف شرکت اموال صحیح ہے اور جبکہ دونوں شریک مال برابر کی

شرکت رکھتے ہوں تو نفع و نقصان میں بھی مساوی ہوں گے، اور اگر کسی ایک کا مال زیادہ ہوگا تو نفع میں اسکا حصہ بقدر اس کے اور ان اعمال کے ہوگا اور اس پر خسارہ بھی اسی نسبت سے محسوب ہوگا اور اگر معاملہ شرکت میں باوجود دونوں کے مالوں کی برابری کے ایک شرکت کے واسطے نفع کی زیادتی یا باوجود مالوں میں تفاوت ہونیکے نفع و نقصان میں برابری کی شرکت کی جائے تو (اس صورت میں صحت معاملہ شرکت میں اختلاف ہے) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شرکت باطل ہو جائے گی یعنی شرط و تصرف اس پر موقوف ہے دونوں باطل ہوں گے اور بعض فقہاء کا قول ہے کہ شرکت صحیح ہوگی اور اول (یعنی بطلان شرکت) اظہر ہے۔

حدیث میں ہے: ان كان ربحاً فهو بينهما وان نقصانا فعليهما.

(وسائل الشیعة: ج ۹ ص ۶)

الربح ہوگا تو دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا اور اگر نقصان ہوگا تو اس میں بھی دونوں شریک رہیں گے۔

مضاربة

حداق ناظرہ میں ہے: هی عقد شرعی لتجارة الانسان بمال غیرہ

بحصة من الربح.

”مضاربة“ ایک شرعی معاملہ ہے جس میں ایک شخص دوسرے کے مال سے نفع کے

ایک حصہ کے عوض تجارت کرنا ہے۔

جواہر الکلام میں ہے۔ المضاربة دفع الانسان الى غیرہ مالا ليعمل فيه

بحصة من ربحه.

”مضاربة“ یہ ہے کہ انسان کچھ مال بغرض تجارت کسی کو دے اور مقابل عمل نفع میں

کوئی حصہ اس کا مقرر کرے۔

ان تعریفوں سے ظاہر ہوا کہ ”مضاربہ“ ارباب دولت و مال اور غریب و نادار کے تعاون سرمایہ و محنت کے اشتراک عمل و مقصد اور اس ذریعہ سے امداد باہمی کے اعلیٰ نصب العین کو حاصل کرنے کیلئے بہترین طریقہ ہے اور یہ ایک ایسا تجارتی معاملہ ہے۔ جس میں ایک طرف سرمایہ اور مال و متاع ہوتا ہے اور دوسری طرف عمل و محنت ہوتی ہے اور منافع میں حسب قرارداد تراضی طرفین اشتراک عمل ہوتا ہے ایک شخص اپنے سرمایہ سے ایسے انسان کو فائدہ پہنچا رہا ہے جو دیانت کے ساتھ تجارتی کاروبار کا سلیقہ ہونے کے باوجود نادار اور بے سرمایہ ہے اور اپنی محنت و سلیقہ عمل سے مالک سرمایہ کی منفعت کا باعث ہوتا ہے۔

اجارہ محنت و مزدوری

حدیث منقولہ بالا میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: **و اما وجه الاجارۃ فقولہ عزوجل ... نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ ... الْآیۃ (زخرف: ۳۲)**

(وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۱۰۳)

وسائل معاش میں طریقہ اجارہ کا تذکرہ اس ارشاد خداوندی میں ہے: **نحن قسمنا بینہم**، یہ آیہ مبارکہ اس سے پہلے زیر بحث آچکی ہے یہاں اس کے معنی مراد پر مزید روشنی ڈالنا مقصود نہیں ہے صرف اس قدر گزارش کافی ہے کہ ارشاد ربانی میں ان وسائل معاش کی طرف نہایت جامع و پر معنی الفاظ میں توجہ دلائی گئی ہے جن کا تعلق خدمت، مزدوری، محنت و اجرت سے ہے فقہ اسلام کے باب میں، باب اجارہ، کو بڑی اہمیت حاصل ہے ازیں جو تفصیلات مذکور

ہیں ان کا یہاں ترک کر دینا ناگزیر ہے اس مقام پر چند احادیث پیش کی جاتی ہے جن سے ظاہر ہو جائیگا کہ انسان کی محنت و عمل کی اسلام کی نظر میں کتنی عظیم قدر و قیمت ہے۔

کام لینے سے پہلے اجرت طے کر لیا کرو

حدیث میں ہے: نہی رسول اللہؐ ان يستعمل اجیرا حتی لیعلم ما اجرته، جناب رسول خدا صلعم کا حکم ہے اجرت معلوم کر لینے سے پہلے کسی اجیر (مزدور) سے کام نہ لیا جائے۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۱۰۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یستعملن اجیرا حتی یعلم ما اجرته۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۹ ص ۱۰۶)

جو آدمی خدا اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے اسے ہرگز کسی اجیر سے کام نہ لینا چاہئے جب تک یہ نہ معلوم کر لے کہ اسکی اجرت کیا ہوگی۔

مزدور کی اجرت

۳۱) کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ادا کر دو

حدیث نبویؐ میں ہے: اعط الا جیر حقہ قبل ان یجف عرقہ۔
مزدور کا حق اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

(مستدرک الوسائل: ج ۱۴ ص ۲۹)

مزدور کے حق اجرت میں ظلم کر نیوالا

ملعون ہے، خدا اس کو نہ بخشے گا

نیز آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

(۱) ملعون من ظلم اجیرا جرہ۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۴ ص ۲۹)

(۲) ان اللہ غافر کلی ذنب الامن حجد مہرا او اغتصب اجیرا

جس نے مزدور کی اجرت کے بارے میں ظلم کیا وہ ملعون ہے۔

(مستدرک الوسائل: ج ۱۴ ص ۳۱)

خدا ظاہری گناہ کا بخشنے والا ہے مگر دو شخصوں کو معاف نہ کریگا، ایک، جس نے عورت

سے مہر کا انکار کیا، دوسرا، جس نے مزدور کی اجرت مار لی۔

جناب رسول خدا صلعم مزدوروں کی حمایت میں

ان النبى قال ثلاثة انا خصيمهم يوم القيامة . رجلا نتاجر اجيرا

فاستوفى منه ولم يوف اجره . (مستدرک الوسائل: ج ۱۴ ص ۳۱)

جناب رسولؐ نے فرمایا کہ بروز قیامت میں تین قسم کے لوگوں کا فریق مقابل بنوں گا (ان میں

سے وہ لوگ بھی ہیں) جو مزدور سے کام لے کر اجرت پوری نہیں دیتے۔“

چرخا و کھدر

خاتمہ مضمون میں اس بات کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ زمانہ حاضرہ میں چرنے

اور کھدر کو رواج دینے میں عظیم الشان جدوجہد کی جا چکی ہے اسکی افادی حیثیت کا تجربہ بھی ہو چکا

ہے، مگر اس کو زمانہ حاضر کے کسی محترم و دوراندیش لیڈر کی جدت طرازی نہ سمجھنا چاہیے، وہ کوئی

نئی تحریک نہ تھی بلکہ تیرہ صدیوں سے اسلام کے نظام اقتصادی میں اس کو نمایاں جگہ حاصل ہے

اور اسکی اہمیت کے لئے صرف مندرجہ ذیل احادیث و اخبار کافی ہیں:

سوت کا تنے کی ہدایت عورت کے لئے

یہ گھریلو کام سب سے بہتر ہے

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وآله: نعم شغل المرأة

المومنة المغزل

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ مومنہ عورت کا بہترین مشغلہ چرخہ ہے۔

نیز حدیث نبویؐ ہے، (۲) عملو هن الغزل، عورتوں کو سوت کا تنا سکھاؤ۔

جناب فاطمہ زہراء صلوٰۃ اللہ علیہا کے

چرخہ کی عظمت و اہمیت

جناب سید رضی الدین علی بن طاووس نے کتاب لہوف میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:

(۳) قال یزید لعلی بن الحسین علیہما السلام اذکر حاجاتک

الثلاث اللاتی وعدتک بقضائهن (الی ان قال) قال والثانیة ما نرد علینا ما

اخذ منا (الی ما قال) وانما طلبت ما اخذ منا لان مغزل فاطمة بنت محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ (مستدرک الوسائل)

یزید نے حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام سے کہا کہ وہ تین

حاجتیں مانو۔ سب سے پہلا کہ میں نے وعدہ کیا ہے: (امامؑ نے منجملہ ان کے یہ بھی فرمایا کہ

میرے دو پیڑیں تیری ہیں ان کو واپس کر دے اور میں ان چیزوں کو اس وجہ سے مانگتا ہوں کہ

اس میں حضرت فاطمہ زہرا کا چرخہ بھی ہے۔



خاتمہ کلام

اس مضمون میں اسلام کے نظام معیشت و اقتصاد کا جو مختصر و مجمل خاکہ پیش کیا گیا ہے اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ نہ نظام سرمایہ داری ہے اور نہ نظام اشتراکیت و اشتمالیت، بلکہ بنیادی طور پر ان سب سے جدا ایک معتدل نظام ہے جس کے وسیع دامن میں ان کی تمام خوبیاں موجود ہیں، اور تمام خرابیاں اور بے اعتدالیاں اس سے خارج ہیں، فطرت کے دباؤ نے منحرف دنیا کا رخ اسی منبع اعتدال و مسلک اقتصاد کی جانب موڑ دیا ہے، ذہنیت سرمایہ داری اب محنت کش غریبوں کی مفاد سے دلچسپی اور احساس ہمدردی کی نمائندگی کر رہی ہے اور طبیعت اشتراک حق اور تفاوت درجات معیشت کے خلاف جنگ میں اعتدال پسند کی طرف مائل ہے، یہ تدریجی انقلاب ذہنیت و استحاله طبیعت اس حقیقت کو ناقابل اشتباہ بنا رہا ہے کہ نظام اسلامی ہی مکمل، معتدل و فلاح یافتہ ہے اور وہ دن توقعات کے حدود سے باہر نہ ہونا چاہئے جس میں ساری منحرف دنیا اسی نہج اعتدال و اقتصاد پر گامزن نظر آئے اور ارشاد ربانی ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (سورہ توبہ: ۳۳)

کا مضمون واقعہ اور حقیقت بن کر نگاہوں کے سامنے آجائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

تمام شد

ہرست کتاب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۔	ایک نظر ---- تعارف	۱۱-۵
۲۔	اسلام کا معاشی نظام	۱۵
۳۔	قبل ظہور اسلام عرب کی دینی و معاشی ابتری، اور اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ	۱۶
	حضرت جعفر طیار کی تقریر	
۴۔	حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا بیان	۱۷
۵۔	اسلام ایک قابل عمل نظام ہے جو عملی دنیا میں کامیاب ہو چکا ہے	۱۹
۶۔	قرآنی تعلیمات سے روگردانی کا انجام	۲۰
--	عالم اسلام کے انقلاب ذہنیت اور اس کے نتائج کی بابت آنحضرتؐ کی خبر غیب	۲۱
۸۔	چند بنیادی باتیں جن پر اسلامی نظام معیشت کا سمجھنا موقوف ہے	۲۲
۹۔	اسلام مذہب مل ہے، عمل اس کا عین حقیقت ہے	۲۴
۱۰۔	مارا ایمان عمل ہے	۲۴
۱۱۔	تمام اعضاء و جوارح کا ایمان میں حصہ ہے	۲۴
۱۲۔	اسلام کے نزدیک مفہوم عبادت بہت وسیع ہے	۲۵
۱۳۔	اپنے بچوں کو پیار کرنا بھی عبادت ہے	۲۵
۱۴۔	پیا سے جانوروں کو پانی پلانا بھی عبادت ہے	۲۶
۱۵۔	اسلام مذہب عدل و اعتدال اور انسان کا قدیم ترین مذہب ہے	۲۶
۱۶۔	دنیا میں تبلیغ اسلام کی غرض قیام عدل و انصاف ہے	۲۷

- ۱۷۔ انسان کے لئے کونسا نظام معاشی مناسب ہوگا ۲۸
- ۱۸۔ انسان کی حقیقت کیا ہے ۲۸
- ۱۹۔ انسان حیوان بن کر بھی غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بنا سکتا۔ ۲۹
- ۲۰۔ حیوانیت و انسانیت کے حدود ۳۲
- ۲۱۔ عالم کے غیر معتدل نظامات معیشت کی دو قسمیں ۳۳
- ۲۲۔ صرف اسلام کا نظام معاشی معتدل اور مطابق فطرت انسانی ہے ۳۵
- ۲۳۔ اعمال انسانی کی بنیاد دو قسم کے نظریہ ہیں۔ نظریہ الحاد و لامذہبی اور نظریہ خدا پرستی ۳۵
- ۲۴۔ نظریہ مادیت و الحاد اور نظریہ خدا پرستی کے متعلق مفصل بیان قرآنی بشکل مکالمہ ۳۸
- ۲۵۔ انسان کا مقصد اہم خوف و حزن سے نجات ہے اور وہ صرف زبانی ہدایت نامہ۔ پورا ہو سکتا ہے ۳۹
- ۲۶۔ اسلام کے نظام معاشی کا مختصر خاکہ انسان کا خدا سے تعلق ۴۰
- ۲۷۔ انسان تنہا نہیں پیدا کیا گیا ۴۰
- ۲۸۔ اگرچہ انسان دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے مگر دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے ۴۱
- ۲۹۔ دنیا و مافیہا میں تصرف کی دو ضروری شرطیں ۴۱
- ۳۰۔ دنیوی زندگی سلسلہ حیات کی ایک کڑی ہے۔ ۴۲
- ۳۱۔ دنیا بھی انسان کی اور آخرت بھی ۴۳
- ۳۲۔ پرہیزگاروں کا دو گنا حصہ ۴۴
- ۳۳۔ خدا کو بھولنے کا انجام ضیق معیشت ہے ۴۶
- ۳۴۔ ربط دنیا و آخرت کے متعلق اسلامی نقطہ خیال ۴۷
- ۳۵۔ حقیقت و ماہیت دنیا ۴۷
- ۳۶۔ مقصد اور طریقہ تحصیل پر دنیا کے ممدوح اور مذموم ہونے کا مدار ہے ۴۸
- ۳۷۔ دنیا کی دو قسمیں ہیں ۴۸

- ۳۸۔ مذموم دنیا کی تصویر ۴۹
- ۳۹۔ دنیا کا قابل مدح پہلو ۴۹
- ۴۰۔ دنیا آخرت کی اچھی مددگار ہے ۵۰
- ۴۱۔ پرہیزگاری کے لئے دولت اچھی مددگار ہے ۵۰
- ۴۲۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۵۱
- ۴۳۔ طلب دنیا کے پاک مقاصد ذاتی نفع کے ساتھ دوسروں کی منفعت کا خیال ۵۱
- ۴۴۔ کسب دنیا کے اعلیٰ مقاصد جو اس کو طلب آخرت بنا دیتے ہیں ۵۱
- ۴۵۔ زہد کی تعریف اور اس کی حقیقت ۵۲
- ۴۶۔ زہد کا حاصل قرآن کے دو کلموں میں ہے ۵۳
- ۴۷۔ خدا کی طرف سے حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لینے کی مذمت ۵۳
- ۴۸۔ مال کو ضائع کرنا یا حلال کو حرام کر لینا زہد نہیں ہے ۵۵
- ۴۹۔ اگر مقصود رضاء خدا ہو تو انسان دنیا و مافیہا لے کر بھی زاہد ہو سکتا ہے ۵۵
- ۵۰۔ سہ بچنا زہد ہے ۵۶
- ۵۱۔ انسان دولت کمانے اور خرچ کرنے میں پیش خدا مسئول ہوگا ۵۸
- ۵۲۔ اسلام نظام معیشت کا دو جملوں میں خلاصہ۔ پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو ۶۰
- ۵۳۔ زمین اور اس کی پیداوار میں تمام انسانوں کا حق برابر ہے ۶۳
- ۵۴۔ وہ پیداوار زمین مباح الاصل ہے جو ذریعہ معاش انسان بن سکتی ہے ۶۶
- ۵۵۔ حلال و حرام کا کلی اصول۔ وہ چیزیں اور کسب معاش کے وہ طریقے حرام ہیں جن سے بدن و روح میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ ۶۸
- ۵۶۔ لفظ ”طیب“ کے معنی ۶۸
- ۵۷۔ اسلام کے نزدیک معاشیات تابع اخلاق ہیں نہ کہ اخلاق تابع معاشیات ۶۹
- ۵۸۔ کسب معاش کی باعتبار حکم شرعی پانچ قسمیں ۷۱

- ۵۹۔ تذکرۂ ایمان و تقویٰ و صلاح کار میں تکرار کی مصلحت ۷۲
- ۶۰۔ ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو ۷۳
- ۶۱۔ معاشی جدوجہد کی اہمیت اسلام کی نظر میں طلب معاش فریضہ ہے اور بہترین عبادت ۷۵
- ۶۲۔ عیال کے لئے روزی کمانے میں محنت کرنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کا ہمسر ہے ۷۶
- ۶۳۔ ممدوح سرمایہ داری، حلال طریقے سے اغراض صحیحہ کے لئے مال جمع کرنا چاہیے ۷۶
- ۶۴۔ صلہ رحمی اور سخاوت کا دگنا اجر ۷۷
- ۶۵۔ طلب دنیا کے اعلیٰ مقاصد دوسروں سے بے نیاز ہونا اور ہمسایہ پر مہربانی کرنا ۷۷
- ۶۶۔ اپنے دست و بازو کی محنت سے کما کر کھانے والا ثواب انبیاء حاصل کرے گا۔ خدا اس پر نظر رحمت کرے گا اور کبھی اس پر عذاب نہ ہوگا ۷۸
- ۶۷۔ مرد کا سب خدا کا محبوب ہے ۷۸
- ۶۸۔ دنیا کے کام اس طرح کرو کہ گویا تمہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اور کار آخرت اس طرح کرو کہ گویا کل ہی مرنا ہے ۷۸
- ۶۹۔ سب سے بڑا اجر اس آدمی کا ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے ۷۹
- ۷۰۔ جو شخص عیال کو ضائع کر دیتا ہے، ان کی خدمت نہیں کرتا وہ ملعون ہے ۸۰
- ۷۱۔ روزی کمانے میں کاہلی کی مذمت ۸۰
- ۷۲۔ بے صبری اور کاہلی سے بچو ۸۰
- ۷۳۔ ارشاد نبویؐ۔ جو آدمی منہ کھولے خدا سے روزی کے لئے دعائیں مانگتا ہے اور طلب رزق نہیں کرتا اس کو میں دشمن رکھتا ہوں ۸۰
- ۷۴۔ جس آدمی کو روزی کمانے میں شرم نہیں آتی اس کا بار ہلکا دل مسرور اور عیال خوشحال رہتے ہیں۔ ۸۱
- ۷۵۔ جو شخص گھر میں بیٹھا رزق کی دعائیں مانگتا ہے اور طلب رزق کے لئے نہیں نکلتا اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی ۸۱

- ۷۶۔ دنیا چھوڑ دینے والوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی، اصحاب رسولؐ کا ایک نصیحت خیز واقعہ ۸۲
- ۷۷۔ ارشاد نبویؐ، سوال کرنا، بھیک مانگنا بہت برا کام ہے ۸۳
- ۷۸۔ جو مسلمان لوگوں سے سوال کرے گا خدا اس کے آنکھوں کے درمیان یہ لکھ دے گا کہ یہ شخص تا قیامت فقیر رہے گا ۸۳
- ۷۹۔ ایک درسوال کا کھولنا فقیری کے ستر (۷۰) دروازوں کے کھلنے کا باعث ہوتا ہے ۸۳
- ۸۰۔ لکڑیاں چن کر بیچنا اور اس سے اپنا رزق حاصل کرنا سوال کرنے سے بہتر ہے ۸۳
- ۸۱۔ ہمارا پیروہ آدمی ہے جو بھوکا مر جائے مگر بھیک نہ مانگے ۸۵
- ۸۲۔ ایک جماعت انصار کا بہترین طرز عمل۔ اتباع امر بنی کا اعلیٰ نمونہ ۸۵
- ۸۳۔ بھیک مانگنے والے کی گواہی لائق قبول نہیں ۸۶
- ۸۴۔ دکانداری و تجارت کی ہدایت ۸۶
- ۸۵۔ تجارتی کاروبار اپنا پیشہ بناؤ ۸۷
- ۸۶۔ تجارت و دستکاری ۸۷
- ۸۷۔ صنعت و حرفت کی ترغیب ۸۸
- ۸۸۔ ب مومن صاحب حرفت نہیں ہوتا تو دین فروشی کرتا ہے اور دین ہی کو ذریعہ معاش بناتا ہے۔ ۸۸
- ۸۹۔ زراعت پرورش حیوانات و باغبانی ۸۸
- ۹۰۔ کاشتکاری و باغبانی ۸۹
- ۹۱۔ خدا کو سب سے زیادہ پسند پیشہ کاشتکاری ہے ۸۹
- ۹۲۔ باغبانی ۹۰
- ۹۳۔ سیرت نبویؐ و سیرت دیگر پیشوایان اسلام ۹۰
- ۹۴۔ روایات مندرجہ بالا کے مضامین کا خلاصہ ۹۲
- ۹۵۔ اجرت کے کاموں سے تجارت بہتر ہے اور اس کا سبب ۹۳

- ۹۶۔ ”اصول اجمالی فی الطلب“ تحصیل رزق کے لئے سعی و محنت کے عمدہ طریقے ۹۳
اختیار کرو
- ۹۷۔ اصول اجمالی فی الطلب کا خلاصہ ۹۳
- ۹۸۔ طلب رزق کے معتدل حدود ۹۴
- ۹۹۔ حریفانہ مقابلہ و مفاخرت کے خیال سے بطریق حلال تحصیل دولت و مال بھی ۹۵
باعث غضب الہی
- ۱۰۰۔ پرہیزگاری و خوش کرداری کا افزائش رزق میں دخل ہے ۱۶
- ۱۰۱۔ تنگی معاش اور زوال نعمت کے اسباب ۹۷
- ۱۰۲۔ افزائش رزق حسن نیت سے وابستہ ہے ۹۷
- ۱۰۳۔ توکل بھی وسعت رزق کا ذریعہ ہے ۶۷
- ۱۰۴۔ حکم طلب معیشت اور حکم توکل میں ضدیت نہیں ۱۸
- ۱۰۵۔ تدبیر کے بعد تقدیر پر بھروسہ، سعی عمل کے بعد توکل ۹۸
- ۱۰۶۔ حقیقت توکل کے متعلق ارشاد نبویؐ ۹۹
- ۱۰۷۔ حقیقت ”توکل“ خدا کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ بے عمل بن جانا ۱۰۰
- ۱۰۸۔ اصول توکل کا حاصل اور ثمرہ ۱۰۲
- ۱۰۹۔ بخل کی مذمت ۱۰۴
- ۱۱۰۔ طول امل کی مذمت ۱۰۵
- ۱۱۱۔ حرص و طمع نہ کرو ۱۰۶
- ۱۱۲۔ قطع رحم کی مذمت صلہ رحمی نہ کرنا موجب لعنت خدا ہے ۱۰۶
- ۱۱۳۔ صلہ رحمی کا تاکید حکم ۱۰۷
- ۱۱۴۔ قطع رحم باعث تعجیل فنا اور سلب نعمت ہے ۱۰۷
- ۱۱۵۔ صلہ رحمی نہ کرنے سے مال شریروں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے ۱۰۸

- ۱۱۶۔ اگر بدکار لوگ بھی صلہ رحمی کرتے ہیں تو اس سے ان کی مال و دولت میں زیادتی ہوتی ہے
- ۱۱۷۔ سرکشی اور دنیا کو آخرت پر مقدم کرنے کا انجام۔ مذموم سرمایہ داری کے نتائج
- ۱۱۸۔ مذموم سرمایہ داری کے کرشمے اور اس کا انجام بد
- ۱۱۹۔ اصول قناعت:
- ۱۲۰۔ صرف مال میں رعایت اصول اقتصاد و اعتدال
- ۱۲۱۔ فضول خرچی کی ممانعت
- ۱۲۲۔ اسراف و اقتصاد کے حدود
- ۱۲۳۔ اقتصاد اور اسراف
- ۱۲۴۔ زندگی کا سب سے کامیاب طریقہ
- ۱۲۵۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی تاریخ بہت قدیم ہے
- ۱۲۶۔ عہد طالوت کے سرمایہ داروں کا قبول اطاعت سے انکار
- ۱۲۷۔ غمخبر کی نبوت ماننے سے اسکے زمانہ کے امیروں نے انکار کیا
- ۱۲۸۔ رسالت مآب کے سرمایہ داروں کی غرور و ذہنیت
- ۱۲۹۔ زبان و وطن کو انسانی شرافت و کرامت میں دخل نہیں وجہ شرافت و مدار کرامت تقویٰ ہے
- ۱۳۰۔ مفلسوں اور غریبوں کی اخلاق حالات بلند رکھے والے ہدایات
- ۱۳۱۔ ارشاد علوی، عوام کی رضا مندی خواص کی خوشنودی پر مقدم ہے
- ۱۳۲۔ رہنمایان اسلام کیلئے خدا کے مخصوص احکام و ہدایات، سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں۔ شاہانہ طریقے اختیار نہ کئے جائیں
- ۱۳۳۔ آداب شاہانہ کی ممانعت
- ۱۳۴۔ حکومت الہیہ کے نمائندوں کے مخصوص فرائض

- ۱۳۵۔ حاکم بصرہ کے نام جناب امیر کا ایک پرزور فرمان اور ایک مالدار کی دعوت قبول کرنے پر ملامت و چشم نمائی
- ۱۳۶۔ حضرت امیرؒ نے زمانہ خلافت میں نہ گھر بنوایا نہ کسی کو کوئی جا گیر دی:
- ۱۳۷۔ حضرت امیر المومنینؒ کا سادہ سے سادہ طرز زندگی
- ۱۳۸۔ شاہانہ تعظیم و جلال کی شدید ترین مخالفت ذلت پسندی کی ذہنیت و غلامانہ رسوم کا سد باب
- ۱۳۹۔ اسلامی تعلیمات کا در عمل مسلمانوں کی طرف سے حضرت رسالتؐ کی چند پیشینگوئیاں جو واقع ہو چکیں
- ۱۴۰۔ اسلامی نظام معیشت مال و زر کی ذخیرہ اندوزی کو بدترین جرم قرار دیتا ہے
- ۱۴۱۔ ضرورت سے زیادہ زر و مال تمہیں اس لئے نہیں دیا گیا کہ اسکے خزانے جمع کر رہے
- ۱۴۲۔ اسلام کا عام معاشی اصول دولت کی گردش صرف دولت مندوں کے طبقے میں محدود نہ رہنے پائے..
- ۱۴۳۔ زر و مال کی خرچ کی بابت تاکید احکام
- ۱۴۴۔ محتاجوں کی مالی امداد کی عظمت کا اظہار
- ۱۴۵۔ کار خیر کی اہمیت
- ۱۴۶۔ بخل کی مذمت
- ۱۴۷۔ ماں باپ کے حقوق
- ۱۴۸۔ مالی امداد کے مستحق اور ان کے درجات
- ۱۴۹۔ خود دار غریبوں پر خاص نظر عنایت
- ۱۵۰۔ انسانی حقوق دوسرے کار خیر پر مقدم ہیں
- ۱۵۱۔ کس قسم کی چیزوں کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہئے
- ۱۵۲۔ اپنے احسانوں کو احسان جتا کر اور دکھ دیکر برباد نہ کرو
- ۱۵۳۔ سچی خیرات کی اعلیٰ مثال

- ۱۵۴۔ ریاء شرک اصغر ہے ۱۴۹
- ۱۵۵۔ چھپی ہوئی خیرات کی فضیلت ۱۴۹
- ۱۵۶۔ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال غریبوں پر خرچ کرو ۱۴۹
- ۱۵۷۔ حد اعتدال کا خیال رکھو، راہ خدا میں خرچ کرو مگر ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ ۱۵۰
- ۱۵۸۔ خیرات میں سب مال و سرمایہ خرچ کر کے خود محتاج نہ بن جاؤ ۱۵۰
- ۱۵۹۔ ملکہ ایثار اخلاق کا بلند ترین درجہ کمال ہے ۱۵۱
- ۱۶۰۔ خیرات کر نیکی وصیت کیجائے ۱۵۲
- ۱۶۱۔ جو کار خیر و صی کے ذریعہ سے مقصود ہو وہ جیتے جی خود کر جاؤ۔ ۱۵۴
- ۱۶۲۔ ماعون یعنی روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء کے دینے میں بخل کی شدید مذمت ۱۵۴
- ۱۶۳۔ ”ماعون“ کی تعریف ۱۵۵
- ۱۶۴۔ اسلام کا اصول تقسیم دولت قانون ”تقسیم بالسویہ“ ۱۵۵
- ۱۶۵۔ تقسیم بالسویہ کی اہمیت شارع اسلام کی نظر میں ۱۵۶
- ۱۶۶۔ اصول تقسیم مساوات کے متعلق حضرت امیرؓ کا نقطہ نظر ۱۵۶
- ۱۶۷۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نظر میں دنیا کی معاشی پریشانی کا سبب سرمایہ کی
- مساوی تقسیم ہے ۱۵۷
- ۸۔ اسلام کا مقصد انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے ۱۵۸
- ۱۶۹۔ وہ اصول معیشت جو مناسب حال انسان ہو سکتا ہے ۱۵۸
- ۱۷۰۔ اسلام کا عام اصول۔ انسان کی قدر و قیمت اس کا حسن عمل ہے ۱۶۳
- ۱۷۱۔ نظام اسلامی کے اساسی نظریات ۱۶۴
- ۱۷۲۔ اسلام کسی انسان کو ایسی اقتصادی مسابقت کی اجازت نہیں دیتا جو دوسروں کیلئے ۱۶۵
باعث ضرر ہو
- ۱۷۳۔ فقراء اور افلاس مٹانا اسلام کا عظیم ترین مقصد ہے ۱۶۷

- ۱۷۴۔ حاجتمندوں کی قسمیں اور انکی امداد کا مکمل بندوبست ۱۶۸
- ۱۷۵۔ سرمایہ داری و اشتراکیت کا اسلام سے موازنہ ۱۶۹
- ۱۷۶۔ قرآن مجید اور معاشیات ۱۷۱
- ۱۷۷۔ وجہ امارت و وسیلہ حکومت ۱۷۲
- ۱۷۸۔ طرز حکومت کے متعلق اسلام کا عام نظریہ، اسلام کی پسندیدہ حکومت ۱۷۲
- ۱۷۹۔ اسلام کی نظر میں قابل نفرت حکومت کے اوصاف ۱۷۲
- ۱۸۰۔ اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول تعاون علی البر والتقویٰ ۱۷۳
- ۱۸۱۔ وجہ عمارۃ، یعنی زمین کی آبادی کے ذریعہ سے معاش حاصل کرنا ۱۷۴
- ۱۸۲۔ زمین اور زراعت ۱۷۴
- ۱۸۳۔ دوسروں کے ثمرات محنت پر دست درازی کا سد باب کرنے والے اصول ۱۷۵
- ۱۸۴۔ زمین کے اقسام اور ان کے احکام پہلی قسم ”موات بالاصالة“ ۱۷۶
- ۱۸۵۔ معاشیات میں مسلمان و کافر کا فرق نہیں ۱۷۸
- ۱۸۶۔ زمین کی دوسری قسم ۱۷۹
- ۱۸۷۔ زمین کی تیسری قسم ۱۸۰
- ۱۸۸۔ زمین کی چوتھی قسم ۱۸۰
- ۱۸۹۔ ممالک مفتوحہ کی آراضی کے متعلق نظریہ اشتراک، ارض خراج کا حکم ۱۸۱
- ۱۹۰۔ ارض خراج کی ملکیت کی خاص نوعیت ۱۸۲
- ۱۹۱۔ آراضی مفتوحہ سابق کاشتکاروں کے قبضے میں رکھی جائیگی، مقدار خراج کی بابت ۱۸۳
- اسلام کا منصفانہ نظریہ
- ۱۹۲۔ غیر مسلم کاشتکاروں کے ساتھ رعایت ۱۸۴
- ۱۹۳۔ لگان و مالگداری زمین کی اجرت ہے اس کی تعیین کاشتکار کی رضامندی پر موقوف ہے ۱۸۵
- ۱۹۴۔ ایک ضروری امر کی توضیح ۱۸۶

- ۱۹۵۔ امیر ریاست اسلامی کے مخصوص فرائض اور ذمہ داریاں ۱۸۷
- ۱۹۶۔ کس قسم کے دیون کا ادا کرنا حاکم شرع کا فرض ہے ۱۸۸
- ۱۹۷۔ خود کاشت کرنے کی ہدایت ۱۸۹
- ۱۹۸۔ قانون مزارعت ۱۸۹
- ۱۹۹۔ مالک زمین کا مطالبہ صرف اس کی زمین کے پیداوار سے متعلق ہوگا ۱۹۰
- ۲۰۰۔ اسلام کا قانون مزارعت نظام جاگیرداری نہیں یہ کاشتکاروں کا حامی اور نظام عدل ۱۹۰
- ومساوات
- ۲۰۱۔ کسانوں کے حقوق کا تحفظ، وقت وفات شارع اسلام کی وصیت کاشتکاروں پر ظلم ۱۹۱
- نہ ہونے پائے، مقررہ لگان سے زیادہ رقم وصول نہ کی جائے بیگار کی ممانعت
- ۲۰۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان کاشتکاروں کی حمایت میں بیگار اور نذرانہ کی ممانعت ۱۹۱
- ۲۰۳۔ خراج کی وصولیابی میں جاہرانہ طریقوں کی ممانعت ۱۹۳
- ۲۰۴۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان عمال خراج کے نام عام کسانوں کے حق ۱۹۳
- میں لاثانی ہمدردی
- ۲۰۵۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان مالک اشتر کے نام ۱۹۴
- ۲۰۶۔ سرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ان غیر مسلم زمینداروں کے نام جنگی ۱۹۶
- زمینوں پر سے اسلامی افواج گزرنے والی تھیں
- ۲۰۷۔ معادن کے اقسام و احکام ۱۹۷
- ۲۰۸۔ معادن طاہرہ ۱۹۷
- ۲۰۹۔ معادن باطنہ ۱۹۸
- ۲۱۰۔ چند ضروریات زندگی جن کو اسلام نے اشتر کی سرمایہ قرار دیا ہے ۱۹۸
- ۲۱۱۔ تجارت کی اہمیت و ضرورت اور اسکے شرعی احکام ۱۹۹
- ۲۱۲۔ معاملہ تجارت کی بنیاد تراضی ترغیب پر ہونی چاہئے ۲۰۲

- ۲۱۳۔ حق کی لین دین شرط تجارت ہے ۲۰۳
- ۲۱۴۔ تجارت میں بد معاملگی نہ ہونے پائے ۲۰۴
- ۲۱۵۔ آداب تجارت کی بابت تاجر کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ہدایتیں ۲۰۴
- ۲۱۶۔ ارشاد نبوی: تاجر کو پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے ۲۰۵
- ۲۱۷۔ چند آداب تجارت ارشاد نبویؐ میں ۲۰۵
- ۲۱۸۔ آداب تجارت کے متعلق امام جعفر صادقؑ کی ہدایات ۲۰۵
- ۲۱۹۔ کم تولنے کی مذمت ۲۰۷
- ۲۲۰۔ وزن کب پورا ہوگا ۲۰۸
- ۲۲۱۔ غبن حرام ہے ۲۰۸
- ۲۲۲۔ شرط بیع یہ ہے کہ مقدار شی معلوم و معین ہو ۲۰۹
- ۲۲۳۔ تاجروں کیلئے قسمیں اور دستکاروں کے لئے آج کل کے جھوٹے وعدے تباہی کے باعث ہیں ۲۰۹
- ۲۲۴۔ حد سے سوا نفع خوری کی شدید مذمت ۲۰۹
- ۲۲۵۔ خبر غیب کا ایک آئینہ جس میں ہمارے زمانہ کے حالات کی تصویریں نظر آتی ہیں ۲۱۰
- ۲۲۶۔ ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب کے ساتھ یکساں معاملہ ہونا چاہئے ۲۱۲
- ۲۲۷۔ کسی کو دوسرے کے معاملے میں دخل نہیں دینا چاہئے ۲۱۳
- ۲۲۸۔ نجش حرام ہے ۲۱۳
- ۲۲۹۔ سامان غذا کی ذخیرہ اندوزی ”اختکار“ کی حرمت و کراہت ۲۱۷
- ۲۳۰۔ اختکار کی مذمت ۲۱۹
- ۲۳۱۔ اختکار کی مدت کا تعین ۲۱۹
- ۲۳۲۔ حضرت امیر کا فرمان ”اختکار“ کی ممانعت، ذخیرہ اندوزوں کو سزا دو ۲۲۰
- ۲۳۳۔ سال بھر خوراک جمع کر لینا پسندیدہ کام ہے ۲۲۱

- ۲۳۴۔ زمانہ قحط میں ذخیرہ خوراک فروخت کر دینا مستحب ہے راشنگ کے طریقہ کی رضا کارانہ ترغیب
- ۲۳۵۔ سیرت آئمہ اسلام
- ۲۳۶۔ شراب اور قمار کی حرمت
- ۲۳۷۔ تجارت مسکرات کی ممانعت
- ۲۳۸۔ جوئے کی تمام قسمیں حرام ہیں
- ۲۳۹۔ تحریم اشیاء کا عام اصول، ضرر و نفع کے تناسب حکیمانہ نظر
- ۲۴۰۔ سود کی تحریم بھی اسی بنیادی نظریہ کے ماتحت ہے
- ۲۴۱۔ سود خوری کی شدید مذمت
- ۲۴۲۔ باقی ماندہ سود چھوڑ دو ورنہ خدا اور رسول سے جنگ مول لو
- ۲۴۳۔ سود در سود کی ممانعت
- ۲۴۴۔ سود کی لین دین کی مذمت
- ۲۴۵۔ سود کی تحریم کی معاشی حکمتیں اور مصلحتیں
- ۲۴۶۔ رسود کا لینا حلال ہوتا تو لوگ تجارت کا کاروبار چھوڑ دیتے جس کی عام احتیاج ہے
- ۲۴۷۔ وجوہ تحریم ربا کے متعلق امام رضا علیہ السلام کا مفصل ارشاد
- ۲۴۸۔ مندرجہ بالا آیات و احادیث کا خلاصہ
- ۲۴۹۔ قرض سے اعانت کرنیکی ترغیب
- ۲۵۰۔ تنگدست و نادار قرضدار کو مہلت دینا چاہئے اور قرض کو معاف کر دینا بہتر ہے
- ۲۵۱۔ قانون شرع اسلام میں تنگدستی و ناداری کے حدود۔ قرض میں سامان خوراک، لباس، مسکن خادم صرف نہ کیا جائے
- ۲۵۲۔ قرض دینا تصدق کرنے سے بہتر ہے

- ۲۵۳۔ حاجتمندوں کیلئے قرض لینا جائز ہے اور بے ضرورت قرض لینا مکروہ ہے بعض ۲۳۹
- صورتوں میں حرام بھی ہے
- ۲۵۴۔ قرض کی مذمت، کفر و قرض بے ضرورت دونوں برابر ہیں ۲۴۰
- ۲۵۵۔ راہ خدا میں شہید ہو جانا ہر گناہ کا کفارہ ہے سوا قرض کے ۲۴۰
- ۲۵۶۔ ادا نہ کرنے کی نیت سے قرض لینے والا چور ہے ۲۴۰
- ۲۵۷۔ غنی کی ٹال مٹول ظلم ہے ۲۴۱
- ۲۵۸۔ ناداروں کے جائز قرضے کا ادا کرنا حکومت اسلام کے ذمہ ہے اس کیلئے خاص انتظام ۲۴۱
- ۲۵۹۔ ارشاد الہی میں، غارمین، سے کون لوگ مراد ہیں ۲۴۱
- ۲۶۰۔ نظام اسلامی کی طرف مشترک کاروبار کی رہنمائی ۲۴۲
- ۲۶۱۔ شرکت عنان یا شرکت اموال ۲۴۳
- ۲۶۲۔ مضاربۃ ۲۴۴
- ۲۶۳۔ اجارہ محنت و مزدوری ۲۴۵
- ۲۶۴۔ کام لینے سے پہلے اجرت طے کر لیا کرو ۲۴۶
- ۲۶۵۔ مزدور کی اجرت اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ادا کر دو۔ ۲۴۶
- ۲۶۶۔ مزدور کے حق اجرت میں ظلم کر نیوالا ملعون ہے، خدا اس کو نہ بخشے گا ۲۴۶
- ۲۶۷۔ جناب رسول خدا صلعم مزدوروں کی حمایت میں ۲۴۷
- ۲۶۸۔ چرخا و کھدر۔ ۲۴۷
- ۲۶۹۔ سوت کا تنے کی ہدایت عورت کے لئے، یہ گھریلو کام سب سے بہتر ہے ۲۴۷
- ۲۷۰۔ جناب فاطمہ زہراء صلوٰۃ اللہ علیہا کے چرخہ کی عظمت و اہمیت ۲۴۸
- ۲۷۱۔ خاتمہ کلام ۲۴۹

منابع

- ۱ - قرآن مجید
- ۲ - تفسیر صافی
- ۳ - تفسیر نور الثقلین
- ۴ - مجمع البیان
- ۵ - نہج البلاغہ
- ۶ - شرح نہج البلاغہ
- ۷ - الکافی
- ۸ - شرح اصول کافی
- ۹ - تہذیب الاحکام
- ۱۰ - من لا یحضرہ الفقیہ
- ۱۱ - فروع الکافی
- ۱۲ - شرح فروع کافی
- ۱۳ - وسائل الشیعہ
- ۱۴ - مستدرک الوسائل
- ۱۵ - مدرک المسائل
- ۱۶ - لثالی الاخبار
- ۱۷ - عدۃ الداعی
- ۱۸ - کنز العمال
- ۱۹ - حدائق الناضرہ
- ۲۰ - کنز العمال
- ۲۱ - تحف العقول
- ۲۲ - کنز العرفان
- ۲۳ - المحجۃ البیضاء
- ۲۴ - مجموعۃ الورام
- ۲۵ - مشکاة الانوار
- ۲۶ - بحار الانوار
- ۲۷ - جامع السعادات
- ۲۸ - سفینۃ البحار
- ۲۹ - مستدرک سفینۃ البحار
- ۳۰ - جامع الاخبار
- ۳۱ - المکاسب
- ۳۲ - شرائع الاسلام
- ۳۳ - المقنع